ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها

كشف الغرر عن سنة الفجر

سنت فجر

عند الاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی

مقدمہ

محقق العصر شیخ سجاد الحجابی

نظرثانی

مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

تالیف

مولانا مفتی حبیب الرحمن اعظمی

استاذ التخصص فی الفقہ والافتاء، مردان

شعبہ نشرواشاعت: جامعۃ الفلاح بخشالی مردان

Scanned by CamScanner

نام کتاب	—	كشف الغرر عن سنت الفجر سنت فجر
مولف	—	مولانا مفتی حبیب الرحمن اعظمی
تعداد	—	1100
سال طباعت	—	2018
ناشر:	—	جامعۃ الفلاح بخشالی مردان
سٹاک:	—	مکتبہ وحیدیہ محلہ جنگی پشاور
		مکتبۃ الاحرار نیواڈہ مردان
		مکتبہ حذیفہ بخشالی مردان
		مکتبہ محمودیہ عبدالرحمن پلازہ صوابی

رابطہ نمبر 0310-9595095

Scanned by CamScanner

تاثرات مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی مدظلہ

گرامی قدر حضرت مفتی صاحب، ایدک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کی تحریر دلپذیر کے مطالعہ سے محظوظ و مسرور ہوا، اسے میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں بلاشبہ یہ "کاشف الغرر" ہے، نہایت پُر اثر ہے، باعثِ تسکینِ قلب وجگر ہے، ہر صاحب نظر کیلئے قابلِ قدر ہے، خوب نہیں خوب تر ہے۔ یہ دلائل کا ایک سیلاب ہے جو غیر مقلدین، مخالفین، معاندین، حاسدین، ناقدین کے ہر فردِ کم ترین کیلئے باعثِ عذاب ہے۔ ان شاء اللہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہر عدو کا خانہ خراب ہے، اس پر اللہ و رسول کا عتاب ہے۔

مولانا! الحمد للہ رب العالمین کا ورد کیجئے اور سجدۂ شکر ادا کیجئے۔ آپ کی کتاب باصواب لاجواب ہے۔ اس میں جتنے براہین ضوفگن ہیں سب باطل شکن ہیں۔ حق ہے کہ یہ کتاب جلد منصۂ شہود پر آئے اور قلوب کو گرمائے۔ جتنی تاخیر ہو چکی کافی سمجھیں۔

؎ اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ!

ثناء اللہ سعد شجاع آبادی کان اللہ لہ

۱۰ صفر المظفر ۱۴۳۹ھ بمطابق ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۷ء

Scanned by CamScanner

تقریظ حضرت مولانا مفتی عبداللہ فردوس صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امابعد! سنت اور اسکی ادائیگی پیغمبر پاک ﷺ کیساتھ محبت کا دلی اظہار ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک امت مسلمہ کے متقدمین اور متاخرین حضرات اس پر کاربند رہے ہیں۔ سنت مبارکہ کی عظمت اگلے قلوب میں تھی جبکہ آج کا دور فتن کا ہے۔ فجر کی جماعت کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے اور فجر کی نماز کے بعد فجر کی سنتیں نہ پڑھنے پر پاک وہند میں اتفاق تھا سب لوگ مذہب حنفی پر عمل پیرا تھے۔ ان فروعی مسائل میں اختلاف اس وقت پیدا ہوا جب انگریز نے سرزمین ہندوستان پر اپنے ناپاک قدم رکھے اور بات یہاں تک پہنچی کہ معمولی فروعی مسائل میں جنگ وجدال کی فضا پیدا ہوئی۔ احناف پر خلاف سنت عمل کرنے کے بے بنیاد الزامات لگائے گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر علمائے پاک وہند نے ان بے بنیاد الزامات کا پردہ چاک کرنے کیلئے اپنے قلم کو جنبش دی اور امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرمائی۔

آپ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کرنے والوں کو بعض اوقات طعنے دیے جاتے ہیں، ان پر فقرے کسے جاتے ہیں، ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اس سے بعض لوگ گھبرا جاتے ہیں اور شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہی کیفیت فجر کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے اور فجر کی نماز کے بعد سنتیں نہ پڑھنے کے متعلق بھی پیدا کی گئی ہے اور لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے "مولانا مفتی حبیب الرحمن اعظمی" صاحب کو کہ انہوں نے احیاء سنت کی دفاع کیلئے اپنے قلم کو حرکت دیکر ایک بہترین کتاب "کشف الغطاء عن سنۃ الفجر" لکھی ہے جس میں مولانا موصوف نے فجر کی سنتوں کے متعلق تمام شکوک وشبہات کے مدلل جوابات دیکر اہل حق کیلئے ایک بہترین علمی سرمایہ میسر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت کو قبول فرما کر تمام مسلمانوں کیلئے نافع بنادیں۔ آمین

(مفتی) عبداللہ فردوس عفی عنہ

۳ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

Scanned by CamScanner

فہرست مضامین

Scanned by CamScanner

باب دوم

نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنے کے جواز کا ثبوت احادیث مبارکہ سے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

"باب پنجم"

Scanned by CamScanner

"باب ششم"

"باب ہفتم"

Scanned by CamScanner

"باب ہشتم"

فرض نماز کی اقامت کے وقت سنت فجر کی ممانعت میں غیر مقلدین کے دلائل اور انکے توجیہات

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

"حصہ دوم"

"الترجیحات فی کشف الشبہات الواہیات" ۱۹۵

سنت فجر عند الاقامت پر ایک غیر مقلد کے شکوک و شبہات کا تحقیقی جائزہ

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

تقریظ

سیدی و مرشدی شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی مدظلہ العالی

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

"الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد"

محترم مولانا حبیب الرحمن اعظمی حفظہ اللہ تعالی کی زریں و قیمتی تالیف

"کشف الغرور عن سنۃ الفجر"

کے بالاستیعاب مطالعہ سے بے حد سرور و انبساط نصیب ہوا ماشاء اللہ مولانا موصوف نے نماز فجر کے قیام کے دوران سنت فجر کو پڑھنے کے جواز پر حضرات صحابہ کرامؓ تابعین، سلف صالحین کا عمل اور دیگر سنت فجر سے متعلق مباحث اور غیر مقلدین حضرات کے بے بنیاد اعتراضات کے تسلی بخش جوابات کو مدلل محققانہ انداز شاندار تبویب و تنسیق، سلیس اردو زبان میں زیب قرطاس فرما کر مسلک احناف سے وابستہ حضرات کیلئے ایک شاندار علمی شاہکار سے نوازا ہے۔ جزاہ اللہ احسن ما یجازی عبادہ المحسنین

الحمد للہ ثم الحمد للہ مسلک احناف ایک معتدل مسلک ہے جس کے تمام مسائل کتاب و سنت اور حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار کے عین مطابق ہیں ہمارے فقہائے کرام نے سنت فجر کے بارے میں جو باتیں فرمائی ہیں کہ نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر کو صفوں سے دور مسجد میں یا مسجد سے باہر پڑھنا جائز ہے یہ اجلہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن العاصؓ نے مجھے اور حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کو صبح کی نماز سے پہلے بلایا۔ جب ہم ان کے گھر سے نکلے تو صبح کی نماز کیلئے اقامت ہو گئی تھی تو

ابن مسعودؓ ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہوکر سنت فجر پڑھ کر فرض نماز میں شریک ہوئے تو ان کے اس عمل پر نہ حذیفہؓ نے انکار کیا اور نہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے ، اسی طرح ابو مجلزؒ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور امام صبح کی نماز پڑھا رہے تھے ، ابن عمرؓ تو صف میں شامل ہوگئے اور ابن عباسؓ دو رکعت سنت پڑھ کر اسکے بعد جماعت میں شریک ہوئے اسی طرح ابن عمرؓ ایک دفعہ گھر سے نکل کر تشریف لائے تو مسجد میں نماز ہو رہی تھی آپؓ نے مسجد سے باہر سنت پڑھ کر نماز میں شریک ہوئے اور ایک دفعہ حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں سنت پڑھ کر نماز میں شریک ہوئے اسی طرح ابو دردا ؓ اور مسروقؒ اور حسن بصریؒ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوگئے تھے ۔ یہ صحابہ کرامؓ سنت فجر کی ادائیگی میں اس لئے زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سنتوں کے بارے میں تاکید فرمائی ہے: "لاتدعوهما وان طردتكم الخيل" . اور اسی طرح یہ سنتیں اگر رہ جائیں تو طلوع شمس کے بعد پڑھنی چاہئیں سنن ترمذی میں امام ترمذیؒ اور حاکمؒ نے مستدرک میں ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کی سنت فجر رہ جائیں تو وہ طلوع شمس کے بعد پڑھ لے ، استاد المحدثین حضرت مولانا شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اس حدیث کا کتب احادیث میں تتبع کیا تو یہ حدیث بیس طرق سے زیادہ اسانید کے ساتھ مروی ہے ۔ العرف الشذی ص ۱۹۳ ۔ وعلی کل حال بحترم مولانا حبیب الرحمن اعظمی جزاہ اللہ احسن الجزاء نے پوری محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ کتاب تالیف فرما کر علمی دنیا میں ایک بہترین کتاب کا اضافہ فرما دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر فرزندان اسلام کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمادے ۔

کتبہ: خادم اہل العلم شیر علی شاہ

۲۴/۱/۱۴۲۹ھ

Scanned by CamScanner

اظہار تشکر

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔

ناچیز اپنے شیخ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدظلہ العالی کا انتہائی مشکور وممنون ہے کہ اس پیرانہ سالی میں اور باوجود آنکھوں کی تکلیف کے اس ناچیز کی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا اور احقر کو دعائیں دے کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ اسی طرح میں اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا شیخ سجاد الحجابی دامت برکاتہم العالیہ کا جن کے وقیع مشوروں سے ناچیز اس تالیف کو احسن طریقے سے تکمیل تک پہنچا پایا، اور جناب مولانا ثناءاللہ سعد شجاع آبادی مدظلہ کا بھی انتہائی ممنون ومشکور ہوں کہ جناب نے اپنے انتہائی قیمتی اوقات میں کتاب کی نظر ثانی کا فریضہ بخوبی انجام فرمایا۔ اور ان حضرات بزرگان دین کے علاوہ جن دوستوں نے جس قسم کی رہنمائی فرمائی ہے میں ان سب مخلصین کا دل کی گہرائیوں سے مشکور وممنون ہوں اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

Scanned by CamScanner

مقدمہ

از

شیخی وسیدی، محقق العصر، جامع المعقول والمنقول شیخ سجاد الحجابی حفظہ اللہ ورعاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وحدہ والصلاۃ والسلام علی
سیدنا محمد خاتم النبیین من لا نبی بعدہ وعلی آلہ وصحبہ
الذین حفظوا الاسلام عزہ ومجدہ وعلی حملۃ العلم الذین
ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل
الجاہلین، فبلغ لہ کل جہدہ، وبعد!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک ابدی دین ہے اور اسلام آنے کیساتھ سابقہ تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے واضح اعلان فرمایا: ﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾ [ال عمران: ۱۹] بلکہ اسلام کی تکمیل کا اعلان باقاعدہ فرمایا اور نعمت اور رحمت قرار دیا۔ اس تحفہ خداوندی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ کی روشنی میں نہایت احسن طریقے سے صحابہ کو پہنچایا اور صحابہؓ نے تابعین کو۔ صحابہ اور تابعینؒ کے دور میں فتوحات اسلامیہ انتہائی وسیع ہو گئے اور دین اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر مذہب بن گیا۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ کتاب وسنت کے بہت سارے مسائل کو اللہ تعالی نے عام فہم بنایا لیکن بعض مضامین بظاہر عوام کے سمجھنے سے بالاتر تھے تو ان احکامات کو واضح کرنے کیلئے اللہ رب العزت نے آئمہ مجتہدین کو پیدا فرمایا۔ اسلام میں جوق در جوق اقوام داخل ہونے کی وجہ سے قسما قسم نئے مسائل، حوادث ونوازل پیش آتے

جن کو ائمہ مجتہدین نے حل کر کے ملت اسلامیہ کے سامنے بہت ہی زود فہم اور عام فہم اسلوب میں پیش کیا۔ سلف صالحین کے ادوار میں مذاہب کی تعداد تقریبا ۲۲ کو پہنچتی ہے۔ لیکن کئی مذاہب مدون ہونے سے رہ گئے یا تو حالات ناہموار ہونے کی وجہ سے یا شاگردوں کے نا محفوظ کرنے سے اور بھی کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان تمام مذاہب کے درمیان اللہ سبحانہ وتعالی نے کتاب وسنت کے حفاظت کیلئے ایک تکوینی امر کے تحت چار مذاہب کو باقی رکھا اور ہر مذہب کے امام کے تلامذہ بلکہ شاگردوں کے شاگردوں نے ان مذاہب کو صحیح انداز میں مدون کیا۔ آج بلکہ قیامت تک انشاء اللہ یہ مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، کے نام سے جانے جاتے ہیں اور جانے جائیں گے۔

دراصل یہ بات کسی بھی محقق پر مخفی نہیں ہے کہ مذاہب اربعہ ملت اسلامیہ کیلئے رحمت ہیں۔ یاد رہے کہ مذاہب اربعہ کے درمیان عقیدہ میں سرمو اختلاف نہیں ہے بلکہ عقیدہ میں ایک مٹھی کی طرح ہیں اور فروعی اختلاف جو کہ رحمت ہے وہ بھی بہت کم ہے۔

محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ شریعت کے تین فروعی حصوں کے اندر دو حصوں میں کامل اتفاق ہے اور باقی ایک حصے میں اختلاف رحمت ہے یا بعبارت دیگر شریعت کے سو فیصد فروعی مسائل میں ۸۰ فیصد مسائل کے اندر چاروں مذاہب میں اتفاق ہے باقی ۲۰ فیصد مسائل میں اختلاف رحمت ہے۔ جیسا مزاج شریعت ہی کے متقاضی ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ ۲۰ فیصد اختلاف بھی نہایت معتدل ہے۔ چنانچہ اگر ایک مذہب میں ایک قول کے حوالے سے ایسر (آسانی) پر عمل ہوا تو اسی مسئلے کے اوپر دوسرے مذہب میں احوط پر عمل ہوا یا کسی ایک مسئلے کے اندر ایک مذہب میں اولی پر عمل ہوا تو اسی قول میں دوسری مذہب کے اندر غیر اولی پر عمل ہوا۔ خلاصہ یہ کہ اختلافی مسائل ایسر واحوط یا اولی اور غیر اولی کے درمیان

Scanned by CamScanner

دائر ہیں اور اللہ رب العزت نے اس کے اندر بھی رحمت رکھی ہے اور مشہور مقولہ ہے "اختلاف الامۃ رحمۃ "۔ اس مقصد کیلئے علامہ حامد بن ابی بکر الرازیؒ (جو چھٹی ہجری کے اکابر علماء میں سے ہے) کی کتاب "الجمع بین التقوی و الفتوی فی مہمات الدین و الدنیا"، اور امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب "المیزان الکبری"، اور علامہ شافی کی کتاب "رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ" ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حسن اتفاق کی بات یہ ہے کہ چاروں آئمہ مجتہدین کا ان قلیل فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود نہایت گہرا تعلق تھا جو خالص محبت اور الفت پر مبنی تھا۔ اسکی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ آئمہ اربعہ ایک دوسرے سے کھل کر استفادہ کیا کرتے تھے۔ یا یوں کہیے کہ یہ حضرات گویا ایک ہی خاندان کے افراد تھے جنکا رگ وخون کا رشتہ تھا۔ ان چاروں اماموں میں سے دو امام یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام دار الہجرہ امام مالکؒ بڑے امام شمار کیے جاتے ہیں اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ان کے نسبت چھوٹے امام شمار کیے جاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ باوجود یہ کہ تابعیت کے منصب پر فائز تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور علی رضی اللہ عنہ کے علوم کے وارث تھے۔ جنکا اپنے زمانے میں کوفہ کے اندر ڈنکا بج رہا تھا۔ لیکن اسکے باوجود امام اعظم ابوحنیفہؒ نے امام مالک کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ دوسری طرف امام مالکؒ مدینہ منورہ کے صحابہؓ وتابعینؒ کے علوم کے وارث تھے۔ لیکن انکے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے انتظار میں رہتے تھے اور جب امام ابوحنیفہؒ موسم حج میں حرمین شریفین تشریف لاتے تو امام ابوحنیفہؒ سے استفادہ میں نہیں کتراتے تھے۔ بلکہ روایت مشہور ہے کہ امام مالکؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کتابوں سے ساٹھ ہزار مسائل کا استفادہ کیا ہے۔ جیسا کہ امام مسعود بن شیبہ سندھیؒ نے "مقدمہ کتاب التعلیم" میں ذکر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض آئمہ مالکی تو کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ سے کسی مسئلہ میں کوئی روایت منقول نہ ہو تو

Scanned by CamScanner

امام ابو حنیفہؒ کے قول کو لیا جائے گا۔ اور یہی شان امام مطلبی محمد بن ادریس الشافعیؒ کی بھی تھی مہبط الوحی مکہ مکرمہ کے باشندے تھے لیکن مدینہ منورہ جا کر امام مالکؒ سے مؤطا امام مالک کا سماع مکمل کیا۔ امام شافعیؒ ۱۸۴ھ میں یمن سے بغداد تشریف لائے اور امام محمدؒ سے خوب خوب استفادہ کیا یہاں تک کے دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر ان سے علوم وفقہ کے لکھے، اور امام شافعیؒ نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے ایک اور مایا ناز شاگرد یوسف بن خالد السمتی سے بھی بھر پور استفادہ کیا اور عراقی فقہ کو جمع کیا انہوں نے پہلے پہل تو "کتاب الحجۃ" لکھی جو عراق میں مشہور ہوئی اور بعد میں "کتاب الام" لکھی جو مصر میں مشہور ہوئی۔

"آئمہ اربعہ میں سے چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نام سے جانے جاتے ہیں جنہوں نے امام ابو یوسفؒ سے تین سال مسلسل استفادہ کر کے تین بوجھوں کے برابر علم جمع کیا اور اس پر بس نہیں کیا بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے امام محمد، امام اسد بن عمرو سے خوب استفادہ کیا۔ اسکے بعد ۱۹۵ھ میں عراق کے اندر ہی امام شافعیؒ کے پاس علوم کی تکمیل کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ آئمہ اربعہ کے درمیان محبت کا ایک گہرا تعلق تھا اور اسلام کو ترقی دینے میں ہر امام نے کسر نہیں چھوڑی اور انہیں آئمہ اربعہ کے پیچھے اس وقت مسلمانوں کے ۱۰۰ فیصد میں سے ۹۰ فیصد اتباع فرما رہے ہیں اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مذاہب اربعہ حق ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی متواتر حدیث ہے (لا تجتمع امتی علی الضلالۃ) لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قریب کے زمانے میں ایک چھوٹی سی جماعت جن کو "لا مذہب" کے نام سے جانا جاتا ہے کا کہنا ہے کہ مذاہب اربعہ سب کے سب غلط ہیں اور اس شر ذمہ قلیلہ کا ہدف امت میں اختلاف ڈالنا ہے اور اختلافی مسائل میں انتہائی زور لگا کر قطرے سے سمندر اور ذرے سے پہاڑ بناتے رہتے ہیں تا کہ امت کا شیرازہ بکھر جائے۔ ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ فجر کی نماز کے اقامت

Scanned by CamScanner

کے وقت مسجد میں فجر کی سنتوں کا پڑھنا ہے جسکے جواز پر ہمارے علاقوں میں اتفاق ہے اور اسی طرح فجر کی نماز کے بعد متصل سنتوں کا پڑھنا ہے جسکے عدم جواز پر بھی ہمارے دیار میں اتفاق ہے۔ لیکن گزشتہ کئی سالوں سے ان لوگوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں جنکا مثبت اور مدلل جواب علمائے حق کے ذمہ قرض تھا۔ چنانچہ عزیزم بجدہ م گرامی جناب حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی زید مجدہم وفیض پہ الاسلام نے اپنے قلم کو اس موضوع پر حرکت دی اور بہترین ذرر اور غرر کو جمع کیا۔ اور لا مذہبی جماعت کے جملہ اعتراضات کا مفصل جواب دے کر اہل حق پر احسان کیا۔ بلکہ راقم اثیم کے درخواست پر غیر مقلد عالم دین "شمس الحق عظیم آبادی" کے رسالہ "اعلام اهل العصر باحكام ركعتي الفجر" کے اہم اشکالات کے جوابات بھی لکھے اور یوں یہ بات روز روشن کی طرح واضح کردی کہ اس مسئلہ میں وہی موقف درست اور حق ہے جو جمہور سادات حنفیہ فرماتے ہیں۔

کتاب کو میں نے جستہ جستہ مقامات سے پڑھا تو فاضل مؤلف کے انداز نگارش کو بہتر پایا دلائل میں متانت، بحث میں سنجیدگی دیکھی۔ "رب ذوالجلال" سے دست بدعا ہوں کہ اس مفید تحریر کو مسلمانوں کیلئے اور بھی نافع فرمائے اور اس خدمت کو دنیا میں قبولیت سے نوازے اور آخرت میں ذخیرہ بنادے۔ آمین

ہذا ما عندی

سجاد الحجابی

خادم الحدیث الشریف بمدینہ مردان

۲۳ جون ۲۰۱۷ء

Scanned by CamScanner

"عرض مؤلف"

الحمد لله الذي لا نعلم سنة الظاهر فولا الباطن و احمده الذي هدانا الى الصراط المستقيم و الى دين الحق و الشريعة الحنيفية السمحة البيضاء المبين الذي قال في محكم كتابه الكريم "ومن الليل فسبحه وادبار النجوم" و الف الف صلاة وسلام على نبيه الكريم ﷺ الذي قال في شأنهما: "لا تدعوهما وان طردتكم الخيل" والسلام على الخلفاء الراشدين المهديين و منهم عمر بن الخطاب رضي الله عنه الذي قال في حقهما: "فما احب الي من حمر النعم" والسلام على اله واصحابه اجمعين الى يوم الدين الذين قال عزوجل في شأنهم "رضي الله عنهم ورضوا عنه" والسلام على من تبعهم باحسان و منهم ابو حنيفة النعمان ابن المرزبان الذي قال في حقه النبي ﷺ: لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس. وبعد

صبح کی نماز کے قیام کے وقت مسجد میں سنتیں پڑھنے اور نہ پڑھنے کا مسئلہ اور نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کا مسئلہ عہد صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے بہت سے اجلہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں صبح کی فرض نماز کے وقت کسی ستون کی آڑ میں ہو کر سنتیں پڑھنا جائز ہے اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ اس وقت مسجد میں سنتیں پڑھنے کو منع فرماتے تھے، اسی طرح بعض صحابہ کرام سے نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنا ثابت ہے اور بعض صحابہ کرام منع فرماتے تھے۔ چونکہ دونوں طرف دلائل موجود ہیں اس وجہ سے یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا کہ جسمیں تشدد سے کام لیا جاتا تھا اور

Scanned by CamScanner

مجوزین (عند الاقامت) یا مانعین (بعد الفریضہ) حضرات پر خلاف سنت کرنے کے الزامات لگائے جاتے لیکن بدقسمتی سے اس معاملہ میں کچھ عرصہ سے چند لوگ انتہائی افراط وتفریط کا شکار ہو چکے ہیں اور جو حضرات جواز یا عدم جواز کے قائل ہیں ان کے متعلق انتہائی نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان کو معاند اور متعصب جیسے کلمات سے یاد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ جواز صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ عناد اور تعصب کے تیر احناف پر نہیں بلکہ اجلہ صحابہ کرامؓ پر برسائے جاتے ہیں۔ ان نام نہاد اہل حدیث کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کہ جو الفاظ ہم احناف کے حق میں استعمال کر رہے ہیں ان کا اصل نشانہ اجلہ صحابہ کرامؓ بنتے ہیں نہ کہ احناف کیونکہ احناف انہی اجلہ صحابہؓ کی پیروی میں اسکے جواز کے قائل ہوئے ہیں۔ اب جو آدمی مجوزین عند الاقامت کو معاند کہتا ہے تو وہ اصل میں صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کرتا ہے جو کہ صحابہ کرامؓ کی بغض کی علامت ہے۔ اور مذکورہ بالا جماعت کے نزدیک صحابہ کرام معیار حق نہیں ہیں اور یہ بات اسکے مسلمہ اصول میں سے ہے تو ان سے اس قسم کی گستاخی کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن کم از کم اہل سنت والجماعت احناف کیلئے یہ بات ضرور غیرت کی متقاضی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کو معیار حق سمجھتے ہیں اور اسکے اعراض پر لب کشائی کرنے والوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔

پس جب ان مسائل میں مذکورہ بالا حضرات نے انتہائی تشدد سے کام لیا یہاں تک بات بحث مباحثہ تک پہنچ گئی اور علاقہ کے چند علمائے کرام نے ان کیساتھ کچھ مباحثہ بھی کیا لیکن یہ سب باتیں اس وقت احقر کے علم میں نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوئی چونکہ احقر نے پہلے سے اس موضوع پر کچھ مواد جمع کر لیا تھا جس کا سبب یہ بنا تھا کہ احقر نے اپنے علاقہ کے بعض عوام کو نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے احقر نے تحقیق شروع کر دی اور مواد جمع کرنے کی جستجو جاری تھی کہ اسی اثناء میں علاقہ کے چند علمائے کرام نے یہ خواہش ظاہر کی کہ

Scanned by CamScanner

اس موضوع پر ایک مدلل کتاب لکھی جائے اس بات سے احقر کی ہمت اور بھی بڑھ گئی اور اللہ کا نام لیکر اس موضوع پر قلم اٹھایا تقریباً آدھی کتاب مکمل ہوچکی تھی کہ احقر کے ایک دوست نے اطلاع دی کہ آپ سنت فجر کے موضوع پر کتاب لکھ رہے ہیں اس موضوع پر میرے پاس دو رسالے ہیں ان کو بھی سامنے رکھا جائے تاکہ اس موضوع پر ان میں اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو ان کا استدراک بھی کرلیا جائے احقر ان دونوں رسالوں کا مختصر سا تعارف کرنا چاہتا ہے:

ان رسالوں میں اول الذکر رسالہ "ضوء المہدی علی تحقیق سنۃ الفجر" ہے جو کہ مولانا محمد شفیق شیرانوی مدظلہ کی تالیف ہے حضرت نے بڑے خوبصورت انداز میں مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے اور اپنی وسعت کے مطابق بہت اچھی تحقیق فرمائی ہے اور بہت سادہ انداز میں مسئلہ کو سمجھایا ہے اللہ تعالیٰ انکو جزاء خیر عطا فرمائیں۔

دوسرا رسالہ "انارۃ المہدی فی تحقیق سنۃ الفجر" ہے جو کہ سید مولانا ابو معاذ عبد المقتدر صاحب کی تالیف ہے حضرت نے بھی بہت اچھی تحقیق فرمائی ہے اور خاص کر جرح وتعدیل کے حوالے سے علماء وطلباء کیلئے بہت ہی مفید ہے اللہ تعالیٰ انکو بھی جزائے خیر عطا فرمائیں۔

احقر کو جب یہ دو رسالے ملے اور انکا مطالعہ کیا تو مزید اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ چھوڑ دیا کیونکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ سنت فجر کے موضوع پر یہ دونوں رسالے احناف کیلئے تو بالکل ہی کافی ہیں جن کے بعد مزید کسی تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن جب احقر نے غیر مقلدین کے کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ مذکورہ رسائل میں غیر مقلدین کے دلائل کے جو جوابات دیئے گئے ہیں اور احناف نے جو اپنے دلائل بیان کئے ہیں ان پر غیر مقلدین کی طرف سے انتہائی بے بنیاد جرحیں کی گئی ہیں اور احناف کے دلائل کو کمزور ثابت کیا گیا ہے پس جب یہ صورت حال سامنے آئی تو احقر نے مزید نہ لکھنے کے ارادہ کو ملتوی کردیا اور غیر مقلدین کے

Scanned by CamScanner

اصل ماخذ کی طرف رجوع کرلی سنت فجر کے موضوع پر غیر مقلدین کا اصل ماخذ علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب کی کتاب "اعلام اهل العصر" ہے جسمیں احناف پر بے جا اعتراضات کیے گیے ہیں، اور خاص کر امام طحاوی، علامہ عینی، اور علامہ انور شاہ کشمیری کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کے اعتراضات کا کافی جواب علامہ ظفر احمد عثانی نے اعلاء السنن میں جابجا فرمایا ہے لیکن اسکے بعد ارشاد الحق اثری صاحب نے "بعض احکام رکعتی الفجر، مسفتی ابوجندل صاحب کے رد میں لکھی جو اعلام اہل العصر کے ذیل میں چھپی ہے جسمیں علمائے دیوبند کے اکابرین علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ یوسف بنوری، اور علامہ ظفر احمد عثانی پر بے بنیاد اعتراضات کیے گیے ہیں تو احقر کے سامنے جب یہ صورت حال آئی تو احقر نے غیر مقلدین کے اس اصل ماخذ اور ارشاد الحق اثری صاحب کے کتاب کو سامنے رکھ کر اپنے کتاب کو ترتیب دیا لیکن سنت فجر کے موضوع کو پورے استیعاب کیساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے تین بنیادی مسئلوں کے متعلق کتاب میں بحث کی گئی ہے سنت فجر کی اہمیت، سنت فجر عند الاقامت کا جواز، سنت فجر بعد الفریضہ کی ممانعت۔

مذکورہ بالا دونوں کتابیں عربی میں ہیں ان کتابوں کے علاوہ بھی غیر مقلدین نے اپنی اُردو کتابوں میں اس مسئلے کے متعلق لب کشائی فرمائی ہے اور احناف پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے بے بنیاد الزامات لگائے گیے ہیں کہ احناف رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

ان کتابوں میں سے چند یہ ہیں: "احناف کا رسول ﷺ سے اختلاف" تالیف حافظ فاروق الرحمن یزدانی ہے جسمیں دیگر مسائل کیساتھ سنت فجر کے موضوع پر بھی بحث کی گئی ہے اور صفحہ ۳۱۹ سے لیکر ۳۲۲ تک احناف پر رسول ﷺ کی مخالفت کا بے بنیاد الزام لگایا ہے تاکہ عوام امام ابوحنیفہ کے مسلک سے بیزار ہو جائیں۔

Scanned by CamScanner

دوسری کتاب "الظفر المبین" تالیف مولانا محمد ابوالحسن ہے جسمیں صفحہ ۱۳۳ سے ۱۳۶ تک سنت فجر پر بحث کی گئی ہے اور احناف پر احادیث کی خلاف ورزی کرنے کا بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے۔

تیسری کتاب جو احقر کی نظر سے گزری وہ "احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں" تالیف مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی ہے جسمیں انہوں نے صفحہ ۲۲۹ سے ۲۳۲ تک سنت فجر کے موضوع پر بحث کی ہے اور یکطرفہ دلائل ذکر کر کے اپنے مذہب کی تائید کی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بھی احقر کی نظر سے غیر مقلدین کی بہت سی کتابیں گزری ہیں جن میں اس موضوع پر لب کشائی فرمائی گئی ہے، جو عدل وانصاف سے کوسوں دور اور خیانتوں کا مجموعہ ہیں جن میں صرف اپنے مذہب کے دلائل بیان کئے ہیں اور احناف کے دلائل سے بالکل چشم پوشی فرمائی گئی ہے۔ قال الشاعر

بس یہی وہ اسباب ہیں کہ جس بنیاد پر احقر نے اس موضوع کو تحریر واضح کرنے کیلئے قلم اٹھایا کہ احناف پر رسول ﷺ کی مخالفت کا جو بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے ان کے اس دجل وفریب سے پردہ اٹھایا جائے، جسکی وجہ سے غیر مقلدین نے عوام کو دھوکہ میں رکھا ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور خاص کر علمائے دیوبند سے لوگوں کو بدظن کرنے کیلئے جو دجل وفریب سے کام لیا ہے اسکو واضح کیا جائے اس لئے میں نے اس کتاب کا نام "کشف الضرر عن سنۃ الفجر" رکھا ہے تاکہ سنت فجر کے مسائل میں ان لوگوں نے عوام کو جس دھوکے میں رکھا ہے اُس کا پردہ چاک کیا جائے اور حقیقت سامنے آجائے کہ اس مسئلے میں احناف احادیث پر عمل کرنے والے ہیں یا غیر مقلدین؟

کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ ناظرین خود فرمائیں گے کہ احناف پر احادیث کے خلاف

کرنے کا الزام کس قدر بے بنیاد ہے اور اسی کیساتھ غیر مقلدین کی خیانتوں کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ احناف کو بدنام کرنے کیلئے کیسی کیسی چالیں چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھیں اور حق بات کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ آمین

Scanned by CamScanner

باب اول

سنت فجر کی فضیلت قرآن کریم،

احادیث مبارکہ اور آثار کی روشنی میں

فرض نماز کے بعد احادیث مبارکہ میں سنت موکدہ کی بہت تاکید بیان ہوئی ہے جیسا کہ مسلم شریف میں ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی روایت میں آتا ہے :

میں نے رسول ﷺ سے سنا کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعت
(فرضوں کے علاوہ) پڑھ لیتا ہے تو اس کیلئے ان بارہ رکعتوں کی وجہ
سے جنت میں ایک گھر تیار کیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ بھی بہت سی احادیث سے سنتوں کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے جن کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اور پھر خاص کر سنت فجر کی تاکید اور اہمیت کے متعلق جتنی احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور تابعینؒ میں وارد ہوئی ہے اس قدر تاکید کسی بھی دیگر سنتوں کے متعلق بیان نہیں ہوئی جسکا اندازہ اس باب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے: پہلی فصل میں سنت فجر کی اہمیت میں قرآن کریم سے آیات مبارکہ مع تفسیر کے پیش کی گئی ہیں، دوسری فصل میں احادیث مبارکہ سے سنت فجر کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، اور تیسری فصل میں آثار صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال کی روشنی میں سنت فجر کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ جس کے پڑھنے سے سنت فجر کے اہتمام کی رغبت پیدا ہوگی جو کہ دنیا وما فیہا کی بھلائی کا ذریعہ بنے گی۔ اور یہ بات بھی ثابت ہو جائے گی کہ سنت فجر دیگر سنتوں سے زیادہ اہم ہیں

"فصل اول"

"سنت فجر کی فضیلت قرآن کریم سے"

پہلی آیت:

"ومن اللیل فسبحه و ادبار النجوم﴾ [سورہ طور: الآیة: ۴۹]

ترجمہ:

اور رات میں اسکی پاکی بیان کیجئے اور اس وقت بھی جب پلٹتے ہیں ستارے۔

پہلی تفسیر:

علامہ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں:

"عن ابن عباس قال: "بت لیلة عند رسول الله ﷺ فصلی الرکعتین خفیفتین اللتین قبل الفجر ادبار النجوم ور کعتین بعد المغرب ادبار السجود" رواه الترمذی، کتاب تفسیر القرآن باب سورة الطور، ج: ۹، ص: ۱۷۲ تفسیر ابن کثیر: ج: ۵، ص: ۲۸۳.)

ترجمہ:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ: "میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گزاری۔ پس آپ ﷺ نے

Scanned by CamScanner

ستاروں کے چھپنے کے وقت نماز فجر سے پہلے والی دو مختصری رکعتیں اور نماز مغرب کے سجدوں کے بعد والی دو رکعتیں پڑھ لیں۔

دوسری تفسیر:

علامہ طبری اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"عن قتادة "و ادبار النجوم" قال :"ركعتان قبل صلاة الصبح. ومعله عن علي". (تفسير الطبري ،لابن جرير ج: ۲۲ ،ص: ۴۹۱).

ترجمہ:

حضرت قتادہ نے اس آیت کریمہ "وادبار النجوم" کے متعلق فرمایا کہ: "اس سے مراد نماز فجر سے پہلے والی دو رکعتیں ہیں (یعنی سنت فجر)۔ اور اسی طرح حضرت علی نے بھی "وادبار النجوم" سے مراد سنت فجر ہی لی ہیں۔

تیسری تفسیر:

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"وقيل "ادبار النجوم" قال علي، وابن عباس وجابر وانس: "يعني ركعتي الفجر". (تفسير القرطبي ،ج: ۱۷ ،ص: ۸۰).

ترجمہ:

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: کہ "ادبار النجوم" کے متعلق حضرت علی

حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ، نے فرمایا کہ "اس سے مراد سنت فجر ہیں۔"

چوتھی تفسیر:

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

"قوله تعالى: ﴿وإدبار النجوم﴾. روي عن جماعة من الصحابة والتابعين انه ركعتا الفجر. (احكام القرآن، ج:٥، ص:٢٩٦. لابي بكر الجصاص الرازي الحنفي.)

ترجمہ:

کہ "اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وادبار النجوم﴾ کے متعلق صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے کہ اس سے مراد سنت فجر ہیں۔

Scanned by CamScanner

"فصل ثانی"

"سنت فجر کی فضیلت احادیث مبارکہ کی روشنی میں"

پہلی حدیث:

"عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ قال: "ركعتا الفجر خير" من الدنيا وما فيها. وفي رواية لمسلم: لهما أحب إلي من الدنيا جميعا (صحيح مسلم ج: ۱ ص: ۵۰۱/۵۰۲، صحيح ابن خزيمة، ج: ۱ ص: ۵۵۰)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی (دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ دو رکعتیں مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔

تشریح:

یعنی فجر کی یہ دو سنتیں دنیا کے سارے ساز وسامان سے زیادہ قیمتی ہیں، شارح طیبی نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا کو اپنے اعراض ورنگ رنگینیوں پر محمول کیا جائے تو پھر جن لوگوں کے گمان میں یہ چیزیں خیر ہیں ان سے یہ دو رکعتیں بہتر ہیں، اور یا اگر اس سے مراد یہ ہو کہ دونوں میں سے یعنی دنیاوی دنیا کی رنگ رنگینیوں میں سے اور سنت فجر میں سے کس کا درجہ بلند ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہ سنت فجر ان ساری چیزوں سے بہتر ہیں۔ اور اگر دنیا کو انفاق فی سبیل اللہ پر محمول کیا جائے

Scanned by CamScanner

تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہ دو رکعتیں ثواب میں انفاق فی سبیل اللہ سے بھی بڑھی ہوئی ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ سنت فجر دنیا و مافیہا سے اس لئے بہتر ہے کہ دنیا فانی ہے اور اسکی نعمتیں مشقت و مصیبتوں سے خالی نہیں ہیں، اور سنت فجر کا ثواب باقی ہے اور بغیر مشقت وتکلیف کے ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ،ج:۳،ص:۲۲۰،تحفۃ الاحوذی ،ج:۲،ص:۳۸۸ دار الکتب العلمیہ ملخصا وبتغیر یسیر،شرح مسلم نووی ؒ،ج:۶،ص:۵،دار احیاء التراث العربی)

دوسری حدیث:

وعنها رضی اللہ عنها قالت: "لم یکن النبیﷺ علی شیء من النوافل أشد تعاھدا منه علی رکعتی الفجر. وفی روایة لابن خزیمة قالت: ما رأیت رسول اللہﷺ الی شیء من الخیر أسرع منه الی الرکعتین قبل الفجر ولا الی غنیمة. رواہ البخاری ومسلم وأبو داود والنسائی وابن خزیمة فی صحیحه، الترغیب والترھیب، ج:۱،ص:۲۲۳.

ترجمہ:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: "نبی کریمﷺ نوافل میں سے کسی چیز کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ سنت فجر کا، اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے انہی نے فرمایا کہ: "میں نے رسول اللہﷺ کو بھلائی

Scanned by CamScanner

کے کاموں میں سے کسی چیز کی طرف اتنی تیزی کرتے ہوئے نہ دیکھا
اور نہ غنیمت کی طرف جتنا کہ سنت فجر کی طرف۔

تشریح:

اس حدیث میں سنت فجر کی عظمت کی دلیل ہے، اور یہ کہ یہ تمام سنن رواتب سے وجہ میں قوی اور موکد ہیں، اور ان دو رکعتوں کی حفاظت کرنا دیگر سنن ونوافل سے زیادہ ضروری ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کے وجوب کا حکم کیا ہے جیسا کہ حسن بصریؒ وغیرہ نے اور ابو غسان نے ایسا ہی ابو حنیفہؒ سے بھی نقل کیا ہے۔ اگرچہ صحیح یہی ہے کہ یہ سنت موکدہ ہیں جو قریب الی الواجب کے ہیں۔ (عون المعبود، ج ۴، ص: ۱۳۳، دار الفکر)

تیسری حدیث:

"وروی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال رجل: یا رسول اللہ دلنی علی عمل ینفعنی اللہ بہ، قال: "علیک برکعتی الفجر فان فیہما فضیلۃ". رواہ الطبرانی فی الکبیر وفی روایۃ لہ ایضا قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: "لا تدعوا الرکعتین قبل صلوۃ الفجر فان فیہما الرغائب" وروی احمد منہ "رکعتی الفجر حافظوا علیہما فانہما الرغائب" (الترغیب والترہیب، ج ۱، ص: ۲۲۳، مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۳۲۱، کتاب الصلاۃ باب فی رکعتی الفجر)

ترجمہ:

Scanned by CamScanner

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) کو اپنے اوپر لازم جانو کیونکہ اس میں فضیلت ہے۔ اور انہی کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "فجر کی نماز سے پہلے والی دو رکعتوں کو مت چھوڑو کیونکہ ان میں رغبت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: فجر کی دو رکعتوں کی حفاظت کرو کیونکہ ان میں رغبتیں ہیں۔

چوتھی حدیث:

"وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ" لا تدعوا ركعتی الفجر، ولو طردتكم الخيل" (رواه ابوداود). فی التطوع ساجه، والنسائی فی قيام الليل باب ٢٦ و ٢٨ ، الترغيب والترهيب، ج: ١، ص: ٢٢٣.

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگر چہ تم کو تمہارا لشکر (جہاد میں جانے والا) کچل رہا ہو۔

تشریح:

یعنی مت چھوڑو تم ان دو رکعتوں کو اگر چہ تم کو تمہارا لشکر جہاد میں جانے والا کچل رہا ہو کہ جلدی

Scanned by CamScanner

چلو یعنی کیسا ہی عجلت کا وقت ہو پھر بھی ان کو نہ چھوڑا جائے۔ خیل تو گھوڑے کو کہتے ہیں مگر اس کا اطلاق گھوڑے سوار پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں مراد گھوڑے سوار قافلہ ہے دوسرے معنی حدیث کے یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ خیل سے مراد خیل عدو ہے یعنی اگر چہ دشمن کا لشکر تم کو دھکیل رہا ہو یعنی تمہاری اور اس کی دھکا پیل ہو رہی ہو پھر بھی ان سنتوں کو ترک نہ کرو۔

(الدر المنضود علی سنن ابی داود، ج:۲، ص:۵۱۶)

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں فجر کی سنتوں کی انتہائی تاکید فرمائی گئی ہے، کیونکہ عرب ایسے حالات میں لشکر کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے، کیونکہ لشکر کی مصاحبت ترک کرنا ان کے کیلئے معصیت عظیم بن جانے کا باعث تھا اسکے باوجود سنت فجر ادا کرنے کیلئے ان کو لشکر کی مصاحبت چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔

اور علامہ مناوی نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر دشمن کا لشکر تمہیں دھکیل بھی رہا ہو تو تم سنت فجر کو ترک نہ کرو بلکہ جس طرح ممکن ہو یعنی سوار ہو کر، چلتے ہوئے، یا اشارہ کیساتھ اور غیر قبلہ کی جانب رخ کرتے ہوئے غرض جیسا بھی ممکن ہو پڑھ لیا کرو۔ اس سے سنت فجر کی عظمت اور اس کے ادائیگی پر حرص معلوم ہوئی کہ سنت فجر کی پابندی سفر وحضر امن وخوف میں باعث فضیلت ہے۔ (عون المعبود، ج:۳، ص:۱۳۵)

پانچویں حدیث:

"وروی ایوب عن عطاء أن النبی ﷺ قال: "الرکعتان قبل صلاة الفجر واجبتان علی کل مسلم". (احکام القرآن ج:۳، ص:۶۱۵)

ترجمہ:

ایوب نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "نمازِ فجر سے پہلے دو رکعتیں (سنتِ فجر) ہر مسلمان پر لازم ہے۔"

چھٹی حدیث:

"عن عائشة رضی الله عنها قالت انا ما لم يدع صحيحا ولا مريضا في سفر ولا حضر غائبا ولا شاهدا يعني النبي ﷺ ترك ركعتين قبل الفجر. (مصنف ابن ابی شيبة ج: ۱، ص: ۲۲۲ رقم ۶۴۲۹)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جس چیز کو آپ ﷺ نے کبھی نہ چھوڑا نہ حالتِ صحت میں اور نہ ہی مرض میں نہ سفر میں اور نہ ہی حضر میں، نہ موجودگی میں اور نہ غیابت میں، یعنی رسول اللہ ﷺ نے فجر کی سنتوں کو (ان حالتوں میں بھی ترک نہیں کیا)

"فصل ثالث"

"سنت فجر کی فضیلت آثار صحابہؓ وتابعین کی روشنی میں"

پہلا اثر:

"عن قتادة ... الخ قال: "ذُكِرَ لنا أنَّ عُمَرَ بنَ الخطاب رضي الله عنه كان يقولُ: "لَهُمَا أحبُّ إليَّ من حُمرِ النَّعَم". (تفسير الطبري، ج: ٢٧، ص: ٢٢، مصنف عبدالرزاق، ج: ٣، ص: ٥٧، باب ماجاء في ركعتي الفجر من الفضل، مصنف ابن ابي شيبة، ج: ٢، ص: ٣٩.)

ترجمہ:

حضرت قتادہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ عمر بن خطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ: "سنت فجر پڑھنا مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ محبوب ہے۔

فائدہ:

عرب میں سرخ اونٹ بہت زیادہ قیمتی ہوا کرتے تھے اس لئے سرخ اونٹوں کو احادیث میں یا آثار وغیرہ میں اس قیمتی ہونے کی وجہ سے مثال میں پیش کیا جاتا ہے تا کہ مخاطب کو اس عمل کی قیمت معلوم ہو جائے کہ جو عمل وہ کر رہا ہے وہ ان اونٹوں سے بھی عند اللہ زیادہ قیمتی ہے۔ اسی طرح اس مثال میں بھی ہے کہ اگر سرخ اونٹ ملنے سے صبح کی سنتیں چھوٹ جاتی ہو تو میں اونٹوں کے بجائے فجر کی سنتوں کو ترجیح دوں گا اور سرخ اونٹوں کے ملنے کو چھوڑ دوں گا۔

Scanned by CamScanner

دوسرا اثر:

"عن ابی ھریرۃ قال: "لا یحافظ علی رکعتی الفجر الا اواب" (کنز العمال، ج:۷،ص: ۱۰۱ برقم ۱۹۳۲۹)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "سنت فجر کی حفاظت صرف اواب (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ رجوع کرنے والا) ہی کرسکتا ہے۔

تیسرا اثر:

"عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال: اوصانی خلیلی ﷺ بثلاث: بصوم ثلاثۃ ایام من کل شھر والوتر قبل النوم ورکعتی الفجر. (قال الھیثمی) قلت رواہ ابوداود خلا قولہ: رکعتی الفجر رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح. مجمع الزوائد ج:۲،ص: ۳۹۰ ،دار الفکر بیروت طبع ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ:

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے تین چیزوں پر پابندی کرنے کی وصیت کی ہے:" ہر مہینہ تین روزے رکھنے کی، سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی اور سنت فجر پڑھنے کی۔

Scanned by CamScanner

چوتھا اثر:

"عبد الرزاق عن ابن عیینة عن مهاجر بن القبطیة قال فاتت عبد الله بن ابی ربیعة رکعتا الفجر فاعتق رقبة. (مصنف عبدالرزاق، ج:۳، ص:۵۷، ناشر المکتب الاسلامی بیروت طبع ۱۴۰۳ھ)

ترجمہ:

حضرت مہاجر بن قبطیہؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی ربیعہؓ سے سنت فجر چھوٹ گئے تو (بطور کفارہ کے) ایک غلام کو آزاد کر دیا۔

پانچواں اثر:

"عن ایوب قال ابن عمر لحمران یا حمران اتق الله ولا تمت وعلیک دین فیؤخذ من حسناتک لا دینار ثم ولا درهم" ولا تنتفین من ولدک فتفضحه فیفضحک الله به یوم القیامة وعلیک برکعتی الفجر فان فیهما رغب الدهر. (مصنف عبدالرزاق، ج:۳، ص:۵۷، رقم: ۴۷۸۱] مصنف ابن ابی شیبة، ج:۲، ص:۳۹۰)

ترجمہ:

حضرت ایوبؒ سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے حمران سے کہا کہ اے حمران! اللہ سے ڈرو! اور یہ کہ تمہیں اس حالت میں موت نہ آئے کہ تم

Scanned by CamScanner

پر کسی کا قرض ہو(کیونکہ قیامت کے دن)تمہاری نیکیاں لی جائیں گی دینار اور درہم کام نہ آئیں گے اور نہ ہی تمہارے بچے تمہیں نفع دینگے پس تو اسے رسوا کریگا اور اللہ تعالیٰ بھی ایک ذریعے سے قیامت کے دن تمہیں رسوا کریگا اور اپنے اوپر سنت فجر کو لازم کرلو کیونکہ اس میں سارے جہاں کی رغبت ہے۔

چھٹا اثر:

"عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ رُوَيْمٍ قَالَ: "مَنْ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَصَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ كُتِبَتْ صَلَاتُهُ يَوْمَئِذٍ فِي صَلَاةِ الْأَوَّابِينَ وَكُتِبَ يَوْمَئِذٍ فِي وَفْدِ الْمُتَّقِينَ. ((مصنف عبد الرزاق ،ج:٣،ص:٥٨،)

ترجمہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ نے عروہ بن رویمؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:" جس نے سنت فجر پڑھ لے اور پھر نماز فجر کو جماعت کیساتھ پڑھا تو اس دن اسکی نماز اوابین کی نمازوں میں لکھ دی جاتی ہے، اور اسکا نام اس دن متقین کے وفد میں لکھا جاتا ہے۔

ساتواں اثر:

"حدثنا هشيم قال أخبرنا ابن عون عن مجاهد قال سألته أكان ابن عمر يصلي ركعتي الفجر قال ما رأيته يترك فيهما في سفر ولا حضر . (مصنف ابن ابي شيبه

Scanned by CamScanner

،ج:۱،ص:۲۴۲،مکتبۃ الرشد ریاض،طبع۱۴۰۹ھ)

ترجمہ:

حضرت ابن عونؒ سے روایت ہے انہوں نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے پوچھا کہ کیا ابن عمرؓ (سفر میں) سنت فجر پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے انکو کسی بھی چیز کو چھوڑتے ہوئے نہیں دیکھا ہے نہ سفر میں اور نہ حضر میں۔

آٹھواں اثر:

"حدثنا حفص بن غياث عن محمد بن زيد عن عبد ربه قال: "سمعت أبي هريرة يقول لا تدع ركعتي الفجر ولو طرقتك الخيل. (مصنف ابن ابي شيبة،ج:۲ص:۲۴۹،كتاب الصلاة في ركعتي الفجر)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

نواں اثر:

"حدثنا هشيم قال أنا حصين قال سمعت عمرو بن ميمون يقول كانوا لا يتركون أربعا قبل الظهر وركعتين قبل الفجر على حال. (مصنف ابن ابي شيبة، ج:۲،ص:۲۴۹. كتاب الصلاة في ركعتي الفجر)

ترجمہ:

حضرت عمرو بن میمونؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ ظہر سے پہلی والی چار اور فجر سے پہلی والی دو رکعتیں کسی حال میں نہیں چھوڑتے تھے۔

دسواں اثر:

"عن بلالؓ ...... لو اصبحت اکثر مما اصبحت لرکعتھما و احسنتھما و اجملتھما یعنی رکعتی الفجر. (اخرجه ابو داود کتاب الصلاة باب رکعتی الفجر، کنز العمال ج:۷، ص:۲۰۲

ترجمہ:

حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس آنے میں دیر کردی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں سنت فجر پڑھ رہا تھا بلالؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے بہت زیادہ صبح کردی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر میں اس سے بھی زیادہ صبح کرتا جو میں نے کی ہے تو میں ضرور ان دو رکعتوں (سنت فجر) کو اچھی طرح اور خوب تر پڑھتا۔

گیارھواں اثر:

عن ابی سعید رضی الله عنه قال: "ان الله عزوجل زادکم صلاة الی صلاتکم هی خیر من حمر النعم الا وهی رکعتان

Scanned by CamScanner

قبل صلاة الفجر. (كنز العمال: ج:۷،ص:۲۰۵،رقم:۱۹۳۲۱)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: "اللہ عزوجل نے تمہاری نماز میں ایک نماز زیادہ کردی ہے جو سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے خبردار! وہ نماز فجر سے پہلی والی دو رکعتیں ہیں۔

بارھواں اثر:

"ان طلبتك الخيل فاركبها فلا تتركن ركعتي الفجر. (رواه ابو الشيخ في الثواب والديلمي عن ابي هريرة. (كنز العمال ،ج:۷،ص:۲۰۵.)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے پیچھے گھوڑے دوڑ رہے ہوں تو پھر بھی تم سنت فجر کو ترک نہ کرنا۔

Scanned by CamScanner

باب دوم

"نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنے کے جواز کا ثبوت"

"تمہید"

اس باب میں وہ روایات یعنی آثار صحابہؓ پیش کی گئی ہیں جو سنت فجر عند الاقامت کے جواز کا ثبوت ہیں اور ان آثار کی وجہ سے ان احادیث میں جو ممانعت پر دلالت کرتی ہیں تخصیص یا اسکے معنی مرادی میں تاویل کی گئی ہے۔ لیکن بعض متعصبین نے ان آثار کو ضعیف ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کوشش کو احقر نے الحمد للہ اللہ کے فضل سے ناکام ثابت کیا ہے اس باب میں زیادہ تر اسناد حدیث پر کلام نہیں کیا گیا ہے چیدہ چیدہ کلام ہوا ہے لیکن ان آثار کے اسناد پر مستقل کلام کتاب کے تیسرے حصہ میں کیا گیا ہے جو حضرات تفصیل معلوم کرنا چاہیں وہ تیسرا حصہ ملاحظہ فرمالیں۔

پہلا ثبوت:

"عن أبي موسى قال: أقيمت الصلاة فقام عبد الله بن مسعود إلى أسطوانة في المسجد فصلى ركعتين ثم دخل يعني في الصلاة." (المعجم الكبير باب العين، عبدالله بن مسعود ج: ۹، ص: ۲۷۷، رقم ۹۳۸۵ مكتبة العلوم والحكم الموصل الطبعة الثانية، ۱۴۰۳، ۱۹۸۳)، مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۲۲۳، مصنف

Scanned by CamScanner

عبدالرزاق، ج: ۲ ص: ۴۴۴ برقم الحدیث ۴۰۲۱ ،المکتب الاسلامی بیروت ،طبع ۱۴۰۳ ،تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی)

ترجمہ:

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی کہ اتنے میں عبداللہ بن مسعودؓ آئے اور مسجد میں ایک ستون کی طرف بڑھے اور فجر کی سنتیں پڑھ کر پھر جماعت کی نماز میں شریک ہوئے۔

فائدہ:

اس اثر میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ایسے وقت مسجد پہنچے کہ صبح کی نماز کھڑی ہو چکی تھی پھر بھی وہ ایک ستون کی آڑ میں ہو کر سنت فجر پڑھنے لگے اگر نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنا ممنوع ہوتا تو عبداللہ ابن مسعودؓ کبھی بھی جماعت کی مخالفت میں سنت فجر میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ آپ لوگوں کیساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے پس آپ کا عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ مسجد میں نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھنا جائز ہے۔ اور اس سے امام کی قرأۃ کی آواز کے سنائی دینے کا مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب عبداللہ ابن مسعودؓ مسجد میں فجر کی سنتیں عند الاقامت پڑھ رہے تھے تو ضرور امام کی قرآۃ سنائی دے رہی ہوتی تھی لیکن اسکے باوجود وہ سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتے پس معلوم ہوا کہ امام کی قرأۃ کی آواز سنائی دینے کے باوجود بھی سنتیں پڑھنا جائز ہے۔

اب اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ یہ تو قرآن کریم کی مخالفت ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون﴾

Scanned by CamScanner

اور جب قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو۔

ادھر امام قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے تو اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے تو جب کوئی شخص مسجد کے اندر سنتوں میں مشغول ہوگا تو نہ تو وہ استماع کر سکے گا اور نہ ہی انصات تو یہ سراسر قرآن کریم کی مخالفت ہوئی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جماعت کی نماز میں شامل ہو یہ حکم اسکے لئے ہے اس پر استماع و انصات واجب ہے نہ کہ اس شخص کیلئے جو جماعت کی نماز سے خارج ہو اور کسی دوسری عبادت میں مشغول نہ ہو پس اس سے قرآن کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ فتدبروا

دوسرا ثبوت:

"عَنْ مَالِکِ بْنِ مِغْوَلٍ قَالَ: "سَمِعْتُ نَافِعًا یَقُوْلُ: أَیْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلَاۃِ الْفَجْرِ وَقَدْ أُقِیْمَتِ الصَّلَاۃُ فَقَامَ فَصَلَّی رَکْعَتَیْنِ. (رواہ الطحاوی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاۃ الفجر　الخ ج: ۱، ص: ۳۷۵، عالم الکتب، ج: ۱، ص: ۲۲۹ مکتبہ رحمانیہ)

ترجمہ:

حضرت مالک بن مغول سے روایت ہے کہ میں نے نافع کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فجر کی نماز کیلئے جگایا اور تحقیق کہ نماز کھڑی ہو چکی تھی پس انہوں نے فجر کی سنتیں ادا کیں۔

Scanned by CamScanner

اعتراض:

حضرت مالک بن حویرثؓ کی اس روایت پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی "فہد" مجہول ہے جسکی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے۔

جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ جواب میں فرماتے ہیں:

"قال بعض الناس: "وفهد لم أقف عليه. قلت هو فهد بن سليمان ذكر ابن تركماني توثيقه في الجوهر النقي ٢: ٢٢٩) وقد احتج به الطحاوي فأكثر فهو حجة"

(.اعلاء السنن، ج: ۷، ص: ۹۸، ادارة القرآن کراتشی)

بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ ہمیں فہد کا حال معلوم نہیں تو میں کہتا ہوں کہ وہ فہد بن سلیمان ہے جسکی توثیق ابن ترکمانی نے "الجوہر النقی" نامی کتاب میں ذکر کی ہے، اور تحقیق یہ کہ علامہ طحاویؒ نے ان کی بہت کی احادیث سے حجت پکڑی ہے پس وہ حجت ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن ترکمانی کی تصریح سے راوی کی جہالت کا مسئلہ ختم ہو گیا تو جہالت راوی کا اعتراض بھی رفع ہو گیا جسکی مزید تفصیل انشاء اللہ آگے ذکر ہو گی

تیسرا ثبوت:

"وعن أبي عثمان الأنصاري قال: جاء عبد الله بن عباس والإمام في صلاة الغداة ولم يكن صلى الركعتين فصلى عبد

Scanned by CamScanner

اللہ بن عباس ؓ فركعهما خلف الامام ثم دخل معهم. ((رواه
الطحاوى شرح معانى الآثار ، كتاب الصلاة ،باب الرجل
يدخل المسجد والامام فى صلاة الفجر   الخ
ج: ۱ ،ص: ۳۷۵ و ج: ۱ ص: ۲۲۹ مكتبه رحمانيه)

ترجمہ:

حضرت ابوعثمان انصاریؓ سے روایت ہے کہ: "عبداللہ ابن عباس
"(اس وقت مسجد) آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا اور انہوں نے
سنت فجر نہیں پڑھی تھیں پس عبداللہ بن عباسؓ نے سنت فجر امام کی
(پچھلی والی صف میں) ادا کیں پھر ان کے ساتھ جماعت میں شامل
ہو گئے۔

فائدہ:

عبداللہ ابن عباسؓ کے اس اثر سے بھی یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنا جائز ہے باوجود اسکے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود تھا:

"اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة"

فرض نماز کے قیام کے وقت سوائے فرض کے کوئی نماز نہیں۔

پھر بھی ابن عباسؓ نے مسجد پہنچ کر سنت فجر شروع فرمائیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عباسؓ مذکورہ حدیث کو جماعت کی صفوں سے مل کر سنتیں پڑھنے پر محمول فرماتے تھے اسکا ثبوت یہ ہے کہ امام حاکم نے "مستدرک" میں ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح

Scanned by CamScanner

ہے اور علی شرط مسلم ہے اسی طرح امام بیہقی، مسند بزار اور ابو یعلی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیحین میں اور ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے:

((أقيمت الصلاة فقمت أصلي الركعتين، فجذبني رسول الله ﷺ فقال أتصلي الصبح أربعا)) رواه مسلم في الصلاة (٦٦)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی میں اٹھا اور فجر کی سنتیں پڑھنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھنجوڑا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو۔

اب اس روایت پر ذرا غور فرمائیں کہ رسول ﷺ نے آپؓ کو فرض جماعت کی قیام کے وقت سنتیں پڑھنے سے منع کیا یہ اسی صورت پر محمول ہے کہ اس وقت ابن عباسؓ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کر سنت فجر پڑھنا چاہتے تھے اس پر رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو ڈانٹا دوسرا قرینہ صفوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے پر آپ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں:

"أتصلي الصبح أربعا"

کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو۔

اب ان الفاظ پر غور کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جو چیز ممنوع ہے وہ صفوں کیساتھ متصل سنتیں پڑھنا ہے کیونکہ ایسی صورت میں فرض اور سنتوں میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے دیکھنے والا شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ صبح کی چار رکعتیں پڑھ رہا ہے تو اس التباس کی وجہ سے آپ ﷺ نے ابن عباسؓ کو جماعت کی صفوں میں سنتیں پڑھنے سے روکا اسی وجہ سے ابن عباسؓ مسجد میں صفوں سے الگ کسی آڑ میں سنت فجر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے کیونکہ اس حالت میں التباس کا خوف نہیں

Scanned by CamScanner

ہے۔

پھر ہمارے احناف کا یہ اصول ہے کہ جب روای کی روایت اور عمل میں تعارض پیدا ہو جائے جیسا کہ یہاں پر ہوا ہے تو ہمارے نزدیک حجت روای کا عمل ہوتا ہے نہ کہ انکی روایت پس اسی اصول کی بنا پر ہم ابن عباسؓ کے اس عمل والی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

"شمس الحق عظیم آبادی کے نظر میں ابن عباسؓ کی سمجھ حجت نہیں"

شمس الحق عظیم آبادی صاحب اپنی کتاب "اعلام اہل العصر میں لکھتے ہیں:

"وَمَا فَهِمَهُ ابنُ عَبَّاسٍ لَيسَ بِحُجَّةٍ عَلَينَا، لأنَّ فَهمَ الصَّحَابِي لَيسَ بِحُجَّةٍ خُصُوصًا فِي المَوَاضِعِ الَّتِي يَكُونُ فَهمُهُ خِلَافَ مَاثَبَتَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. اه

اور جو کچھ ابن عباسؓ سمجھے ہیں وہ ہم پر حجت نہیں ہے، کیونکہ صحابی کی سمجھ حجت نہیں ہے اور خاص کر جبکہ اس کا فہم رسول ﷺ سے ثابت شدہ امر کے خلاف ہو۔

آپ حضرات غیر مقلدین کے معتبر عالم کی صحابی رسول ﷺ کی شان میں گستاخی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انکی زبان صحابہ کرامؓ کی بے ادبی پر کتنی جری ہے کہ وہ اپنی سمجھ کو صحابی رسول ﷺ کی سمجھ پر ترجیح دیتا ہے یعنی جو کچھ اس نے حدیث سے سمجھا ہے وہ صحیح ہے اور جو کچھ ابن عباسؓ نے سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم (احناف) شمس الحق عظیم آبادی صاحب اور انکے چیلوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا صحابی کی سمجھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امر کے خلاف ہے اور تمہاری اور تمہارے چیلوں کی

بجو رسول اللہ ﷺ کے قول کے موافق ہے! اللہ کی قسم تم ہرگز یہ بات ثابت نہیں کر سکتے کہ ابن عباس کی بجو رسول اللہ ﷺ کے قول کے خلاف ہے اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حدیث "اذا اقیمت الصلاۃ ...... الخ" میں سنت فجر پڑھنے کی ممانعت کو جماعت کی صفوں کے متصل پڑھنے پر محمول کیا جائے؟ اور کیوں نہیں! جبکہ ابن عباس عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابو درداءؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اس ممانعت کو اسی پر محمول کیا ہے کہ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کر سنتیں پڑھنا منع ہے۔

چوتھا ثبوت:

"عن محمد بن کعب قال خرج عبداللہ بن عمر من بیته فأقیمت صلاۃ الصبح فرکع رکعتین قبل أن یدخل المسجد وھو فی الطریق، ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس"

(شرح معانی الآثار ج: ۱، ص: ۳۷۵)

محمد بن کعبؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ اپنے گھر سے اس وقت نماز کیلئے نکلے کہ نماز کھڑی ہو چکی تھی انہوں نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستے میں سنتیں پڑھ لی پھر مسجد جا کر لوگوں کیساتھ صبح کی فرض نماز میں مشغول ہو گئے۔

فائدہ:

اس روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز فجر کی اقامت کے وقت فرض کے علاوہ سنتوں میں مشغول ہونا جائز ہے اور حدیث "اذا اقیمت الصلاۃ ...... الخ" میں فرض نماز کے علاوہ دیگر نمازوں کی ممانعت مسجد میں پڑھنے کیساتھ خاص ہے نہ کہ مسجد سے باہر پڑھنے کیساتھ پس ابن عمرؓ اس حدیث کو اسی بات پر محمول فرماتے تھے کہ مسجد میں فرض نماز کے قیام کے علاوہ دیگر نمازیں

پڑھنا منع ہے نہ کہ مسجد سے باہر پڑھنا۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ ابن عمرؓ حدیث "اذا اقیمت　　الخ" میں تخصیص کرتے ہیں اور اسکو مسجد کیساتھ خاص کرتے ہیں آپ کو یہ معلوم تھا کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی ہے پھر بھی آپ نے مسجد سے باہر سنتیں پڑھ لیں اور یہ ابو ہریرہؓ کے قول کے خلاف ہے یعنی حدیث "اذا اقیمت الصلاۃ　　" کے پس یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ابو ہریرہؓ کی روایت اپنے عموم پر نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا مسلک ہے کہ وہ سنت عند الاقامت سے مطلقاً منع فرماتے ہیں چاہے مسجد میں ہو یا خارج از مسجد۔ پس ابن عمرؓ کی یہ روایت غیر مقلدین پر حجت ہے۔

پانچواں ثبوت:

"وعن زید بن اسلم عن ابن عمرؓ انه جاء والامام يصلى الصبح ولم يكن صلى الركعتين قبل الصبح فصلاهما فى حجرة حفصةؓ ثم انه صلى مع الامام. ((رواه الطحاوى شرح معانى الآثار، كتاب الصلاة باب الرجل يدخل المسجد والامام فى صلاة الفجر　　الخ ج: ۱، ص: ۳۷۵))

ترجمہ:

حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اس وقت مسجد میں تشریف لائے کہ امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا اور انہوں نے ابھی فجر کی سنتیں ادا نہیں کی تھیں پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں سنتیں ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔

فائدہ:

Scanned by CamScanner

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فجر کی نماز کے دوران مسجد میں سنتیں ادا کیں کیونکہ حضرت حفصہؓ کا حجرہ اسوقت مسجد میں تھا جیسا کہ علامہ سمہودی نے "خلاصۃ الوفاء" میں ذکر کیا ہے۔اور حضرت ابن عمرؓ کے متعلق فتح الباری میں ابن حجرؒ نے جو لکھا ہے کہ وہ اس شخص کو کنکریاں مارتے تھے جو مسجد میں اقامت شروع ہونے کے بعد نفل پڑھتا تھا تو یہ اس بات پر محمول ہے جو نمازیوں کی صفوں کے ساتھ متصل نماز شروع کر دیتا تھا۔

اعتراض:

اس روایت میں ایک راوی یحییٰ بن کثیر ہے جو کہ مدلس ہے تدلیس کرتا ہے اس وجہ سے یہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہے؟

جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"قلت عدادہ فی المرتبۃ الثانیۃ وھی من احتمل الائمۃ تدلیسہ و اخرجوا لہ فی الصحیح لامامتہ وقلۃ تدلیسہ کما فی طبقات المدلسین (۲-۱۱) فالحدیث صحیح الاسناد"۔(اعلاء السنن،ج:۷،ص:۱۰۳)

میں کہتا ہوں کہ انکا شمار دوسرے مرتبہ کے مدلسین میں ہے اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنکی تدلیس کو آئمہ نے برداشت کیا ہے۔اور انکی امامت وقلت تدلیس کی وجہ سے ان کی احادیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے جیسا کہ طبقات المدلسین (۲-۱۱) میں ہے۔پس یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

Scanned by CamScanner

چھٹا ثبوت:

"عن ابی الدرداءؓ: انہ کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلاۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلاۃ. (شرح معانی الآثار ج: ۱ ص: ۳۷۵ مصنف عبدالرزاق ج: ۲ ص: ۴۴۳)

ترجمہ:

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں ایسے وقت داخل ہوتے کہ لوگ نماز فجر میں صفوں میں ہوتے پس وہ مسجد کے ایک کونے میں سنت فجر پڑھتے پھر لوگوں کیساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے۔

فائدہ:

حضرت ابو درداءؓ کی اس روایت سے بھی صاف طور سے سنت فجر عند الاقامت کا جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابودرداءؓ کے سامنے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت موجود تھی "اذا اقیمت الصلاۃ ... الخ" لیکن اس کے باوجود وہ عند الاقامت سنت فجر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے تو یہ ثبوت ہے اس حدیث کی تخصیص کا کہ صریح نہی کے باوجود بھی آپ نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھتے تھے کیونکہ آپؓ اس نہی کو نمازیوں کی صفوں کے ساتھ مل کر سنتیں پڑھنے پر محمول فرماتے تھے ورنہ صریح نہی کے باوجود آپؓ اس کے خلاف کبھی بھی نہیں کر سکتے۔

Scanned by CamScanner

ساتواں ثبوت:

"وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ جَاءَ نَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَالْاِمَامُ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اِلٰى سَارِيَةٍ وَلَمْ يَكُنْ صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. (مصنف عبدالرزاق ج: ۲ص: ۴۴۳)

ترجمہ:

عبداللہ بن ابوموسیٰ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "عبداللہ ابن مسعودؓ ہمارے پاس اس وقت آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا انہوں نے ایک ستون کے پیچھے ہوکر سنتیں پڑھ لیں اور انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔

آٹھواں ثبوت:

"وَعَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ: كُنَّا نَأْتِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَنُصَلِّيْ فِيْ آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِيْ صَلَاتِهِمْ. (رواہ الطحاوی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ بباب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاۃ الفجر... الخ ج: ۱ص: ۲۷۵)

ترجمہ:

حضرت ابوعثمان النہدیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "ہم عمر بن خطابؓ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے جبکہ وہ نماز پڑھا

Scanned by CamScanner

رہے ہوتے تھے ہم مسجد کے آخری حصہ میں سنتیں پڑھ لیتے پھر لوگوں
کیساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے۔

فائدہ:

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سنت فجر عند الاقامت کے جواز میں احناف کے ساتھ کبار تابعین متفق ہیں ابو عثمان نہدی جو بڑے تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز فجر کیلئے جب عمرؓ کے پاس آتے اور وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے تو ہم مسجد کے ایک کونے میں سنتیں پڑھ کر فرض نماز میں شامل ہو جاتے۔

پھر اسکے باوجود حضرت عمرؓ نے کبھی بھی ان کے اس فعل پر انکو نہیں ڈانٹا بلکہ خاموشی اختیار کی اب ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ احتمال کر بیٹھے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہیں ہوا ہوگا کوئی نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھ رہا ہے تو یہ احتمال بعید ہے کیونکہ آپؓ کے ساتھ جماعت میں اور اہل علم بھی ضرور موجود ہوتے ہونگے اور ان کے سامنے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت موجود تھی پھر بفرض محال اگر وہ لوگ خود منع نہ کرتے تو حضرت عمرؓ کو ضرور اس کی خبر کر دیتے مگر ایسا نہیں ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سنت فجر عند الاقامت مسجد میں کسی کونے میں ستون کے پیچھے پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اعتراض:

اس روایت پر بیہقی کی ایک حدیث سے اعتراض کیا جاتا ہے جو کہ شمس الحق عظیم آبادی نے (اعلام اہل العصر (ص: ۱۳۳) پر امام بیہقی سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي
وَهُوَ يَسْمَعُ الْإِقَامَةَ ضَرَبَهُ. (اعلام اهل العصر (ص: ۱۳۳).

"حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی شخص کو اقامت کے وقت (نوافل وغیرہ) پڑھتے ہوئے دیکھتے تو اسے مارا کرتے تھے۔

اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عمرؓ کی اس حدیث کے معارض ہے کہ عمرؓ اس شخص کو مارتے تھے جو فرض نماز کی اقامت کے وقت سنتیں یا نوافل وغیرہ پڑھتا تھا پس اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ابو عثمان نہدی والی روایت محمول ہے حضرت عمرؓ کے عدم علم پر کہ انکو اس بات کا علم نہیں ہوا ہوگا کہ ان کے پیچھے صف میں کوئی سنتیں پڑھ رہا ہے۔؟

پہلا جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"ثم ما ذكره شمس الحق العظيم آبادي في "اعلام اهل العصر" عن البيهقي انه قال: "روي عن عمر بن الخطاب انه كان اذا رأى رجلا يصلي وهو يسمع الاقامة ضربه" (ص: ٣٨). فلا حجة فيه لكونه لم يذكر سنده ولو ثبت فليس فيه انه كان يضرب من يصلي ركعتي الفجر خاصة على سنة السنن سواهما.. اعلاء السنن ج:٧، ص: ١٠٣. ادارة القرآن كراتشي باكستان.

بیہقی کی اس روایت میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں اول تو اس لئے کہ اس کی سند ذکر نہیں کی گئی دوسرا اس لئے کہ اس میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ عمرؓ اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنے پر ہی مارا کرتے

Scanned by CamScanner

تھے پس جب یہ بات ہے تو پھر حضرت عمرؓ کے اس عمل کو سنت فجر کے
علاوہ دیگر سنن پر محمول کیا جائیگا۔

فائدہ:

امام بیہقی نے اس روایت کو سنن بیہقی (۲/۴۸۳) میں "کہ عمرؓ جب اقامت کے وقت کسی کو نماز پڑھتے دیکھتے تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے" بغیر سند کے روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے نے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۷۷، برقم حدیث ۴۸۸۰) میں جس سند کیساتھ روایت کیا ہے اس میں ایک راوی ابن ابی فروہ ہے اور وہی اسحاق بن عبداللہ ہے جسکو تقریب التہذیب (۲/۵۷) میں متروک لکھا ہے اسکے علاوہ امام عبدالرزاقؒ نے مصنف عبدالرزاق (۲/۴۳۶) پر اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن اسکی سند میں دو راوی ہیں ایک راوی جعفر ہے جو کہ ابن برقان الجزری ہے اور وہ غیر ثقہ ہے اور دوسرا راوی حسن بن مسافر ہے اور اسکا حال معلوم نہیں کہ یہ کون ہے کیونکہ رجال کی کتابوں میں اسکا ذکر نہیں ہے۔

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بہت کمزور ہے جیسا کہ ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے تو پھر یہ روایت معترض صاحب کیلئے حجت نہیں بن سکتی۔

اب شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا یہ کہنا کہ

> "اگر کوئی یہ کہے کہ ابو درداءؓ عند الاقامت سنت فجر پڑھنے کو جائز کہتے تھے اور اسی طرح عبداللہ ابن مسعودؓ بھی جائز کہتے تھے تو ان سے کہا جائے گا کہ عمر بن خطاب اور اسکا بیٹا عبداللہ ابن عمر (عند الاقامت سنتیں پڑھنے کو جائز نہیں کہتے تھے) تو عمر بن خطابؓ اور عبداللہ بن عمرؓ ابو درداءؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کے مقابلہ میں ہے اور سنت سالم ہے جسکا

کوئی معارض نہیں ہے۔(اعلام اہل العصر ص:۱۳۳)

تو یہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا وہم ہے کیونکہ ما قبل میں ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں عند الاقامت سنت فجر پڑھی گئیں اور وہ اس پر خاموش رہے اور اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے عمل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ عند الاقامت مسجد کے باہر سنتیں پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے بلکہ حضرت حفصہ کا حجرہ مسجد میں داخل تھا پس یہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا وہم ہے کہ عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمر کا عمل ان کیلئے حجت ہے بلکہ ان دونوں بزرگوں کا عمل ان پر حجت ہے اور ہمارے لئے حجت ہے۔فللہ الحمد

دوسرا جواب:

"وإن سلمنا عمومه لركعتي الفجر فليس فيه أنه كان يضرب من يركعهما في آخر المسجد فيحتمل أنه كان يضرب من كان يصليهما في المسجد متصلاً بالقوم. اعلاء السنن، ج:۷، ص:۱۰۳. ادارة القرآن كراتشي باكستان.

پھر چلے اگر ہم حضرت عمرؓ کے اس عمل کے عموم کو تسلیم بھی کرلیں کہ سنت فجر بھی اس میں داخل ہیں تو اس میں پھر بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ اس شخص کو مارتے تھے جو مسجد کے آخری صفوں میں سنت فجر پڑھ رہا ہوتا۔پھر اس میں یہ احتمال بھی تو ہے کہ وہ اس شخص کو سنت فجر پڑھنے پر مارتے جو جماعت کی صفوں کے متصل سنت فجر پڑھ رہا ہو۔

تیسرا جواب:

"فإن عدم علمه بحال من يصلي ركعتي الفجر في آخر

Scanned by CamScanner

المسجد خلفہ بعد". (اعلاء السنن، ج:۵، ص:۱۹۸۳، مکتبہ

امدادیہ)

رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ کو سنت فجر پڑھنے والوں کا حال معلوم نہیں

ہوا ہوگا کہ کوئی اقامت کے وقت مسجد کے آخر میں ان کے پیچھے سنتیں

پڑھ رہا ہے تو یہ احتمال بعید ہے۔

فائدہ:

یہ احتمال اس لئے بعید ہے کہ حضرت عمرؓ کی اقتداء میں یقیناً بہت سے صحابہ کرام تابعین نماز پڑھتے ہونگے بفرض محال اگر حضرت عمرؓ کو خود اس کی اطلاع نہ ہوتی تو دیگر صحابہ کرام ضرور منع فرماتے یا کم از کم حضرت عمرؓ کو اطلاع کردیتے کہ فلاں شخص فرض نماز کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھتا ہے پس جب ایسا نہیں ہوا تو یہ جواز کا ثبوت ہے کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں یہ کام ہوا ہے اور کسی نے منع نہیں کیا ہے۔

نواں ثبوت:

"وعن ابی مجلز قال: دخلت المسجد فی صلاۃ الغداۃ مع

ابن عمر وابن عباس والامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی

الصف واما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما

سلم الامام قعد ابن عمر مکانہ حتی طلعت الشمس فقام

فرکع رکعتین". (شرح معانی الآثار ج:۱، ص:۳۷۵)

ترجمہ:

حضرت ابو مجلزؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "میں نماز فجر کے وقت

Scanned by CamScanner

ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے ساتھ اس وقت مسجد میں داخل ہوا کہ امام نماز پڑھا رہا تھا، ابن عمرؓ تو صف میں شامل ہو گئے جبکہ ابن عباسؓ سنت فجر پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو گئے، پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے یہاں تک سورج طلوع ہو گیا پس وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں۔

اعتراض:

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے عمل میں تعارض ہے کہ ابن عمرؓ تو جماعت کی نماز میں شامل ہو گئے اور ابن عباسؓ نے سنتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوئے، اور اسکے علاوہ خود ابن عمرؓ کے عمل میں بھی تعارض ہے کہ زید ابن اسلم کی روایت میں تو یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے سنت فجر حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں اس وقت پڑھیں جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے امام کیساتھ شرکت کی اور سنتیں نہیں پڑھیں تو خود ابن عمرؓ کا عمل متعارض ہے، اور تعارض کے وقت اصول تو یہ ہے کہ "اذا تعارضا تساقطا" تو جب دونوں کا عمل متعارض ہے تو پھر اس سے استدلال درست نہیں ہے اور یہ عمل ساقط ہے۔

جواب:

یہ بات تو درست ہے کہ "اذا تعارضا تساقطا" لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ تطبیق ممکن نہ ہو جبکہ یہاں پر ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ دونوں کے عمل میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طور سے کہ ابن عمرؓ جماعت کی نماز کی ایک رکعت پانے کی بھی امید نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے وہ جماعت میں شامل ہو گئے جبکہ ابن عباسؓ کو جماعت کی نماز ملنے کی امید تھی اس لئے وہ سنتیں پڑھنے لگ گئے۔

Scanned by CamScanner

علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"قال الشیخ التھانوی ولعل دخولہ مع القوم کان لانہ کان لا یرجو ادراک رکعۃ بعد الفرض وکان ابن عباس یرجوہ. (اعلاء السنن ج:۷، ص:۱۱۷)

شیخ تھانوی نے فرمایا ہے ہوسکتا ہے کہ ابن عمرؓ کو ایک رکعت پانے کی بھی امید نہ ہو اسلئے جماعت میں شامل ہو گئے اور ابن عباسؓ کو یہ امید تھی کہ مجھے ایک رکعت مل جائیگی اس وجہ سے سنتیں پڑھ لیں۔

رہی بات ابن عمرؓ کے خود اپنے عمل کے تعارض کی تو یہ بھی کوئی خاص مخالفت نہیں ہے یہاں پر بھی تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح سے کہ زید بن اسلم کی روایت میں ابن عمرؓ کو امام کیساتھ ایک رکعت ملنے کی امید تھی تو اس لئے سنتیں پڑھ لیں اور ابو مجلز کی روایت میں اس کی امید نہیں تھی تو اس وجہ سے وہ امام کیساتھ جماعت میں شامل ہو گئے۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"فلا یخالف فعل ابن عمر ھذا (ای ما ذکرہ ابو مجلز) ما تقدم عنہ فی الباب السابق (ای ما ذکرہ زید بن اسلم) انہ صلی رکعتی الفجر بعد اقامۃ الصلاۃ. (اعلاء السنن ج:۷، ص:۱۱۸)

ابن عمرؓ کا عمل جو ابو مجلز کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے اسکے مخالف نہیں ہے جو زید ابن اسلم نے باب سابق میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے جماعت کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھ لیں۔

دسواں ثبوت:

"عن الشعبي قال: كان مسروق يجيء إلى القوم وهم في الصلاة ولم يكن ركع ركعتي الفجر فيصلي الركعتين في المسجد، ثم يدخل مع القوم في صلاتهم" (شرح معاني الآثار ج: ۱ ص: ۳۷۵ باب الرجل يدخل المسجد ...... الخ)

ترجمہ:

امام شعبیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ امام مسروقؒ جب کسی کے پاس اس وقت تشریف لاتے کہ وہ فجر کی نماز پڑھ رہے ہوتے اور انہوں نے ابھی تک فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوتی تو وہ مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھ کر لوگوں کیساتھ نماز میں شامل ہو جاتے۔

فائدہ:

اس روایت میں بھی کبار تابعین کا احناف کیساتھ اس مسئلہ میں موافقت کا ثبوت ہے جیسا کہ امام شعبیؒ کی اس روایت میں ہے کہ امام مسروقؒ جو بڑے تابعین میں سے تھے وہ بھی نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے۔

گیارھواں ثبوت:

"عن يزيد بن ابراهيم عن الحسن انه كان يقول: "اذا دخلت المسجد ولم تصل ركعتي الفجر فصلهما وإن كان الامام يصلي ثم ادخل مع الامام" (معاني الآثار ج: ۱ ص: ۳۷۶)

Scanned by CamScanner

ترجمہ:

حضرت یزید بن ابراہیمؒ نے حضرت حسنؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ: جب تم مسجد داخل ہو جاؤ اور تم نے سنتیں نہ پڑھی ہو تو سنتیں پڑھ لو اگرچہ امام نماز پڑھ رہا ہو پھر امام کیساتھ شامل ہو جاؤ۔

فائدہ:

اس اثر سے بھی کبار تابعین کا احناف کیساتھ سنت فجر عند الاقامت کے جواز کے ثبوت میں متفق ہونا معلوم ہوتا ہے۔

بارھواں ثبوت:

"عن الحارث عن علی رضی اللہ عنہ قال: "كان النبي ﷺ يصلي ركعتين عند الاقامة. (رواہ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، ج:۱، ص:۴۶۳)

ترجمہ:

"حارث نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ" رسول اللہ ﷺ اقامت کے وقت دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح:

علامہ ظفر احمد عثانیؒ فرماتے ہیں:

"قوله عن الحارث عن علیؓ الخ: قلت فيه جواز ركعتي الفجر عند الاقامة المكتوبة للامام بوجهين" الا أنه ضعيف

Scanned by CamScanner

الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة" يعم الإمام والمأموم جميعا، وقد خص منه الإمام لحديث علي هذا وهو حديث حسن الإسناد، فلم يبق العام قطعيا، فجاز تخصيصه في حق المأموم بما إذا صلى خلف الصفوف بآثار الصحابة والقياس أيضا لا سيما بقوله ﷺ "لا تدعوهما وإن طردتكم الخيل" وهو حديث حسن ...... وقد خصصها ابن مسعود وأبو الدرداء وابن عباس وابن عمر فقد خصها رسول الله ﷺ بفعله عموم قوله: "إلا المكتوبة". (إعلاء السنن، ج:7، ص:106)

"میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں فرض نماز کی اقامت کے وقت امام کیلئے سنت فجر ادا کرنے کا جواز ملتا ہے اور حدیث "کہ جب جماعت کی اقامت شروع ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے" امام و ماموم سب کو عام ہے اور تحقیق کہ حضرت علیؓ کی اس حدیث سے امام کی تخصیص ہو گئی اور یہ حدیث حسن الاسناد ہے پس عام قطعی نہ رہا تو پھر صحابہ کرامؓ کے آثار اور قیاس سے بھی مقتدی کے حق میں تخصیص جائز ہے کہ جب صفوں کے متصل نماز نہ پڑھی جائے۔ اور خاص کر نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "سنت فجر کو ترک نہ کرو اگرچہ لشکر تم کو دھکیل رہا ہو" اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے (اور وہ صحابہ جو اس حدیث "کہ جب جماعت کی اقامت ہو رہی ہو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے" کو جانتے بھی تھے پھر بھی انہوں نے اس عمومی حکم

Scanned by CamScanner

سے سنت فجر کو خاص کیا) ان میں عبداللہ بن مسعودؓ ، ابو درداءؓ ، ابن عباسؓ ...... ابن عمرؓ وغیرہ شامل ہیں ...... پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے فعل سے اس حدیث "الا المکتوبہ" کے عموم کو خاص کر دیا۔

تیرھواں ثبوت:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: "اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر. (سنن الکبری البیھقی ج: ۲ ص: ۴۸۳)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے سوائے فجر کی سنتوں کے۔

تشریح:

احناف اس حدیث کو بھی اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ سنت فجر اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں اور اس استثناء کا ثبوت ماقبل میں آثار صحابہؓ سے مؤید ہو چکا ہے۔

پہلا اعتراض:

غیر مقلدین حضرات اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث میں "الا رکعتی الفجر" کے الفاظ کی زیادتی بے اصل ہے (یعنی اصل متن میں یہ الفاظ نہیں ہیں) جیسے کہ علامہ بیہقی نے اس

حدیث کے آخر میں تصریح فرمادی ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے دو راوی، حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر ضعیف ہیں؟

اعتراض کا جواب:

یہ بات تو مسلم ہے کہ اس حدیث میں "الا رکعتی الفجر" کی زیادتی مدرج ہے لیکن اس حدیث کے معارض جو حدیث ہے جسمیں "ولا رکعتی الفجر" کی زیادتی ہے وہ بھی مدرج ہے جسکی وجہ سے علامہ ابن عدی نے وہ حدیث یحیٰی نصر بن حاجب کے مناکیر میں ذکر فرمائی ہے لیکن اسکے باوجود علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کی تحسین فرمائی ہے حالانکہ یحیٰی بن نصر بن حاجب اور مسلم بن خالد زنجی مختلف فیہ راوی ہیں لیکن ان دوراویوں کے مقابلہ میں اس باب کی حدیث کے دو راوی جن پر اعتراض کیا گیا ہے ایک حجاج بن نصیر اور دوسرا عباد بن کثیر ان کا حال مذکورہ راویوں سے بہت بہتر ہے جیسا کہ آئندہ اسکی تفصیل ذکر کی جائے گی اب یہاں پر حدیث باب کے رواۃ کے متعلق آئمہ جرح وتعدیل کا کلام نقل کیا جاتا ہے جس سے ان راویوں کا حال معلوم ہوجائے گا کہ وہ کس درجے کے ہیں قابل حجت ہیں کہ نہیں؟

پہلے راوی......"حجاج بن نصیر پر کلام"

پہلا کلام:

علامہ مزیؒ حجاج بن نصیر کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"وقال يعقوب بن شيبة: "سألت يحيى بن معين عنه فقال: "كان شيخا صدوقا، ولكنهم أخذوا عليه أشياء في حديث شعبة، كان لا بأس به. (تهذيب الكمال: ج:۳،ص:۲۲۶

Scanned by CamScanner

یعقوب بن شعبہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے یحییٰ بن معین سے حجاج بن نصیر کے بارے میں پوچھا تو انہوں فرمایا کہ: "وہ شیخ صدوق تھا لیکن محدثین نے اُن پر شعبہ کی روایت میں (اسناد میں) گرفت کی ہے۔(باقی) اس میں کوئی نقص نہیں تھا۔

دوسرا کلام:

علامہ ابن حبانؒ نے حجاج بن نصیر کو ثقات میں ذکر کیا ہے:

"حجاج بن نصير أبو محمد الفساطيطي من أهل البصرة يروي عن شعبة روى عنه أحمد بن سعيد الدارمي وأهل العراق مات سنة ثلاث أو أربع عشرة ومائتين يخطىء ويهم. (الثقات لابن حبان، ج: ۸، ص: ۲۰۲)

حجاج بن نصیر أبو محمد الفساطیطی اہل بصرہ میں سے قتادہ شعبہ سے روایت کرتا ہے اس سے أحمد بن سعید الدارمی اور اہل عراق نے روایت کیا ہے۔ ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ میں اُکا انتقال ہوا اسے غلطی ووہم ہو جاتی تھی۔

تیسرا کلام:

علامہ ابن عدی حجاج بن نصیر کے متعلق رقم طراز ہیں

قال ابن عدي ولحجاج بن نصير أحاديث وروايات عن شيوخه ولا أعلم له شيئا منكرا غير ما ذكرت وهو في غير ما ذكرت صالح'. (الكامل في الضعفاء، لابن عدی

Scanned by CamScanner

، ج: ۲، ص: ۲۳۲، دار الفکر، طبع ۱۹۰۴ء)

حجاج بن نصیر کی اپنے شیوخ سے کئی احادیث و روایات ایسی ہیں کہ جنکے بارے میں میں کسی بھی شئی منکر کا علم نہیں رکھتا سوائے اسکے جو میں نے ذکر کردیا ہے۔اور وہ باقی احادیث میں سوائے ان احادیث کے جو میں نے ذکر کردی ہیں صالح ہیں۔

فائدہ:

اس روایت کو جس میں یہ الفاظ ہیں "الا رکعتی الفجر" کو علامہ ابن عدیؒ نے حجاج بن نصیر کے مناکیر میں ذکر نہیں کیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت منکر نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر ابن عدیؒ نے جہاں پر حجاج بن نصیر کی دیگر روایات ذکر کیں وہاں پر یہ روایت بھی ذکر کرتے "اذ لیس فلیس" اور نہ ہی حجاج بن نصیر نے یہ روایت شعبہ سے کی ہے پس اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جن محدثین نے حجاج بن نصیر کو ضعیف گردانا ہے وہ بھی شعبہ کی روایات کی وجہ سے ہے (اور وہ بھی اسناد میں ان پر گرفت کرکے نہ کہ متن میں) اور نہ ہی حجاج بن نصیر کی تمام روایات کی وجہ سے جیسا کہ علامہ ابن عدیؒ نے اسکی تصریح فرمادی ہے کہ شعبہ سے روایت کرنے کے علاوہ حجاج بن نصیر کی اپنے شیوخ سے بہت سی روایات و احادیث ایسی ہیں کہ جن میں حجاج بن نصیر صالح ہیں قابل اعتماد ہیں۔ اور یہ روایت بھی انہیں میں ہے کہ جسمیں وہ صالح ہے۔

چوتھا کلام:

علامہ ابن شاہینؒ حجاج بن نصیر کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"حجاج الفساطیطی لیس به بأس ، فالله یحیی." (تاریخ اسماء الثقات لابن شاهین ، ج: ۱، ص: ۹۹ برقم

Scanned by CamScanner

الترجمة: ۲۶۳)

یحیی بن معین نے فرمایا ہے کہ حجاج لسا طیلی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پانچواں کلام:

علامہ عجلی نے حجاج بن نصیر کو ثقات میں ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"حجاج بن نصير الفساطيطي كان معروفا بالحديث ولكنه أفسده أهل الحديث بالتلقين كان يلقن وأدخل في حديثه ماليس منه فترك. (الثقات للعجلي، ج: ۱، ص: ۲۸۷)

حجاج بن نصیر الفساطاطی حدیث میں معروف ہیں لیکن اصحاب حدیث نے ان کو حدیث میں تلقین کی وجہ سے فاسد کر دیا ہے اور انکی حدیث میں وہ باتیں شامل کی گئیں جو اس میں نہیں تھیں پس اس وجہ سے انکو چھوڑ دیا گیا۔

فائدہ:

علامہ عجلی کے نزدیک حجاج بن نصیر ثقہ ہیں انھوں نے اصحاب حدیث کا انکو ضعیف جاننے کی وجہ بتائی ہے کہ وہ (سند میں) تلقین کرتے تھے، اور انکی حدیث میں وہ باتیں شامل ہوئیں جو اسمیں نہیں تھیں، اسمیں بھی اشارہ انہی شعبہ والی روایات کی طرف ہے، باقی روایات میں وہ معتبر ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب

چھٹا کلام:

علامہ ذہبی اسنادِ حدیث میں حجاج بن نصیر پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قلت ولم يأت بمتن منكر. (ميزان الاعتدال

Scanned by CamScanner

ج: ۱، ص: ۴۶۵

میں کہتا ہوں کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا۔

"ارشاد الحق اثری صاحب کا وہم"

ارشاد الحق اثری صاحب نے علامہ ذہبی کی مذکورہ عبارت کو میزان الاعتدال کی خطا گردان کر اپنی نادانی کا ثبوت دیا ہے وہ اپنے رسالہ "بعض احکام رکعتی الفجر" جو کہ اعلام اہل العصر کے ذیل میں چھپا ہے (ص: ۲۶۵) پر لکھتا ہے:

> کہ علامہ ذہبی نے جو حجاج بن نصیر کے متعلق میزان الاعتدال میں یہ لکھا ہے کہ وہ منکر متن نہیں لاتے یا ابن عدی نے انکی منکر روایات ذکر نہیں کی ہیں جیسا کہ علامہ کشمیری نے سمجھا ہے یہ بالکل صحیح نہیں ہے ...... کیونکہ ابن عدی نے حجاج بن نصیر کی تین منکر روایات ذکر کی ہیں ...... اور اسی طرح علامہ ابن حجر نے بھی تہذیب میں انکی روایات کو ابن عدی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے تو امام ذہبی کا یہ فرمانا کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا بالکل درست نہیں ہے۔ اھ (بعض احکام رکعتی الفجر علی ذیل اعلام اہل العصر)

"حجاج بن نصیر کے منکر روایات کی حقیقت"

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

یہ ارشاد الحق اثری صاحب کا وہم ہے کہ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی سے خطاء ہوئی ہے کیونکہ علامہ ذہبی کی یہ بات بلکہ درست ہے کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا انکی حقیقت جاننے کیلئے میں آپ حضرات کے سامنے الکامل ابن عدی سے حجاج بن نصیر کی وہ روایات پیش

Scanned by CamScanner

کرتا ہوں جو ابن عدیؒ نے حجاج بن نصیر کے مناکیر میں روایت کی ہیں۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ان تمیں روایات پر محدثین نے سند کے اعتبار سے کلام کیا ہے یا متن کے اعتبار سے اور ارشاد الحق اثری صاحب کی نادانی بھی واضح ہو جائے گی۔

پہلی روایت:

علامہ ابن عدیؒ فرماتے ہیں

"حدثنا الساجیُ ثنا محمدُ بنُ معمر ثنا حجاجُ بنُ نصیرٍ ثنا شُعبۃُ عنْ مبارک عنْ ابراھیمَ عنْ الاسودِ عنْ عائشۃَ قالتْ کانَ رسُولُ اللہ ﷺ یأْمُرُ اذا حاضتْ احدانا انْ تتّزرَ ثمّ یباشرُھا.

ہمیں ساجی نے بیان کیا ان کا کہنا ہے ہمیں محمد بن معمر نے بیان کیا ان کا کہنا ہے کہ ہمیں حجاج بن نصیر نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں شعبہ نے بیان کیا اس نے مبارک سے مبارک نے ابراہیم سے ابراہیم نے اسود سے، اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی حائضہ ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرماتے کہ ازار باندھو پھر وہ ہمارے ساتھ مباشرت فرماتے۔

"حجاج بن نصیر کی سند میں خطاء کی وضاحت"

یہ روایت علامہ ابن عدیؒ نے بیان کی ہے جسمیں حجاج بن نصیر نے شعبہ سے روایت کیا ہے لیکن اس روایت میں حجاج بن نصیر سے سند میں یہ غلطی ہوئی کہ اس نے شعبہ کے بعد ایک راوی "مبارک" کا اضافہ کیا حالانکہ مبارک نام کا کوئی راوی نہیں ہے اور نہ ہی شعبہ نے مبارک نام

Scanned by CamScanner

کے کسی راوی سے روایت بیان کی ہے۔اس روایت کے بعد علامہ ابن عدیؒ نے دوسری روایت بیان کی ہے جسمیں مبارک نام کا کوئی راوی نہیں ہے یعنی کہ اصل روایت اس سند کیساتھ ہے وہ روایت ملاحظہ ہو:

"أخبرنا الساجيُّ ثنا بندارٌ ثنا محمدُ بنُ جعفرٍ ثنا شعبةُ عن منصورٍ عن إبراهيم عن الأسودِ عن عائشةَ قالتْ كانَ رسُولُ اللهِ ﷺ يأمرُ إحدانا إذا كانت حائضاً أن تتّزرَ ثم يُباشرُها." قال هذا بالمبارك موضع يعني فوق وسط ثم قال بعد يباشرها. (الكامل ابن عدی ج: ۲، ص: ۲۳۱)

ہمیں ساجی نے خبر دی اس نے کہا کہ بندار نے ہم سے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ محمد بن جعفر نے ہم سے بیان کیا اس نے کہا کہ شعبہ نے ہم سے بیان کیا اس نے منصور سے اس نے ابراہیم سے اس نے اسود سے اور اس نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی حائضہ ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے کہ ازار باندھو پھر وہ اسکے ساتھ مضاجعت فرماتے۔

فرمایا کہ (یہ حدیث) مبارک نامی جگہ پر میرے سامنے بیان کی جو کہ واسط کے اوپر ہے پھر اسکے بعد فرمایا کہ آپ ﷺ مباشرت فرماتے۔

قال لنا الساجيُّ نظرُ حجاجٍ قال له شعبةُ حدثنا بالمبارك فظنَّ أنّ الحديثَ عن المبارك فرواه حدثنا ابنُ صاعد ثنا محمد الكاب ثنا حجاج بن نصير ثنا شعبة عن المبارك عن إبراهيم .... الخ قال لنا ابنُ صاعد قلت لابن ابن

الشكاب من مبارك هذا فقال لا ادرى قال لنا ابن صاعد وانما قال له شعبة حدثنا منصور بالمبارك الموضع الذى بطرب من وسط فظن عنه المبارك فجعل اسم الموضع اسم الرجل واسقط منصور في الاسناد لما طال عليه. (الكامل ابن عدى ج: ۱ ۲۳۱)

ہمیں سامی نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ حجاج کو شعبہ نے فرمایا ہوگا کہ فلاں نے اس سے مقام مبارک پر حدیث بیان کی تو اس سے حجاج نے یہ سمجھا کہ یہ حدیث شعبہ نے مبارک سے روایت کی ہے تو حجاج بن نصیر نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہمیں ابن صاعد نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے اشکاب نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہم سے حجاج بن نصیر نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا اس سے مبارک نے اس سے ابراہیم نے بیان کیا ... الخ

ہمیں ابن صاعد نے فرمایا کہ میں نے ابن اشکاب سے پوچھا کہ یہ مبارک کون ہے اس نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہمیں ابن صاعد نے فرمایا کہ شعبہ نے اس کو یہی فرمایا ہوگا کہ ہم سے منصور نے مقام مبارک جو واسط کے قرب میں ہے یہ حدیث بیان کی تو حجاج نے مبارک نامی جگہ کو آدمی کا نام سمجھا یعنی حجاج نے جگہ کو آدمی کا نام سمجھ کر اس سے روایت کی اور جب اس پر سند طویل ہوگئی تو اس نے منصور راوی کو سند سے گرا دیا۔

<u>حجاج بن نصیر کے متعلق علامہ ابن عدی نے جو کلام کیا ہے وہ آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ</u>

Scanned by CamScanner

اس روایت میں حجاج بن نصیر کی غلطی صرف سند میں تھی نہ کہ متن حدیث میں جیسا کہ مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔

دوسری روایت:

"وقد ذکر عن شعبۃ فی حدیث آخر انّ منصور حدثہ بالمبارک حدثنا بندار حدثنا روح ثنا شعبۃ عن منصور عن تمیم بن سلمۃ عن عبید بن خالد السلمی عن النبی ﷺ ان قال موت الفجاۃ اسفۃ اسفۃ قال شعبۃ ھکذا حدثنیہ وحدثنیہ مرۃ اخبرنی بالمبارک۔ الخ

اور دوسری حدیث میں بھی شعبہ کی طرف سے یہی ذکر کیا گیا ہے کہ منصور نے شعبہ سے مبارک نامی جگہ پر حدیث بیان کی فرمایا کہ ہم سے بندار نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے روح نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا اس نے منصور سے اس نے تمیم بن سلمہ سے اس نے عبید بن خالد سلمیؓ سے اس نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اچانک موت اچانک افسوس ناک پکڑ ہے۔ شعبہ نے فرمایا کہ اسی طرح اس نے مجھ سے بیان کیا ہے اور ایک مرتبہ اس نے میرے سامنے یوں ہی بیان کیا ہے اس نے مجھے مقام مبارک پر خبر دی ہے۔ ...الخ

تجزیہ:

اس روایت میں بھی حجاج بن نصیر کی وہی غلطی ہے جو کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حجاج بن نصیر

Scanned by CamScanner

نے مبارک نامی جگہ کو آدمی کا نام سمجھ کر اس سے روایت کیا ہے تو یہ غلطی بھی سند کی غلطی ہے متن حدیث میں حجاج بن نصیر سے غلطی نہیں ہوئی ہے۔

تیسری روایت:

"وَوهم أيضا حجّاج بن نُصير في حديث آخر يعني لشعبة ثنا ابن صاعد ثنا احمد بن سنان والفضل بن سهل و احمد بن منصور والعباس بن محمد قالوا أخبرنا حجاج بن نصير ثنا شعبة عن العوام بن مزاحم عن أبي عثمان النهدي عن عثمان   الخ انما رواه أبو عثمان عن سلمان   الخ

اور حجاج بن نصیر کو شعبہ کی ایک اور روایت میں بھی وہم ہوا ہے ہمیں ابن صاعد نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے احمد بن سنان، فضل بن سہل، احمد بن منصور اور عباس بن محمد نے بیان کیا ان کا کہنا ہے کہ ہمیں حجاج بن نصیر نے خبر دی ہے اس کا کہنا ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا اس نے عوام بن مزاحم سے اس نے ابو عثمان نہدی سے روایت کیا ہے .....الخ

حالانکہ ابو عثمان نے سلمان سے روایت کیا ہے (نہ کہ عثمان سے)۔

تنبیہ:

اس روایت میں حجاج بن نصیر کو یہ وہم ہوا ہے کہ یہ حدیث ابو عثمان نہدیؒ نے عثمان سے روایت کی ہے حالانکہ اصل روایت یہ ہے کہ ابو عثمان نہدی نے سلمان سے روایت کیا ہے نہ کہ عثمان سے تو اس روایت میں بھی حجاج بن نصیر کی غلطی سند کے اعتبار سے ہے کہ اس نے سلمان کی جگہ حدیث

شان سے بچو کر اس سے روایت کیا ہے اور یہ سند کی غلطی ہے۔

اس تفصیل سے آپ حضرات پر ارشاد الحق اثری صاحب کی نادانی آشکارہ ہو چکی ہوگی کہ کیسے اس نے یہ کہہ کر

هذا ليس موضع بسطها فانظرها هناك

کہ یہ اسکی تفصیل کا موقع نہیں ہے بس وہاں (ابن عدی میں) دیکھ لو۔

جان چھڑالی اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے بات ابن عدی کے مطالعہ پر چھوڑ دی آپ حضرات کو معلوم ہو چکا ہے کہ ابن عدی نے حجاج بن نصیر کی جو روایات ذکر کی ہیں وہ سند کے اعتبار سے منکر ہیں متن کے اعتبار سے منکر نہیں ہیں، پس جب یہ روایات متن کے اعتبار سے منکر نہیں ہیں تو پھر ان روایات کو لیکر حجاج بن نصیر کو مجروح قرار دینا اصول حدیث کا علم نہ رکھنے کا ثبوت ہے کہ جو شخص اسنادی گرفت کی وجہ سے اسے مجروح قرار دے رہا ہے وہ اصول حدیث کے شد بد سے بھی واقف نہیں ہے ورنہ وہ یہ حماقت کبھی بھی نہ کرتا!

محدثین حضرات جانتے ہیں کہ شعبہ بھی اسناد میں غلطی کر جاتا ہے اور ناموں کو الٹ پلٹ دیتا ہے اگر اسنادی غلطی جرح شمار ہوتی تو پھر شعبہ بھی مجروح ہوگا جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے، جرح وہی ہے کہ غلطی اور وہم متن میں ہو نہ کہ سند میں۔ اور حجاج بن نصیر متن میں وہم وغلطی سے بالکل بری ہے۔

پس علامہ ذہبیؒ اور انور شاہ کشمیریؒ کی بات بالکل درست ہے کہ انھوں نے بھی فرمایا ہے کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا یا ابن عدیؒ نے متن کے اعتبار سے اسکے منکر روایات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تو ارشاد الحق اثری صاحب کو اپنی بچو کی فکر کرنی چاہئے کہ بغیر تحقیق کے محض احناف کے ساتھ

تعصب کی بنا پر ان بزرگوں کی طرف خطاء و نا سمجھی کی نسبت کرنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ ارشاد الحق اثری صاحب آپ جیسے ہزاروں ہزار سال میں بھی ان بزرگوں کی سمجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قارئین کرام! یہاں تک حجاج بن نصیر پر کلام تو علی سبیل الا نکار تھا کہ ہم انہیں ضعیف نہیں مانتے کیونکہ بہت سے محدثین نے انکو صدوق و صالح قرار دیا ہے۔ اور اگر ہم علی سبیل التنزل مان بھی لیں کہ حجاج بن نصیر ضعیف راوی ہے تو پھر بھی حجاج بن نصیر کا حال یحیٰ بن نصر بن حاجب سے اچھا ہے کیونکہ یحیٰ بن نصر بن حاجب ایسا راوی ہے کہ جن سے اصحاب صحاح ستہ نے احادیث کی تخریج نہیں کی ہے اور انکی احادیث سے اپنی سنن میں اعراض کیا ہے۔ اور حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں ہے۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

نعم ولكن حجاج بن نصير أحسن حالا من يحيى بن نصر بن حاجب فان يحيى لم يخرج له أحد من أصحاب الصحاح الستة وأعرضوا عن اخراج حديثه في سننهم وحجاج بن نصير من رجال الترمذي. قال ابن معين: كان شيخا صدوقا لكنهم أخذوا عليه أشياء في أحاديث شعبة وذكره ابن حبان في الثقات وقال يخطئ ويهم وأورد له ابن عدي أحاديثه عن شعبة وهي ثلاثة أحاديث أخذوا عليه أشياء في أسانيدها

Scanned by CamScanner

فنون المنفون. قال ابن عدی: وللحجاج احادیث وروایات عن غیرہ ولا اعلم له فیها منکرا غیر ما ذکرت وھو فی غیر ما ذکرته صالح. (تهذیب التهذیب، ج: ۲، ص: ۲۰۸/۲۰۹، اعلاء السنن، ج: ۷، ص: ۱۰۹. ج: ۵، ص: ۱۹۸۸)

ہاں اگر ہم مان بھی لیں کہ حجاج بن نصیر ضعیف ہے لیکن پھر بھی وہ یحیٰی بن نصر بن حاجب سے بہت اچھا ہے کیونکہ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی یحیٰی سے تخریج نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے اپنی اپنی سنن میں اس کی حدیث کی تخریج سے اعراض کیا ہے وجبکہ حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہے۔ اھ

"ارشاد الحق اثری صاحب کے مزید اوہام"

ارشاد الحق اثری صاحب نے علامہ ظفر احمد عثانی کی مذکورہ تحقیق پر یہ اعتراض کیا ہے:

قول:

"ظفر احمد عثانی نے اپنے شیخ کی بات کو قوت دینے کیلئے کہا ہے کہ: "حجاج بن نصیر صحاح کے رجال میں سے ہے۔ حالانکہ وہ صرف ترمذی کے راویوں میں سے ہے نہ کہ صحاح کے راویوں میں سے اور کیا ترمذی کے سب راوی ثقہ ہیں اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس استشہاد اور تعدیل کی کیا ضرورت ہے؟

Scanned by CamScanner

(بعض احکام رکعتی الفجر علی ذیل اعلام اہل العصر ص: ۲۹۶)

جواب:

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

ارشاد الحق اثری صاحب کے وہم کا اندازہ لگائیں کہ انہوں نے علامہ ظفر احمد عثمانی کے قول میں یہ تصحیف کی ہے علامہ ظفر احمد عثمانی نے یہ کب فرمایا ہے کہ حجاج بن نصیر صحاح کا راوی ہے بلکہ علامہ ظفر احمد عثمانی نے تو یہ فرمایا ہے کہ: "یحییٰ بن نصر سے اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی حدیث کی تخریج نہیں کی ہے جبکہ حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہیں" علامہ ظفر احمد عثمانی نے تو یہ فرمایا کہ" حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہیں اور ارشاد الحق اثری صاحب نے ان کے قول کو الٹ دیا اور کہا کہ" حجاج بن نصیر کو علامہ ظفر احمد عثمانی نے صحاح کا راوی کہا ہے جبکہ وہ ترمذی کے راویوں میں سے ہیں" یہ کہنا جناب ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ تو وہم ہے اور یا وہ جان بوجھ کر بات کو گھما پھرا کر کیا سے کیا بنا لیتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ایک موقع پر اعلاء السنن میں ایسا ہی ہے کہ وہ صحاح کا راوی ہے لیکن یہ کاتب کی غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے پہلے صفحات میں علامہ ظفر احمد عثمانی اس بات کی تصریح فرما چکے ہیں کہ حجاج ترمذی کے راویوں میں سے ہے تو اس مقام پر وہ کیسے یہ فرما سکتے ہیں کہ حجاج صحاح کے راوی ہیں پس یہ بات یقینی ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور کتابتی غلطی پر گرفت کرنا نادانوں کا کام ہے نہ کہ اہل علم وحدیث کا۔ فتدبروا

قول:

اور ان کا یہ کہنا کہ: "کیا ترمذی کے سب راوی ثقہ ہیں اگر جواب نفی میں ہے تو اس استناد اور تعدیل کا کیا فائدہ۔

Scanned by CamScanner

اقول

میں کہتا ہوں کہ علامہ ظفر احمد عثمانی نے یہ کب فرمایا ہے کہ ترمذی کے تمام راوی ثقہ ہیں یہ تو آپ کا اپنا اجتہاد ہے کہ آپ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہیں علامہ ظفر احمد عثمانی اس مقام پر حجاج بن نصیر کی تعدیل بیان نہیں فرما رہے ہیں بلکہ وجہ ترجیح بین الرواۃ بیان فرما رہے ہیں کہ ہم یحیٰی بن نصر بن حاجب کے مقابلے میں حجاج بن نصیر کو ان وجوہات کی بناء پر ترجیح دیتے ہیں کہ یحیٰی بن نصر سے اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں لی ہے جبکہ حجاج بن نصیر ترمذی کا راوی ہے اور یہ بیان وجہ ترجیح ہے بیان تعدیل نہیں۔ فتدبر

"انور شاہ کشمیریؒ

پر ارشاد الحق اثری صاحب کے اعتراضات کا جائزہ"

ارشاد الحق اثری صاحب نے اپنے مذہبی تعصب کے بناء پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے:

قولہ:

"وهم العلامة الكشميري وخبطه في بعض احكام ركعتي الفجر"

علامہ کشمیری کا وہم و بدحواسی

پھر آگے کہتا ہے:

شیخ انور شاہ کشمیری نے اس سند پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے:

"کہ رہی بات حجاج بن نصیر کی تو وہ مختلف فیہ راوی ہے امام ترمذی نے کتاب الجمعہ میں اس سے روایت لی ہے اور ابن معین نے اسکو ثقہ

قرار دیا ہے اور ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ: "میں نے حجاج بن نصیر کی (ابن تمن) روایات کے علاوہ منکر روایات نہیں پائیں"۔

اور اسی طرح انہوں نے آثار السنن پر تعلیقات میں کہا ہے جیسا کہ شیخ بنوری نے معارف السنن (۷۸/۳) میں نقل کیا ہے مگر شیخ بنوری نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ:

ابن عدیؒ نے فرمایا کہ: "حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا اور اسی طرح ذہبیؒ میزان میں "قلت" سے فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم دیکھو تہذیب (۲۰۹/۸) اور ابو نعیم نے بھی اپنے مستخرج میں حجاج بن نصیر سے حدیث روایت کی ہے جیسا کہ فتح (۶۰/۲) میں ہے اور امام احمد نے اپنے مسند میں (۳۳۰/۵) پر اسکی روایت کی تخریج کی ہے۔

یہ کہنے کے بعد ارشاد الحق اثری کہتا ہے:

پہلا اعتراض:

قولہ

"دیکھو کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ ثابت کرنے کیلئے کیسا حیلہ کیا ہے۔

پہلے تو یہ کہا کہ:

حجاج بن نصیر سے ترمذی نے راوی عدل ہے   الخ

پھر ذرا اس روایت کو تو دیکھا جائے جو امام ترمذیؒ نے "الجد حل من او او الجبل" میں حجاج بن نصیر کے حوالے سے بیان کی ہے خود سنن ترمذی

Scanned by CamScanner

میں ہے کہ جب احمد بن حسن نے یہ روایت امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے حجاج بن نصیر کے سند سے بیان کی تو انہوں فرمایا کہ استغفر ربک استغفر ربک اور یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ اس حدیث کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے اس کے سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

جواب:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

اگر ارشاد الحق اثری صاحب کے حق میں ان کے اپنے الفاظ "وہم الکوثری وخبطہ" استعمال کیے جائے تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا جیسا کہ مشہور مقولہ ہے "کما تدین تدان" جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

قولہ:

اسکا کہنا ہے:

دیکھو کہ علامہ انور شاہ کشمیری نے حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ ثابت کرنے کیلئے کیسا حیلہ کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہا کہ:

حجاج بن نصیر سے ترمذی نے روایت لی ہے ... الخ

اقول:

میں کہتا ہوں:

علامہ انور شاہ کشمیری نے حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ ثابت کرنے کیلئے کیا حیلہ کیا ہے انہوں نے تو یہ فرمایا کہ امام ترمذی نے اس سے حدیث کی تخریج کی ہے کیا یہ حیلہ ہے یہ تو صاف سی بات ہے کہ۔

Scanned by CamScanner

وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حجاج بن نصیر سے اصحاب صحاح ستہ میں سے ترمذی نے روایت لی ہے۔ اس میں حیلہ کی کیا بات ہے؟۔

دوسری بات حجاج بن نصیر کے مختلف فیہ ہونے کی تو ماقبل میں یہ بات خوب معلوم ہو چکی ہے کہ بہت سے محدثین نے حجاج کی توثیق بھی کی اور بعض محدثین نے انکو ضعیف بھی فرمایا ہے یہ صرف علامہ انور شاہ کشمیری کی تحقیق نہیں ہے کہ انہوں حجاج کو مختلف فیہ فرمادیا ہے اور خود امام المحدثین امام بخاریؒ نے بھی حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ فرمایا ہے چنانچہ امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"حجاج بن نصير أبو محمد الفساطيطي البصري عن شعبة يتكلم فيه بعضهم مات سنة ثلاث او اربع عشرة ومائتين (التاريخ الكبير ج: ۲، ص: ۳۸۰ رقم الترجمة ۲۸۴۵)

حجاج بن نصیر ابو محمد فساطیطی بصری شعبہ سے روایت کرتا ہے بعض محدثین نے اس میں کلام کیا ہے ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ میں فوت ہوا۔

اب کیا ارشاد الحق اثری صاحب جرأت کر سکتے ہیں؟ کہ وہ امام بخاریؒ کے حق میں "وہم البخاری وتحیلہ" کے الفاظ استعمال کر لیں ۔ کہ انہوں نے بھی حجاج بن نصیر کے متعلق یہ فرما کر کہ بعض محدثین نے اس پر کلام کیا ہے اس کو مختلف فیہ کر کے حیلہ کیا ہے مگر اتنی جرات کہاں۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

خنجر اٹھے گا نہ تلوار ...... ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

Scanned by CamScanner

قول:

اسکا کہنا ہے کہ:

> پھر ذرا اس روایت کو تو دیکھا جائے جو امام ترمذیؒ نے "الجد عل من ابوالعلیل" میں حجاج بن نصیر کے حوالے سے بیان کی ہے خود سنن ترمذی میں ہے کہ جب احمد بن حسن نے یہ روایت امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے حجاج بن نصیر کی سند سے بیان کی تو انہوں فرمایا کہ استغفر ربک استغفر ربک اور یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ اس حدیث کو کچھ بھی نہیں سمجھے تھے اسکے سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔
>
> بنظر انصاف دیکھ کر یہ بتائیں۔ کہ کیا امام ترمذی کی اپنی سنن میں حجاج بن نصیر کی روایت کی تخریج اسکے توثیق کا سبب ہے؟ ہرگز نہیں پس انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ امام ترمذی نے حجاج سے تخریج کی ہے اسکی مثال اس سے زیادہ نہیں کہ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا لیتا ہے۔ انتہی

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ارشاد الحق اثری صاحب نے حجاج بن نصیر کے حوالے سے جس روایت کا ذکر کر کیا ہے اور اس میں صرف حجاج کی طرف ضعف کی نسبت کی ہے یہ دیانت داری کا کام نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں صرف حجاج بن نصیر ہی ضعیف راوی نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے اس پر انکار کیا۔ بلکہ اس کی سند میں مبارک بن عباد اور عبداللہ بن سعید المقبری بھی ہیں اور یہ بھی ضعیف راوی ہیں تو اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے اس روایت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

Scanned by CamScanner

کیونکہ بعض محدثین کی رائے کے مطابق اس حدیث میں تین مختلف فیہ راوی جمع ہو گئے جس کی وجہ سے اس روایت کی اہمیت مذکورہ سند کی وجہ سے ختم ہوئی۔ نہ کہ صرف حجاج بن نصیر کی وجہ سے حدیث میں ضعف پیدا ہوا۔ اس بات کو ارشاد الحق اثری صاحب کا وہم سمجھ لیا جائے یا خبط اس کا فیصلہ قارئین حضرات پر چھوڑتے ہیں۔ ہاں یہ یاد رہے کہ اس نے مذکورہ حدیث کے ضعیف ہونے کو صرف حجاج بن نصیر کے سر ڈالا ورنہ اگر صرف حجاج بن نصیر روایت میں ضعف ہوتا تو پھر اسکے متعلق امام احمد یقیناً ایسا نہ کہتے۔ اور یہ حدیث حسن درجہ کو پہنچ جاتی

قولہ:

اور اسکا یہ کہنا کہ:

> بنظر انصاف دیکھ کر بتائیں، کہ کیا امام ترمذی کا اپنی سنن میں حجاج بن نصیر کی روایت کی تخریج اسکے توثیق کا سبب ہے...... الخ

اقول:

میں کہتا ہوں:

کہ یہ ارشاد الحق اثری صاحب کی ضعف فہمی ہے کہ انہوں نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے اس قول "اخرج عنہ الترمذی" کو حجاج بن نصیر کی توثیق سمجھا حالانکہ انور شاہ کشمیریؒ تو صرف یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہے اس کی توثیق تو وہ آگے ابن معین اور علامہ ابن عدیؒ کے حوالے سے بیان فرما رہے ہیں نہ کہ امام ترمذی کا اسکی حدیث کی تخریج سے وہ اسکی توثیق بیان فرما رہے ہیں۔

میں آپ حضرات کو پہلے سے بتا چکا ہوں کہ ارشاد الحق اثری صاحب خود مجبور ہو چکے ہیں وہ کیا کا کیا سمجھ جاتے ہیں علامہ انور شاہ کشمیریؒ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ترمذی کا ہر راوی ثقہ

Scanned by CamScanner

نہیں ہے اور نہ ہی ہر راوی ضعیف ہے۔

پس ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ قول کہ:

> انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ امام ترمذی نے حجاج سے تخریج کی ہے اسکی مثال اس سے زیادہ نہیں کہ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا لیتا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

ارشاد الحق اثری صاحب کی مثال حاطب اللیل کی سی ہے یعنی جو شخص اندھیرے میں لکڑیاں چنتا ہے اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا چن رہے ہیں اور کیا چھوڑ رہے ہیں۔ اور کیا سانپ کو تو لکڑی نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ہاں بالکل اسی طرح ارشاد الحق اثری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا چھوڑ رہے ہیں، وہ کیا سمجھ رہے ہیں اور کیا نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اور بقول انہی کے ان کی عقل "معلق فی الوہم والخبط" وہم وخبط کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اللھم احفظنا من الوہم والخبط

دوسرا اعتراض:

قولہ:

> انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ: "ابن معین نے (حجاج) کی توثیق کی ہے" تو میں کہتا ہوں کہ صدوق اور ثقہ میں بہت زیادہ فرق ہے ابن معین نے تو اس کے بارے میں صرف صدوق کہا ہے اور ایک روایت میں انہیں ضعیف بھی کہا ہے .... پس ابن معین کا حجاج کو صدوق کہنا محل نظر ہے اور خاص کر کہ جب اس نے اسکو ضعیف بھی کہا ہے۔

Scanned by CamScanner

اعتراض کا جواب:

میں کہتا ہوں: کاش کہ ارشاد الحق اثری صاحب اصول حدیث کا علم رکھتے یوں ہی اہل حدیث ہونے کا دعوی نہ کرتے؟

قول:

ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

> میں کہتا ہوں کہ صدوق اور ثقہ میں بہت زیادہ فرق ہے ابن معین نے تو اس کے بارے میں صرف صدوق کہا ہے اور ایک روایت میں انہیں ضعیف بھی کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ:

یہ ارشاد الحق اثری صاحب کی یا تو نادانی ہے یا تجاہل ہے کہ صدوق اور ثقہ میں بہت زیادہ فرق ہے (یعنی کہ صدوق کو ثقہ نہیں کہہ سکتے) آپ علامہ ابن حجر عسقلانی کی مندرجہ ذیل عبارت سے ارشاد الحق اثری صاحب کی نادانی کا اندازہ لگائیں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

> قال ابن ابی خیثمہ قلت لابن معین انک تقول فلان لیس به بأس وفلان ضعیف قال اذا قلت لک لیس به بأس فهو ثقة واذا قلت هو ضعیف فلیس هو بثقة ... الخ لسان المیزان ج:۱ ص:۱۳ فصل رابع
>
> ابن ابی خیثمہ نے فرمایا کہ میں نے ابن معین سے کہا کہ آپ کہتے کہ فلاں میں کوئی حرج نہیں ہے اور فلاں ضعیف ہے (تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے) تو فرمایا کہ جب میں کسی کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اس میں

Scanned by CamScanner

کوئی حرج نہیں ہے تو وہ ثقہ ہوتا ہے اور جب میں کسی کے متعلق یہ
کہتا ہوں کہ یہ ضعیف ہے تو وہ ثقہ نہیں ہوتا۔

اب آپ حضرات اندازہ لگائیں کہ علامہ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی کے متعلق کہتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو وہ ثقہ ہوتا ہے اور ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ ابن معین نے تو حجاج کو صدوق کہا ہے ثقہ نہیں کہا ہے یہ ان کی نادانی ہے کیونکہ الفاظ تعدیل میں لا باس بہ کا درجہ صدوق سے بعد کا یا اسکے برابر کا ہے تو جب ابن معینؒ لا باس بہ والے کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے تو پھر جسکے متعلق وہ صدوق فرما دیں وہ تو بدرجہ اولی یا بدرجہ مساوی ثقہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ثقہ کے الفاظ سے جسکی توثیق کی جائے وہ صدوق سے اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ ہوگا پس الفاظ ثقہ سے کسی کی تعدیل کرنے اور صدوق کے الفاظ سے کسی کی تعدیل کرنے میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ ایک اعلیٰ تعدیل ہے اور ایک اس سے کم درجہ کی لیکن ثقہ کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے جیسا کہ علامہ ابن معینؒ کے حوالے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

اسکے علاوہ اکثر محدثین کے نزدیک "لا باس بہ" اور "لیس بہ باس" کے الفاظ ثقہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ پس جب یہ الفاظ کسی کے متعلق استعمال ہوں تو اس کو ثقہ کہنا اکثر محدثین کا مذہب ہے پھر جس شخص کے متعلق صدوق کے الفاظ کہے گئے ہوں تو اس کو بدرجہ اولی ثقہ کہنا درست ہوگا تفصیل کیلئے دیکھئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج:۱، ص:۱۲۷، الرفع والتکمیل ص:۲۲۱ تا ۲۲۳ تعجیل المنفعۃ ص:۱۳)

پس انور شاہ کشمیری کا حجاج کو ثقہ کہنا بالکل بجا ہے اور ارشاد الحق اثری صاحب کا اس پر رد کرنا انکی نادانی ہے جو کہ واضح ہو چکی ہے۔

Scanned by CamScanner

اشکال:

علامہ ابن حجر عسقلانی کی مذکورہ عبارت میں علامہ ابن معین کے اس قول سے کہ: "میں جب کسی کو ضعیف کہتا ہوں تو وہ ثقہ نہیں ہوتا ہے" یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو علامہ ابن معین نے عجلان کی توثیق کی ہے جبکہ دوسری طرف اسکو ضعیف بھی کہا ہے اور یہ تعارض ہے اور اذا تعارضا تساقطا کے اصول سے یہ توثیق ساقط الاعتبار ہے اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

جواب:

علامہ عبدالحئی لکھنوی علامہ ابن معین کی جرح وتعدیل کا طرز بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"منها ما قال عثمان الدارمیؒ سئلت ابن معین عن العلاء بن عبدالرحمٰن عن ابیه کیف حدیثهما فقال لیس به بأس فقلت هو أحب الیک أو سعید المقبری قال سعید اوثق والعلاء ضعیف. فهذا لم یرد به ابن معین ان العلاء ضعیف مطلقا بدلیل انه قال لا بأس به وانما اراد انه ضعیف بالنسبة لسعید المقبری. وعلی هذا یحمل اکثر ماورد من الاختلاف فی کلام ائمة الجرح والتعدیل ممن وثق رجلا فی وقت وجرحه فی وقت. الخ(الرفع والتکمیل، ص: ۲۷)

ان میں سے یہ بھی ہے جو عثمان دارمی نے فرمایا ہے کہ میں نے ابن معین سے علاء بن عبدالرحمٰن کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کے بارے میں پوچھا کہ ان دونوں کا حدیث میں کیا حال ہے تو انہوں نے

Scanned by CamScanner

فرمایا کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے پھر میں نے کہا کہ علاء بن عبدالرحمن آپ کو زیادہ پسند ہے یا سعید مقبری تو فرمایا کہ سعید مقبری اس سے زیادہ ثقہ ہے اور علاء اسکے مقابلہ میں ضعیف ہے۔

پس اس سے ابن معین کی یہ مراد نہیں کہ علاء مطلقا ضعیف ہے کیونکہ اس سے پہلے ابن معین نے انکی توثیق کی ہے اور ان کا علاء کو ضعیف کہنے سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ سعید کی نسبت ضعیف ہے۔

پس اکثر ائمہ جرح والتعدیل کے اقوال کے اس اختلاف کو کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک راوی کی توثیق بھی کرتے ہیں اور تضعیف بھی اسی اصول پر محمول کیا جائیگا۔

فائدہ:

پس علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کی تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ علامہ ابن معین کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ ایک ہی راوی کے متعلق توثیق بھی فرماتے ہیں اور اسے ضعیف بھی کہتے ہیں تو اس سے مراد اس راوی کی مطلقا تضعیف نہیں ہوتی بلکہ کسی دوسرے راوی کی نسبت اسکو ضعیف فرماتے ہیں یہاں پر بھی ممکن ہے کہ حجاج بن نصیر کے متعلق بھی یہی معاملہ ہوا ہو ایک مرتبہ انکی توثیق کی تو دوسری مرتبہ کسی اور راوی کی نسبت اسکو ضعیف کہا تو ان کا یہ ضعیف فرمانا اس راوی کے مطلقا ضعف کی دلیل نہیں ہے۔

قولہ:

ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

پس ابن معین کا حجاج کو صدوق کہنا محل نظر ہے اور خاص کر کہ جب اس

Scanned by CamScanner

نے اسکو ضعیف بھی کہا ہے۔

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

۱۔ کا جواب مذکورہ اقوال اور اسکے جواب میں ہو چکا ہے اس پر غور کیا جائے۔

دوسری بات یہ کہ علامہ ابن معین کا حجاج کو ثقہ کہنا اس وقت محل نظر ہو سکتا تھا کہ وہ ان کی توثیق کرنے میں اکیلے ہوتے جبکہ یہاں پر تو علامہ ابن حبان، علامہ عجلی، علامہ ابن عدی وغیرہ وغیرہ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

تیسرا اعتراض:

تیسرا اعتراض ارشاد الحق اثری صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

قول:

> انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ ابن عدی نے حجاج کی منکر روایت (من حیث المتن) نہیں ذکر کی ہیں تو یہ بات کسی حال میں درست نہیں ہے جیسا کہ ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں چاہے یہ ذہبی کا قول ہو یا ابن عدی کا اور خود جب انور شاہ کشمیری نے یہ کہا کہ تفصیل "تہذیب میں دیکھو" تو گویا کہ انہوں نے خود اسکے ضعف کی طرف اشارہ فرما دیا۔اھ

اعتراض کا جواب:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

یہ بات تو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ علامہ ابن عدی اور علامہ ذہبی کا حجاج کے متعلق یہ کہنا کہ وہ منکر

Scanned by CamScanner

متن نہیں لاتا بالکل درست اور صحیح ہے اور یہی مذہب علامہ کشمیریؒ کا بھی ہے اور انھیں اس بات میں کوئی بھی شبہ نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہے "تہذیب" کا حوالہ دینے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ اس کو خود ضعیف سمجھتا ہے جہالت کا ثبوت ہے اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ انور شاہ کشمیریؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں اس لئے "تہذیب" کا حوالہ دے رہے ہیں یہ بات تو بالکل:

"توجيه القول بما لا يرضاه قائله به"

کسی کی بات کی اسکے مرضی کے خلاف توجیہ کرنیکا مصداق ہے۔

جو کہ قابل قبول نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر بقول ارشاد الحق اثری صاحب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ کہنا کہ: "تفصیل تہذیب میں دیکھو" انکے نزدیک اس کے ضعف کی دلیل ہے تو پھر ارشاد الحق اثری صاحب کا حجاج بن نصیر کے متعلق منکر متن لانے کے دعویٰ میں یہ کہنا :

- "هذا ليس موضع بسطها فانظرها هناك"

یہ اسکی تفصیل کا موقع نہیں ہے وہاں (یعنی ابن عدی میں) دیکھا جائے بھی حجاج بن نصیر کے متعلق منکر متن لانے کے دعویٰ کے ضعف کی دلیل ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

چوتھا اعتراض:

قول:

اور اسی طرح انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ: "حجاج بن نصیر کے احادیث کی تخریج ابو نعیم نے اپنے مستخرج میں بھی کی ہے جیسا کہ فتح الباری میں" تو کیا ابو نعیم کے مستخرج کا ہر راوی ثقہ ہے؟ یا وہ اپنے ہر مستخرج

Scanned by CamScanner

> میں اس اصل کی پیروی کرتا ہے؟ اور جب ایسا نہیں ہے تو پھر اس پر اعتماد کا کیا فائدہ ہے۔

اعتراض کا جواب:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

اسکا جواب بھی بالکل وہی ہے جو کہ ماقبل ترمذی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری نے حجاج بن نصیر کی توثیق کیلئے ابو نعیم کا حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ صرف اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حجاج بن نصیر سے ابو نعیم نے بھی تخریج کی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حجاج بن نصیر کی ابو نعیم کی تخریج کی وجہ سے توثیق ہو گئی یہ بات ارشاد الحق اثری صاحب جیسے صاحب الاوہام ہی کر سکتا ہے نہ کہ اہل علم۔ اور انور شاہ کشمیری ارشاد الحق اثری کی طرح صاحب الاوہام نہیں بلکہ وہ تو بحر ذخار تھے۔ پس انور شاہ کشمیری کا ابو نعیم کا حوالہ دینے کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ حجاج بن نصیر ایسا گرا پڑا راوی بھی نہیں ہے کہ اسکو بالکل ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔

پانچواں اعتراض:

قولہ:

> انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ: "امام احمد نے اپنی مسند میں حجاج بن نصیر کی روایت کی تخریج کی ہے، لیکن امام احمد نے خود اپنی مسند میں اپنے اس قول سے: "اور اس سے کسی اور نے سماع نہیں کیا ہے" اسکا حال بیان کیا ہے، اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جب احمد بن حسن نے امام احمد بن حنبل کے سامنے حجاج کی روایت بیان کی تو انہوں اس پر

Scanned by CamScanner

> انکار کیا۔ اور رہی بات مسند احمد بن حنبل کی تو انہوں نے اس میں بعض متروک اور جھوٹے راویوں کی تخریج کی ہے مثال کے طور پر عمر بن ہارون .... الخ۔ تو اسی وجہ سے حجاج بن نصیر کا مسند کے رواۃ میں ہونا اس کی توثیق کو متضمن نہیں ہے۔ پس ماقبل کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حجاج بن نصیر ضعیف راوی ہے، قابل احتجاج نہیں ہے، اور اکثر محدثین نے اسکی تضعیف کی ہے .... افسوس کہ جو کوشش اس راوی کی توثیق اور اسکی شان کے بلند کرنے میں کشمیری نے کی ہے یہ اصول کی مخالفت پر مبنی ہے۔

اقول

میں کہتا ہوں کہ:

انور شاہ کشمیریؒ کا یہ فرمانا کہ حجاج بن نصیر کی حدیث کی تخریج مسند احمد میں بھی کی گئی ہے اسکا بھی وہی جواب ہے کہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہ بات حجاج کی توثیق کیلئے نہیں فرمائی ہے بلکہ صرف اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ حجاج مسند احمد کا بھی راوی ہے اس بات سے حجاج کی توثیق صرف آپ جیسا ہی سمجھ سکتا ہے نہ کہ انور شاہ کشمیریؒ اور رہی بات امام احمد بن حنبلؒ کے اس قول کی کہ "اس سے کسی اور نے سماع نہیں کیا ہے" تو یہ حجاج کے مطلقاً ضعف پر دلیل نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں اسکی وضاحت ہو چکی ہے اور رہی یہ بات کہ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے جب احمد بن حسن نے حجاج کی روایت بیان کی تو انہوں اس پر انکار فرمایا۔ تو اسکی وضاحت بھی پہلے ہو چکی ہے کہ یہ انکار صرف حجاج کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس روایت میں مبارک بن عباد اور سعید مقبری دو راوی بھی ضعیف تھے انکار کی وجہ ضعفاء کے جمع کی وجہ سے تھی نہ کہ فقط حجاج کی وجہ سے۔

Scanned by CamScanner

قول. ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

پس ماقبل کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حجاج بن نصیر ضعیف راوی ہے قابل احتجاج نہیں ہے اور اکثر محدثین نے انکی تضعیف کی ہے۔

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

حجاج بن نصیر کا درجہ حسان رواۃ کا ہے جیسا کہ ماقبل محدثین کی توثیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ حجاج مختلف فیہ راوی ہے اور مختلف فیہ راوی کا درجہ ہمارے احناف اور دیگر محدثین کے نزدیک کم از کم حسن کا ہوتا ہے اگرچہ حسن لغیرہ ہی کیوں نہ ہو۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے جب مسلم بن خالد زنجی اور یحیی بن نصر بن حاجب کے حدیث کی تحسین فرمادی ہے تو پھر حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر تو ان مذکورہ راویوں سے بہت بہتر ہیں پھر انکی حدیث کی تحسین کیونکر ممکن نہیں بلکہ حجاج بن نصیر حسن راوی ہے لہذا ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ حجاج بن نصیر ضعیف راوی ہے قابل احتجاج نہیں درست نہیں ہے۔ مختلف فیہ حدیث اور مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے

(مقدمۃ الترغیب والترھیب، ج: ۱، ص: ۳، نصب الرایۃ، ج: ۱، ص: ۶۲، تدریب الراوی، ص: ۱۹۱، مرقاۃ الصعود، حاشیہ ابوداود ج: ۲، ص: ۲۵۳)

حدیث میں عباد بن کثیر رملی یا بصری

اس نام کے دو راوی ہیں، ایک عباد بن کثیر بصری، اور دوسرا عباد بن کثیر رملی ہیں اور حجاج بن نصیر سے روایت کرنے والا راوی عباد بن کثیر رملی ہے نہ کہ بصری انکی تفصیل مندرجہ ذیل میں ملاحظہ

Scanned by CamScanner

ہو۔

علامہ یوسف بنوری رقمطراز ہیں:

"وأما عباد بن كثير فهو اثنان: رملي وبصري، وحديث الرملي أصلح من حديث البصري، ووثقه بعضهم، وهو ابن معين كما في "التهذيب"...... قال الشيخ: وكنت أظن أن الراوي هنا الأول لقرائن قامت عندي، وقال في "تكملة": الظاهر أنه عباد بن كثير الرملي لا البصري لتأخر وفاة الرملي، وتقدم وفاة البصري على وفاة الفسطاطي بنحو ستين سنة قبل وفاته، ووفاة الرملي نحو أربعين سنة. اهـ: قال ثم رأيت التصريح في كتاب "كشف الأحوال في نقد الرجال" (ص-٥٧) حكاه عن "اللآلي المصنوعة" للسيوطي. بأن عباد بن كثير الذي يروي عنه حجاج بن نصير الفسطاطي هو الرملي. (معارف السنن، ج: ۳، ص: ۷۸)

اور رہی بات عباد بن کثیر کی تو (اس نام کے) دو راوی ہیں: "ایک رملی ہے، اور دوسرا بصری ہے، اور رملی کی احادیث بصری کی احادیث سے زیادہ اچھی ہیں، اور بعض (محدثین نے) انکی توثیق کی ہے، وہ ابن معین ہیں جیسا کہ تہذیب میں ہے...... اور شیخ (انور شاہ کشمیری) نے کہا ہے کہ: "مجھے یہ یقین تھا کہ یہاں پر راوی پہلا (عباد رملی) ہے ان قرائن کی وجہ سے جو میرے پاس قائم ہو چکے ہیں اور انھوں نے اپنی

"تعلیقات" میں فرمایا ہے کہ: "ظاہر تو یہی ہے کہ وہ عباد بن کثیر رملی ہے نہ کہ بصری، کیونکہ رملی کی وفات متاخر ہے اور بصری کی وفات حجاج القسملی کے وفات سے ۶۰ سال مقدم ہے، اور عباد بن کثیر بصری اور رملی کے وفات کے درمیان تقریبا چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ اھ
فرمایا کہ پھر میں نے اس بات کی تصریح "کشف الاحوال فی نقد الرجال" نامی کتاب میں دیکھی جو "اللآلی المصنوعہ" جو کہ سیوطی کی کتاب ہے" کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ: حجاج بن نصیر القسملی جس عباد بن کثیر سے روایت کرتا ہے وہ رملی ہے۔

فائدہ:

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عباد بن کثیر جن سے حجاج بن نصیر روایت کرتا ہے وہ رملی ہے تو آئندہ ہمارا کلام عباد بن کثیر رملی پر ہوگا اور ان کی توثیق کرنے والے محدثین کا ذکر ہوگا۔

"عباد بن کثیر پر محدثین کا کلام"

پہلا کلام:

علامہ مزی عباد بن کثیر رملی کے متعلق رقمطراز ہیں:

قال أبو بكر بن خيثمة عن يحيى بن معين عباد بن كثير الرملي الخواص ثقة، وقال عثمان بن سعيد الدارمي سألت يحيى بن معين عن عباد بن كثير الرملي فقال ثقة، وقال عبد الله بن أحمد الدورقي عن يحيى بن معين عباد بن كثير بن قيس الرملي ليس به بأس، وقال أبو بكر بن أبي خيثمة عن

Scanned by CamScanner

زیاد بن الربیع حدثنا عباد بن کثیر الشامی وکان ثقة الخ (تهذيب الكمال، ج: ۱۴، ص: ۱۵۱، تهذيب التهذيب، ج: ۵، ص: ۸۹، الكامل، ج: ۴، ص: ۳۳۷). قلت وضعفه بعض كابي زرعة و النسائي و ابو حاتم و علي بن الحسن بن الجنيد الرازي. واحمد بن حنبل.

ابو بکر بن خیثمہ نے یحییٰ بن معین سے عباد بن کثیر رملی الخواص کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ ہے، اور عثمان بن سعید الدارمی نے فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے عباد بن کثیر رملی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ ثقہ ہے، اور عبداللہ بن احمد الدورقی نے یحییٰ بن معین سے عباد بن کثیر رملی کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ لا باس بہ ہے، اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے زیاد بن ربیع سے روایت کیا انھوں نے فرمایا کہ ہمارے سامنے عباد بن کثیر شامی نے بیان کیا اور وہ ثقہ تھے۔

دوسرا کلام:

علامہ ابن عدیؒ عباد بن کثیر رملی کے متعلق فرماتے ہیں:

"وهو خير من عباد البصري". (الكامل في الضعفاء لابن عدي، ج: ۴، ص: ۳۳۷.

وہ (عباد بن کثیر رملی) عباد بن کثیر بصری سے بہت اچھا ہے۔

"خلاصہ بحث"

ان تمام تر مباحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دونوں حدیثوں میں ان الفاظ "ولا رکعتی الفجر" اور "الا رکعتی

Scanned by CamScanner

الفجر" کی زیادتی راویوں کی طرف سے درج ہوئی ہے جیسا کہ راویوں کے تقابلی جائزے سے یہ بات طشت از بام ہو گئی کہ جب اس حدیث میں عباد بن کثیر رملی ہی ہے تو پھر اسکی حدیثیں عباد بن کثیر بصری سے بہت اچھی ہیں اور بعض محدثین نے اسکی توثیق بھی کی ہے تو پھر عباد بن کثیر مسلم بن خالد سے کم نہیں ہے اور جب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ دونوں حدیثوں میں زیادتی رواۃ کی طرف سے درج شدہ ہے تو پھر یہ ان رواۃ کا اجتہاد ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ایک راوی نے "ولا رکعتی الفجر" سمجھا اور دوسرے نے "الا رکعتی الفجر" سمجھا پھر جب دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حجاج بن نصیر یحییٰ بن نصر بن حاجب سے بہت اچھا ہے تو اس لحاظ سے حجاج بن نصیر کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم

اسکے علاوہ یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں حدیثوں کے زائد جملے یعنی "الا رکعتی الفجر" اور "ولا رکعتی الفجر" مختلف واقعات پر محمول ہوں کہ ایک شخص کو حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ نماز کھڑی ہونے کے بعد صفوں کیساتھ متصل ہی سنتیں پڑھ رہا ہو تو فرمایا "ولا رکعتی الفجر" یعنی یوں نماز نہ پڑھو اور کسی دوسرے موقع پر کسی کو دیکھا کہ وہ مسجد کے آخر میں یا باہر سنتیں پڑھ رہا ہے تو فرمایا ہو کہ "الا رکعتی الفجر" یعنی اس صورت میں ادا کر سکتے ہو۔

Scanned by CamScanner

"باب سوم"

"نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں

سنت فجر

پڑھنے کا جواز فقہاء احناف کی نظر میں"

(۱) علامہ ابن نجیم بحر الرائق میں رقمطراز ہیں:

"وفي الخلاصة: والسنة في ركعتي الفجر ثلاث: أحدها أن يقرأ في الركعة الأولى "قل يايها الكافرون" وفي الثانية "الاخلاص". والثانية أن يأتي بهما أول الوقت. والثالثة أن يأتي بهما في بيته وإلا فعلى باب المسجد وإلا ففي المسجد الشتوي إن كان الإمام في الصيفي أو عكسه إن كان يرجو إدراكه وإن كان المسجد واحدا يأتي بهما في ناحية من المسجد ولا يصليهما مخالطا للصف مخالفا للجماعة الخ. (البحر الرائق، ج: ۲، ص: ۸۵ رشيديه.

اور خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ سنت فجر کی ادائیگی میں تین کام کرنا سنت ہیں: ایک یہ کہ پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص۔ دوسری یہ کہ سنتیں پہلے وقت میں پڑھیں۔ تیسری یہ کہ سنتیں گھر میں پڑھے اور یا مسجد کے دروازے کے پاس پڑھے یا اگر وہاں جگہ نہ ہو تو مسجد شتوی میں پڑھے اگر امام مسجد صیفی میں ہو اور یا اسکے برعکس کرے اور یہ اس وقت ہے کہ وہ سنتیں

Scanned by CamScanner

پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو سکے، اور اگر مسجد کا
ایک ہی حصہ ہو تو مسجد کے کسی کونے میں سنتیں پڑھ لیں اور صف
کیساتھ مل کر فرض نماز کی جماعت کی مخالفت کرتے ہوئے سنتیں نہیں
پڑھیگا۔

فائدہ:

اس عبارت میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں: ایک تو یہ کہ مسجد شتوی اور صیفی سے کیا مراد ہے؟ دوسرا یہ کہ "صفوں کے متصل وجماعت کے مخالف سنت فجر نہ پڑھنے" کا کیا مطلب ہے؟۔
مسجد شتوی وصیفی سے مراد یہ ہے کہ بعض مساجد میں گرمی اور سردی میں نماز پڑھنے کی الگ الگ جگہ مقرر ہوتی ہیں سردیوں میں جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے اسکو عربی میں "مسجد شتوی" کہتے ہیں، اور گرمی میں جس جگہ نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے اسکو "مسجد صیفی" کہتے ہیں، جب "شتوی" اور "صیفی" کو سمجھ چکے تو اب بات کا سمجھنا آسان ہو جائیگا، اس عبارت سے علامہ ابن نجیم کا مطلب یہ ہے کہ امام جہاں پر جماعت کی نماز پڑھا رہا ہوں وہ جگہ اگر "مسجد شتوی ہو" تو پھر سنت فجر کو "مسجد صیفی میں ادا کرنا چاہئے، اور اسی طرح اسکے برعکس۔
اب رہی دوسری بات صفوں کے متصل پڑھنے کی ممانعت کی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر نماز باجماعت ہو رہی ہے اسکے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر سنت فجر نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ سخت مکروہ ہے اس وجہ سے کہ اس سے فرض وسنت نماز میں التباس پیدا ہوتا ہے اور جس سے جماعت کی نماز کی مخالفت لازم آتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

(۲) علامہ حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں:

"وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها

Scanned by CamScanner

ترکھا) لکون الجماعة اکمل' (والا) بان رجا ادراک رکعة فی ظاھر المذھب. وقیل: التشھد واعتمدہ المصنف والشرنبلالی تبعا للبحر لکن ضعفہ فی "النھر" (لا یترکھا) بل یصلیھا عند باب المسجد ان وجد مکانا والا ترکھا، لان ترک المکروہ مقدم' علی فعل السنة. (الدر المختار مع رد المحتار، ج: ۲ص: ۲۱۸)

سنت فجر میں مشغول ہونے سے جب نماز فجر کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنت فجر کو نہ پڑھے کیونکہ جماعت کیساتھ شامل ہونا زیادہ بہتر ہے اور ظاہر مذہب کے مطابق اگر ایک رکعت پانے کی بھی امید ہو (اور محققین کے نزدیک) اگر تشہد پانے کی امید ہو تو سنت فجر کو پڑھے اسی قول پر مصنف (علامہ تمر تاشی) اور علامہ شرنبلالی نے صاحب بحر کی اتباع میں اعتماد کیا ہے لیکن "نہر فائق" میں اس قول کو ضعیف کہا گیا ہے، پھر جب ایک رکعت کے پانے کی امید قوی ہو تو سنت فجر کو نہ چھوڑے بلکہ مسجد کے دروازہ کے پاس اگر پڑھنے کی جگہ ہو پڑھ لے ورنہ چھوڑ دے کیونکہ مکروہ کا چھوڑنا فعل سنت سے مقدم ہے۔

(۳)...... ملتقی الابحر مع مجمع الانہر میں ہے:

"ومن خاف فوت الفجر بجماعة ان ادی سنة یترکھا) ای السنة (ویقتدی) لان ثواب الجماعة اعظم من ثواب السنة ...... (وان رجا ادراک رکعة) من الفرض مع

Scanned by CamScanner

لامام عند باب المسجد) وان لم يمكنه صلاها في الشتوي اذا كان الامام في الصيفي وبالعكس في العكس وكره خلف الصف بلا حائل واشد ما كرهه ان يصلي في الصف مخالطا للجماعة (ويقتدي) بعد ذلك بالامام. (مجمع الانهر كتاب الصلاة باب ادراك الفريضة ج: ۱ ص: ۳۲۸)

جس شخص کو سنت فجر پڑھتے ہوئے جماعت کیساتھ نماز فجر کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ سنتیں چھوڑ دے اور امام کی اقتداء کرے کیونکہ جماعت کی نماز کا ثواب سنت کے ثواب سے زیادہ ہے..... اور اگر امام کیساتھ فرض نماز کی ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو پھر مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھ لے اور اگر وہاں پڑھنا ممکن نہ ہو تو مسجد شتوی میں پڑھے جبکہ امام مسجد صیفی میں نماز پڑھا رہا ہو اور اسکے عکس میں عکس کیساتھ اور صف کے پیچھے بغیر حائل کے سنتیں پڑھنا مکروہ ہے اور سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے کہ صف میں شامل ہو کر جماعت کی مخالفت میں سنتیں پڑھے پھر اسکے بعد امام کی اقتداء کرے۔

(۳)..... علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

"والحاصل: أن السنة في سنة الفجر أن يأتي بها في بيته، والا فإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه والا صلاها في الشتوي أو الصيفي إن كان للمسجد موضعان، والا فخلف الصفوف عند سارية، لكن فيما اذا كان

Scanned by CamScanner

للمسجد موضعان والامام في احدهما ذكر في المحيط انه قيل لا يكره لعدم مخالفة القوم، وقيل يكره، لانهما كمكان واحد. قال فاذا اختلف المشايخ فيه فالافضل أنْ لا يفعل. قال في "النهر": وفيه افادة انها تنزيهية" اه. لكن في الحلية قلت: وعدم الكراهة اوجه للآثار التي ذكرناها. (رد المحتار ج:۲ ص:۶۱۸)

اور حاصل یہ ہے کہ سنت فجر پڑھنے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ سنتیں گھر میں پڑھے ورنہ اگر مسجد کے دروازے کے پاس جگہ ہو تو وہاں پڑھ لے اگر وہاں جگہ نہ ہو تو اگر مسجد کے دو حصے ہیں تو مسجد شتوی یا صیفی میں پڑھ لے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مسجد کے اندر صف کے پیچھے کسی ستون کی آڑ میں پڑھ لے اور یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے کہ مسجد کے دو حصے ہوں اور امام کسی ایک حصہ میں ہو، "محیط" میں ہے کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں سنتیں پڑھنا مکروہ نہیں ہے نمازیوں کیساتھ عدم مخالفت کی وجہ سے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک ہی مکان ہے فرمایا کہ جب مشائخ کا اس میں اختلاف ہے تو پھر اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے۔ "نہر" نامی کتاب میں فرمایا ہے کہ اس قول میں یہ فائدہ بھی سامنے آیا کہ کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے ۔لیکن "حلیہ" نامی کتاب میں ہے میں کہتا ہوں کہ عدم کراہت ہی زیادہ بہتر ہے ان آثار کی بناء پر کہ جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(۵) ......علامہ سرخسی المبسوط میں فرماتے ہیں:

"قال: وإذا أخذ المؤذن في الإقامة كرهت للرجل أن يتطوع لقوله صلى الله عليه وسلم "إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة" إلا ركعتي الفجر فإني لم أكرههما وكذلك إذا انتهى إلى المسجد وقد افتتح القوم صلاة الفجر يأتي بركعتي الفجر إن رجا أن يدرك مع الإمام ركعة في الجماعة ... وإن خاف فوت الجماعة دخل مع القوم، لأن أداء الصلاة بالجماعة من سنن الهدى. (المبسوط كتاب الصلاة، الفصل الثاني القنوت في الوتر ج: ۱ ص: ۲۸۷)

فرمایا کہ (جب مؤذن اقامت شروع کردیں تو میں رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہے" میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص سنن و نوافل میں مشغول ہو جائے سوائے سنت فجر کے کہ میں انہیں پڑھنا مکروہ نہیں جانتا اور اسی طرح جب کوئی شخص ایسے وقت مسجد پہنچے کہ لوگ امام کیساتھ فرض نماز میں مشغول ہو چکے ہوں وہ سنت فجر پڑھے گا جبکہ اسے امام کے ساتھ ایک رکعت پانے کی قوی امید ہو ... اور اگر اسے جماعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پھر فرض نماز میں لوگوں کیساتھ شامل ہو جائے کیونکہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنا سنن ہدیٰ میں سے ہے۔

(۶) عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

Scanned by CamScanner

"وإنما قيد يصلي عند باب المسجد لأنه لو صلاهما في المسجد كان متنفلا فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة وهو مكروه، فإن لم يكن عند باب المسجد موضع للصلاة يصليهما في المسجد خلف سارية من سواري المسجد وأشدها كراهة أن يصليهما مخالطا للصف ومخالفا للإمام والجماعة ...... البناية شرح الهداية، باب ادراک الفريضة، ج: ۱، ص: ۲۵۰)

(کوئی شخص اگر ایسے وقت مسجد پہنچا کہ لوگ نماز فجر میں مشغول ہو چکے ہوں تو ایسی صورت میں مسجد آنے والا شخص) مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھے گا کیونکہ ایسی حالت میں اگر وہ مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھے گا تو یہ فرض نماز کے وقت سنتوں میں مشغول ہوگا اور یہ مکروہ ہے، اگر مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو پھر وہ مسجد میں کسی ستون کی آڑ میں سنتیں پڑھے گا، اور سب سے زیادہ کراہت ایسی صورت میں ہے کہ سنتیں فرض نماز کی صفوں میں مل کر پڑھی جائیں اور امام اور جماعت کی مخالفت میں پڑھی جائیں۔

Scanned by CamScanner

باب چہارم

نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں

سنت فجر پڑھنے کا حکم

فقہاء عصر کے فتاویٰ کی روشنی میں

پہلا فتویٰ:

"فقیہ العصر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ"

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جب تکبیر نماز فرض فجر کی ہوگئی اور امام نے فرض نماز شروع کردی تو سنت فجر کی صف کے پاس پڑھنا تو سب کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے مگر صف سے دور جہاں پردہ ہو امام و جماعت سے دوسرے مکان میں اگر ایک رکعت نماز کی امام کے ساتھ مل سکے تو سنت پڑھ کر پھر شریک جماعت کا ہو جاوے ورنہ سنت کو ترک کردے۔ جماعت میں شریک ہو جاوے اور پھر سنت کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لیوے بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور قبل طلوع آفتاب کے بعد فرض کے سنت کا پڑھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے۔ الخ۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ کتاب الصلوٰۃ ،ص:۲۵۸)

دوسرا فتویٰ:

"مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دھلویؒ"

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد علیحدہ مقام میں جا کر پڑھی جائیں اور علیحدہ کوئی جگہ

Scanned by CamScanner

نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جانا چاہئے اور جماعت کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے نہیں پڑھنا چاہئے آفتاب نکلنے کے بعد پڑھ لی جائیں تو بہتر ہے۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد کسی علیحدہ جگہ میں سنتیں ادا کرنے کا اتنا موقع مل جائے کہ سنت ادا کر کے فرض ایک رکعت مل سکے گی تو سنتیں ادا کر کے جماعت میں شریک ہو اور اگر کوئی علیحدہ جگہ میسر نہ ہو یا ایک رکعت فرض ملنے کی امید نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جائے اور جماعت کے بعد سورج نکلنے سے پہلے نہ پڑھے سورج نکلنے کے بعد چاہے تو پڑھ لے۔

(کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، ج:۳، ص:۳۱۰/۳۱۱)

تیسرا فتوی:

"حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ"

آپ سے کسی نے نماز فجر کے اقامت کے وقت سنتیں پڑھنے کے متعلق پوچھا تو جواب میں فرمایا کہ: ایسی حالت میں اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو امام جس درجہ میں ہو تو یہ شخص دوسرے درجہ میں ادا کرے اور اگر ایسا موقع بھی نہ ہو تو کسی علیحدہ جگہ میں جس قدر دوری صف سے ممکن ہو وہاں پڑھ لے...... الخ

ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

ہم حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر فرض ملنے کی توقع ہو تو سنتیں نہ چھوڑے ...... الخ

(امداد الفتاوی، کتاب الصلوۃ، باب النوافل، ج:۱، ص:۲۶۵)

چوتھا فتوی:

Scanned by CamScanner

''مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ''

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

یہ صحیح ہے کہ اگر فرض باجماعت فجر کی ایک رکعت بلکہ عند البعض تشہد بھی مل سکے تو علیحدہ ہو کر سنتیں ادا کر کے پھر شامل جماعت ہو جاوے وکذا فی الدر المختار والشامی اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں کہ فجر کے فرضوں کی جماعت شروع ہونے کے بعد مطلقاً سنتیں صبح کی پڑھنی حرام ہیں وہ حنفی نہیں ہیں اور ان کو مذہب حنفی کی خبر نہیں ہے۔ حنفیہ کا یہی مذہب ہے کہ سنتیں پڑھ کر شامل جماعت ہو مگر حتی الوسع جماعت سے علیحدہ ہو کر پڑھے والتفصیل فی کتب الفقہ۔

ایک سوال میں آپ سے پوچھا گیا کہ صبح کی نماز میں امام کی قراۃ کی آواز سنائی دے رہی ہو تو سنتیں کیونکر پڑھی جائیں تو جواب میں فرمایا کہ:

آواز آنے نہ آنے کی قید نہیں ہے صرف مکان علیحدہ ہونا چاہیے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، ج:۴، ص:۱۵۵/۱۵۶)

پانچواں فتوی:

''محدث کبیر فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ''

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فقہاء کرام نے مسجد میں سنت فجر کو (جماعت کے قیام کے دوران) مکروہ لکھا ہے مگر یہ نہیں لکھا ہے کہ سنت نہ پڑھے بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب حائل وغیرہ ہو تو پڑھے معلوم ہوا یہ احوط للطرفین ہے اور بہ نسبت ترک (اور خلط) کے افضل ہے۔

چھٹا فتوی:

"فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ"

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فقہ حنفی کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر جماعت کی دوسری رکعت (بلکہ تشہد بھی) مل جانے کی توقع ہو تو کسی الگ جگہ پر فجر کی سنتیں پہلے ادا کرے جب جماعت میں شریک ہو، ورنہ جماعت میں شریک ہو جائے اور سنتیں سورج نکلنے کے بعد اشراق کے وقت پڑھے فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل نماز ممنوع ہے البتہ قضا نمازیں، سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۳، ص:۴۷۵، قدیم)

ساتواں فتویٰ:

"شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی"

حضرت سنت فجر عند الاقامت کے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فجر کی سنتوں کے بارے میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ گھر میں ادا کرکے مسجد جائیں۔ اور اگر گھر میں پڑھے بغیر مسجد پہنچ جائیں تو جب تک جماعت کی رکعت، بلکہ تشہد مل سکتا ہو، فجر کی سنتیں دور ہٹ کر کسی مقام پر پڑھ لینا جائز ہے خواہ جماعت شروع ہو چکی ہو، لیکن اگر کوئی شخص جماعت میں شریک ہو گیا تو پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق تنہا سنتوں کی قضا نہیں ہے ... الخ (فتاویٰ عثمانی، ج:۱، ص:۳۳۱)

Scanned by CamScanner

"باب پنجم"

نماز فجر کے بعد فجر کی سنتیں و دیگر نوافل پڑھنے کی ممانعت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

پہلی حدیث:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن الصلاۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس وعن الصلاۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس.. اخرجہ مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا، ج: ۲، ص: ۹۰ برقم الحدیث: [۱۸۷۰]. اخرجہ البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ باب الصلاۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ج: ۱، ص: ۲۱۱.

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور اسی طرح نماز فجر کے بعد بھی طلوع شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

دوسری حدیث:

Scanned by CamScanner

"وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: "سمعت غير واحد من أصحاب رسول الله ﷺ منهم عمر بن الخطاب رضي الله عنه وكان أحبهم إلي أن رسول الله ﷺ نهى عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس. أخرجه مسلم: كتاب صلاة المسافرين باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، ج: ٦، ص: ٩٠ رقم الحديث: ١٨٧١ والبخاري، كتاب مواقيت الصلاة باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، ج: ١، ص: ٢١٢.

ترجمہ:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کئی صحابہ سے سنا ہے جن میں عمر بن خطاب بھی شامل ہیں جو کہ ان سب میں مجھ کو زیادہ محبوب ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک، اور نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

تشریح:

امام اعظم امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ طلوع فجر کے بعد طلوع شمس تک اور نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نوافل وغیرہ پڑھنا منع ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے، اور یہی قول حسن بصریؒ سعید بن المسیبؒ علاء بن زیاد حمید بن عبد الرحمنؒ سے بھی منقول ہے اور امام نخعیؒ

Scanned by CamScanner

نے فرمایا کہ وہ ان اوقات میں نوافل پڑھنے کو مکروہ جانتے تھے اور یہی مذہب صحابہ کی ایک جماعت کا بھی ہے ابن بطالؒ نے فرمایا ہے کہ ان اوقات میں نوافل پڑھنے کی ممانعت میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمرؓ نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے والوں کو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں مارا کرتے تھے اور ان پر کسی صحابی نے نکیر نہیں فرمائی یعنی ان کو منع نہیں کیا پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز عصر کے بعد رسول ﷺ سے جو نوافل پڑھنا ثابت ہے وہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں طلوع فجر کے بعد صرف اور صرف سنت فجر پڑھنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ اور کسی قسم کے نوافل میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

تیسری حدیث:

"وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لا صلاة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس ولا بعد صلاة الفجر حتى تطلع الشمس". أخرجه مسلم: كتاب صلاة المسافرين باب الاوقات التي نهى عن الصلاة فيها، ج: ۹، ص: ۹۰۱، رقم الحديث: [۱۸۷۲]. أخرجه البخاري، كتاب مواقيت الصلاة باب لا يتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، ج: ۱، ص: ۲۱۲، رقم: [۵۶۱]

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "عصر کی نماز کے بعد غروب شمس تک ، اور فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہ پڑھے۔

تشریح:

اس حدیث کے معنی میں محدثین کا اختلاف ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں "لا صلوٰۃ" میں کلمہ لانفی جنس کیلئے ہے جسکا معنی یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے نہ فرض نہ نفل اور نہ ہی سنت ۔ اور بعض دوسرے محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث میں نفی نہی کے معنی میں ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد نماز نہ پڑھو پھر اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نہی تحریم کیلئے ہے کہ نماز فجر کے بعد نماز پڑھنا حرام ہے یا یہ نہی کراہت کیلئے ہے کہ نماز فجر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ نہی یعنی منع کراہت کیلئے ہے اور ہمارے اصحاب یعنی احناف کا مذہب یہ ہے کہ حدیث میں نفی نہی کے معنی میں ہے اور نماز فجر اور عصر کے بعد ہمارے نزدیک قضاء نمازیں ، سجدہ تلاوت ، نماز جنازہ وغیرہ پڑھ سکتے ہیں نوافل اور سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ یوسف بنوریؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

> حدیث "لا صلاۃ بعد الصبح ..... الخ" علامہ طحاویؒ اور ابن بطالؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے ، اور متاخرین میں سے علامہ مناویؒ نے جیسا کہ "فتح الملہم" میں اس کے تواتر کا دعویٰ کیا گیا ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ (ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت میں رسول اللہ سے متواتر احادیث پہنچی ہیں ۔ (معارف السنن ، ج:۲ ، ص:۱۲۴)

Scanned by CamScanner

چوتھی حدیث:

"وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس. (اخرجہ الترمذی ،ابواب الصلاۃ،باب ماجاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس ج:۲،ص:۲۸۷)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے سنت فجر (نماز فجر سے پہلے) نہ پڑھی ہو تو طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے۔

تشریح:

اس حدیث میں اس بات کی دلالت موجود ہے کہ آپ ﷺ سے اگر دو رکعتیں سنت کی رہ جاتیں تو اسے طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لیتے تھے، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا مکروہ ہے تو اگر فجر کی نماز سے لیکر طلوع آفتاب تک ان دو رکعتوں کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ مؤخر کر کے پڑھنے کا حکم نہ فرماتے ۔(اعلاء السنن ،ج:۷،ص:۱۱۴)

پانچویں حدیث:

وعن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ انہ صلی رکعتی الفجر بعد ما اضحی .(اخرجہ ابن ابی شیبۃ : کتاب الصلاۃ باب فی رکعتی الفجر اذا فاتتہ ،ج:۲،ص:۵۹)

Scanned by CamScanner

ترجمہ:

حضرت نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ سنت فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھتے تھے۔

چھٹی حدیث:

"وعن عمرو بن عبسة رضي الله عنه قال: قلت: يا نبي الله، أخبرني عن الصلاة، فقال: "صلّ صلاة الصبح، ثم أقصر عن الصلاة حتى تطلع الشمس وترتفع، فإنها تطلع بين قرني شيطان، وحينئذ يسجد لها الكفار. ثم صلّ فإن الصلاة مشهودة محضورة حتى يستقل الظل بالرمح، ثم أقصر عن الصلاة فإن حينئذ تسجر جهنم، فإذا أقبل الفيء فصلّ فإن الصلاة مشهودة محضورة حتى تصلي العصر، ثم أقصر عن الصلاة حتى تغرب فإنها، تغرب بين قرني شيطان وحينئذ يسجد لها الكفار". (رواه أحمد ومسلم وآخرون. آثار السنن: ص: ١٧١). أخرجه مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها باب الاوقات التي نهي عن الصلاة فيها. ج: ١، ص: ٥٦٧، دار احياء التراث)

ترجمہ:

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا "یا نبی اللہ" اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے نماز کے (وقت) کے بارے میں

Scanned by CamScanner

بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "صبح کی نماز پڑھ کر پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر خوب بلند و روشن ہو جائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں پھر (سورج کے خوب روشن ہونے) کے بعد نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کے نماز میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور نماز (مقبولیت اور رحمت کے حصول کے زیادہ قریب ہوتی ہے) یہاں تک کہ سایہ نیزہ کے برابر گھٹ جائے (یعنی مشرق ومغرب کی طرف مائل نہ رہے)، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت جہنم خوب دھکائی جاتی ہے، پس جب سایہ مشرق کی طرف نمودار ہو جائے تو پھر نماز پڑھو کیونکہ اس وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں"

تشریح:

اس حدیث شریف میں اوقات مکروہہ میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان اوقات میں شیطان کی عبادت کی جاتی ہے تو اسکی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔ اسکا مطلب بیان کرنے کیلئے امام نووی نے کئی توجیہات پیش کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

شیطان کے سینگوں سے مراد شیطان کا لشکر اور اسکے اتباع کرنے والے ہیں۔ اس سے مراد

Scanned by CamScanner

شیطان کی قوت مغلب اور اسکا فساد و انتشار ہے۔ سینگوں سے مراد شیطان کے سر کے دونوں کونے ہیں اور یہ اپنے ظاہر پر اور قوی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیطان ان اوقات میں اپنا سر سورج کے قریب کر دیتا ہے تا کہ سورج کو سجدہ کرنے والے کفار گویا کہ اسکو سجدہ کر رہے ہیں اور اس وقت شیطان اور اسکی اولاد کا تسلط ظاہر ہوتا ہے تا کہ یہ نمازیوں کے نماز میں التباس ڈالدے تو اسی وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنے کو اس التباس سے بچنے کے لئے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ان جگہوں پر نماز پڑھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے جو جگہ شیاطین کے ٹھکانے ہوتے ہیں۔ (شرح مسلم نووی، ج:۶، ص:۱۲۳)

"خلاصہ باب"

علامہ عینی فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ نے ان احادیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ نماز فجر کے بعد نوافل (جسمیں سنت فجر بھی داخل ہے) پڑھنا مکروہ (تحریمی) ہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، اور اسی طرح عصر کی نماز کے بعد بھی (نوافل پڑھنا مکروہ ہے) یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، اور یہی قول حسن بصریؒ، سعید بن مسیبؒ، علاء بن زیادؒ، حمید بن عبد الرحمنؒ سے منقول ہے اور امام نخعیؒ نے فرمایا کہ وہ (ان اوقات میں نوافل پڑھنے کو) مکروہ سمجھتے تھے، اور اسی طرح صحابہ کی جماعت سے بھی منقول ہے، ابن بطال نے فرمایا ہے کہ ان اوقات (نماز فجر اور عصر کے بعد) نوافل پڑھنے کی ممانعت میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث منقول ہیں، اور عمرؓ تو اس شخص کو صحابہ کرام کی موجودگی میں مارتے تھے جو شخص نماز عصر کے بعد نوافل پڑھتا اور کسی نے بھی آپؓ پر نکیر نہیں فرمائی پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ کا نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا آپ ﷺ کی خصوصیت تھی امت کو اسکی اجازت نہیں ہے، اور اسکو مندرجہ ذیل صحابہ کرام بھی

Scanned by CamScanner

مکروہ جانتے تھے۔

علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، سمرہ بن جندبؓ، زید بن ثابتؓ، سلمہ بن عمروؓ، کعب بن مرہؓ، ابوامامہؓ، عمر بن عبسہؓ، عائشہ صدیقہؓ، صنابحیؓ جسکا نام عبدالرحمن بن عسیلہ ہے، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ، وغیر ذالک۔

فوائد ابی شیخ میں ہے کہ حذیفہؓ نے ایک شخص کو عصر کے بعد نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے منع کیا اس شخص نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ مجھے نفل پڑھنے پر عذاب دیگا؟ حذیفہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے خلاف سنت کرنے پر عذاب دیگا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جب دو حدیثیں آپس میں ایک چیز کی حرمت واباحت میں متعارض ہوں تو ترجیح حرمت کے پہلو کو ہوگی۔ علامہ عینیؒ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"بمعرفة القاعدة أن المبيح و الحاظر اذا تعارضا جعل الحاظر متأخرا.. عمدة القاری، ج:۵، ص:۷۸، معارف السنن، ج:۲، ص:۱۲۱.

یہی بات علامہ حلبیؒ نے کبیری میں لکھی ہے وہ فرماتے ہیں:

"أن المحرم مقدم على المبيح عند التعارض" غنية المتملي شرح منية المصلي المعروف بحلبی کبیری، ص:۲۰۹.

تعارض کے وقت محرم مبیح پر مقدم ہوگا۔

پس اسی قاعدہ کی بنیاد پر علماء احناف حرمت کے پہلو کو از روئے احتیاط ترجیح دیتے ہیں اور سنت فجر پڑھنے سے ان اوقات میں منع کرتے ہیں، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فقہاء احناف کا ایک دوسرا قاعدہ ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہوتی ہے سنت فجر پڑھنے میں نفع تو ہے کہ

ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر یہی سنت اوقات مکروہہ میں پڑھیں جائیں تو پھر نقصان ہی ہے کہ کراہت تحریمی کا ارتکاب لازم آتا ہے تو اس لحاظ سے نفع کے حصول سے نقصان کا دفع کرنا اولیٰ ہوگا اور یہ بھی عوام کے نزدیک ہے کہ نفلیں پڑھنے میں ان اوقات میں ثواب سمجھتے ہیں۔ ورنہ اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے میں تو نفع ہے ہی نہیں کراہت ہی کراہت ہے سنت فجر کا ثواب تو اول وقت میں پڑھنے ہی سے ملے گا اور زوال سے پہلے فرض کیساتھ اگر قضاء ہوگئی ہو نہ کہ اوقات مکروہہ میں پڑھنے سے۔

اور بعض فقہاء کرام سے جو یہ منقول ہیں کہ عوام کو مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا جائے گا تو اس کا تعلق فرائض کیساتھ ہے کہ فرائض پڑھنے سے ان کو منع نہیں کیا جائیگا کیونکہ پھر وہ سستی کی وجہ سے نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں جو کہ بڑی معصیت ہے اور مکروہ وقت میں نماز پڑھنا چھوٹی معصیت ہے پس اہون البلیتین پر عمل کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

Scanned by CamScanner

"باب ششم"

نماز فجر کے بعد سنت فجر ودیگر نوافل پڑھنے کا حکم فقہاء احناف کی نظر میں

(۱) ... شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

"(ويكره التنفل) بعد صلاته أي فرض الصبح (ويكره التنفل) (بعد صلاة) فرض (العصر) وإن لم تتغير الشمس ... الخ وقال الطحطاوي على حاشيتها: "قوله (بعد صلاته) أي فرض الصبح ولو سنة سواء تركها بعذر أو بلاعذره.

اور مکروہ ہے نفل پڑھنا اسکے نماز کے بعد یعنی صبح کے فرض کے بعد اور اسی طرح مکروہ ہے نفل پڑھنا نماز عصر کے فرض کے بعد اگرچہ آفتاب میں تغیر نہ ہوا ہو ... اور علامہ طحطاوی نے اسکے حاشیے پر لکھا ہے کہ مصنف کا یہ قول کہ صبح کی فرض کے بعد (یعنی صبح کی فرض کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے) اگرچہ سنت فجر ہی کیوں نہ ہو برابر ہے کہ عذر کی وجہ سے چھوٹ گئی ہوں یا بغیر عذر کے۔ (حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۱۸۸)

(۲) ... علامہ شیخ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

(وفیما)ای فی الوقتان المذکوران (مابعد طلوع الفجر الی ان

ترتفع الشمس)فانہ یکرہ فی ہذا الوقت النوافل

کلہا(الا سنۃ الفجر)لما روی مسلم عن حفصۃ قالت کان

رسول اللہ ﷺ اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین

خفیفتین　الخ(وما بعد صلاۃ العصر الی غروب

الشمس)　الخ

اور وہ دیگر وہ اوقات جنکا ذکر ہو چکا ہے (کہ ان وقات میں صرف

نوافل پڑھنا ممنوع ہے)وہ طلوع فجر سے لیکر طلوع شمس تک کا وقت

ہے) کہ اس وقت تمام نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے (سوائے سنت فجر

کے) کیونکہ امام مسلم نے حضرت حفصہؓ کی روایت بیان کی ہے

انہوں نے فرمایا کہ جب صبح صادق نکل آتی تو رسول اللہ ﷺ صرف

دو ہلکی سی رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔(اور نماز عصر کے بعد غروب شمس

تک)　الخ(فتح المعین ص:۲۰۹)

(۳)　علامہ ابن نجیمؒ بحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں:

"قولہ(وعن التنفل بعد صلاۃ الفجر والعصر لا عن قضاء

فائتۃ وسجدۃ تلاوۃ وصلاۃ جنازۃ)ای منع عن التنفل فی

ہذین الوقتین قصداً لا عن غیرہ　الخ

اور ماتن کا یہ کہنا (اور منع کیا گیا ہے نماز فجر اور عصر کے بعد نوافل

پڑھنے سے نہ کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء سے اور سجدۂ تلاوت سے

اور نماز جنازہ سے)یعنی ان دو وقتوں میں صرف نوافل وغیرہ سے قصداً

Scanned by CamScanner

منع کیا گیا ہے نہ کہ دیگر نمازوں (یعنی فرائض، سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ وغیرہ) سے۔ (بحر الرائق، ج:۱، ص:۲۴۷، رشیدیہ)

(۴)۔۔۔ علامہ سرخسی المبسوط میں اوقات مکروہ پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ووقتان آخران ما بعد العصر قبل تغير الشمس وما بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس فانه لا يصلى فيهما شيء من النوافل ... ولكن يجوز اداء الفريضة في هذين الوقتين وكذلك الصلاة على الجنازة وسجدة التلاوة وانما النهي عن التطوعات خاصة ... الخ. (المبسوط للسرخسي، ج:۱، ص:۱۲۱، دار الكتب العلمية)

اور دو اور مکروہ اوقات میں سے نماز عصر کے بعد تغیر شمس سے پہلے کا وقت اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت ہے، پس ان اوقات میں نوافل میں سے کوئی بھی نماز نہیں پڑھی جائے گی ... لیکن ان دو وقتوں میں فرائض کا ادا کرنا جائز ہے اور اسی طرح نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی جائز ہے اور ممانعت نوافل (وسنتوں وغیرہ) کیساتھ خاص ہے۔

(۵)۔۔۔ علامہ میدانی اللباب فی شرح الکتاب میں فرماتے ہیں:

"ويكره ان يتنفل قصدا ولو لها سبب بعد صلاة الفجر حتى تطلع الشمس وترتفع وبعد صلاة العصر ولو لم تتغير الشمس حتى تغرب ... الخ. (اللباب في شرح الكتاب ج:۱، ص:۴۳، دار الكتاب العربي)

Scanned by CamScanner

اور مکروہ ہے قصداً نوافل پڑھنا اگرچہ اسکا کوئی سبب بھی ہو نماز فجر کے
بعد یہاں تک سورج طلوع ہو کر خوب روشن ہو جائے اور اسی طرح
نوافل پڑھنا مکروہ ہے نماز عصر کے بعد اگرچہ سورج میں زردی نہ آئی
ہو یہاں تک سورج غروب ہو جائے۔

فائدہ:

اس سے پہلے آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ فقہاء جب مطلقاً نفل کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ سنتوں کو بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ نفل کا لفظ عام ہے یعنی نفل بول کر سنت مراد لئے جا سکتے ہیں لیکن سنت بول کر نفل مراد نہیں لئے جا سکتے۔

Scanned by CamScanner

"باب ہفتم"

نماز فجر کے بعد سنت فجر و دیگر نوافل کے پڑھنے کا

حکم

فقہاء عصر کے فتاوی کی روشنی میں

پہلا فتویٰ:

"فقیہ العصر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ"

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اور قبل طلوع آفتاب کے بعد فرض کے سنت کا پڑھنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ فقط (فتاوی رشیدیہ ص: ۲۵۸)

دوسرا فتویٰ:

"مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دھلویؒ"

ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے:

فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز مکروہ ہے قضا فرض اور واجب نماز کی جائز ہے۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھا ہے:

فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز اس وقت نہ پڑھی جائے۔ آفتاب نکلنے کے بعد جب اونچا ہو جائے تو پڑھے۔ (کفایت المفتی، ج: ۳/۳، ص: ۶۵/۶۹)

Scanned by CamScanner

تیسرا فتویٰ:

"مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ"

ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

صبح صادق کے بعد کوئی نفل سوائے سنت فجر کے یا قضاء کے درست نہیں ہے اور بعد نماز فجر کے سنت صبح بھی جائز نہیں اور نہ کوئی نفل سوائے قضاء کے پڑھنا اس وقت درست ہے در مختار میں ہے وکرہ نفل الخ ولو سنۃ الفجر بعد صلوٰۃ فجر وصلوٰۃ عصر الخ ولا یکرہ قضاء فائتۃ ولو وترا الخ اور اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے الخ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج:۲، ص:۵۲)

چوتھا فتویٰ:

"فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ"

ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے:

فجر کی سنت فجر کی نماز کے بعد پڑھنا سخت مکروہ ہے (مراقی الفلاح کی عبارت پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے اگرچہ فجر کی سنت ہو اور عصر کی نماز کے بعد بھی نفل نماز مکروہ ہے اگرچہ آفتاب میں تغیر پیدا نہ ہوا ہو حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا عصر کی نماز کے بعد آفتاب غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے اور فجر کی نماز کے بعد آفتاب طلوع ہونے تک کوئی نماز نہیں بخاری و مسلم نے اس کو روایت کیا ہے الخ (فتاویٰ رحیمیہ، ج:۳، ص:۸۷/۸۸)

پانچواں فتویٰ:

Scanned by CamScanner

"فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ"

ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا درست نہیں، قضا نماز، سجدۂ تلاوت، اور نماز جنازہ جائز ہے، پس فجر کی نماز سے لے کر سورج نکلنے تک کا وقت تو مکروہ نہیں، البتہ اس وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب سورج کا کنارا طلوع ہو جائے اس وقت سے لے کر سورج کی زردی ختم ہونے تک کا وقت (تقریباً بیس منٹ) مکروہ ہے اس میں فرض، نفل، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ سب منع ہیں۔ ہاں قرآن کریم کی تلاوت، ذکر و تسبیح، درود شریف اس وقت بھی جائز ہے الخ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۲، ص:۱۳۰، قدیم)

فائدہ:

فقہاء کی اصطلاح میں جب نفل مطلقاً بولا جاتا ہے تو وہ سنتوں کو بھی شامل ہوتا ہے تو اس لحاظ سے سنت فجر وغیرہ بھی اس ممانعت میں داخل ہیں کیونکہ ان پر بھی نفل کا اطلاق ہوتا ہے۔

چھٹا فتویٰ:

"محدث کبیر فقیہ العصر حضرت مولانا محمد فریدؒ"

آپ سے نماز عصر و فجر کے بعد نوافل وغیرہ پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا کہ:

قضاء پڑھنا جائز ہے اور نفل پڑھنا منع ہے۔ (فتاویٰ فریدیہ ج:۲، ۱۶۸)

ساتواں فتویٰ:

"محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ"

ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

اس میں شک نہیں کہ وہ تمام حدیثیں جو طلوع شمس سے قبل نماز صبح کے بعد اور غروب شمس سے قبل نماز عصر کے بعد نفلوں کی ممانعت کے بارے میں آئی ہیں بالکل صحیح ہیں جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے اور اسی طرح وہ حدیث بھی جس سے نماز فجر کے بعد قبل طلوع شمس سنت فجر کا ادا کرنا ثابت ہوتا ہے قابل احتجاج ہے مگر چونکہ احناف نے یہ اصول مقرر کر لیا ہے کہ جب کسی چیز کے متعلق حلت وحرمت کی دونصیں موجود ہوں تو نص حرمت کو ترجیح دی جائیگی قول فعل وتقریر دونوں پر مقدم ہے لہذا ہمارے آئمہ نے نہی کی قولی احادیث پر جو نص حرمت ہیں عمل کر کے ممانعت کا حکم دیا عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں دو متعارض حدیثوں کو ذکر کر کے کہا ہے:

ان المبيح والحاظر اذا تعارضا جعل الحاظر متأخرا

مباح کرنے اور منع کرنے والی دو حدیثیں جب جمع ہو جائیں تو منع کرنے والی حدیث متاخر ہوگی۔

علاوہ بریں احادیث نہی بکثرت ہیں۔(مجموعہ الفتاویٰ ج:۱،ص:۲۲۶)

بعض لوگوں نے عبدالحئی لکھنوی کی یہ بات کہ:

''اسی طرح وہ حدیث بھی جس سے نماز فجر کے بعد قبل طلوع شمس سنت فجر کا ادا کرنا ثابت ہوتا ہے قابل احتجاج ہے'' کو حدیث قیس کے حجت ہونے کیلئے اپنے مسلک کو تائید کرنے اور احناف کے مقابلے میں بطور الزام کے پیش کیا ہے کہ آپ کے علماء تو اس روایت کو قابل احتجاج سمجھتے ہیں اور تم لوگ کہتے ہو کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے؟

تو اس معترض صاحب کو علامہ عبدالحئی کی اس بات سے خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگر علامہ عبدالحئی نے حدیث قیس کو صحیح قرار دیا ہے تو یہ احناف کے اصولوں کے مطابق ہے کہ احناف

Scanned by CamScanner

کے نزدیک مرسل روایت حجت ہوتی ہے نہ کہ غیر مقلدین کے نزدیک غیر مقلدین تو مرسل روایت کو سرے سے حجت ہی نہیں کہتے تو پھر اس بات سے خوش ہونا نادانوں کا کام ہی ہوسکتا ہے نہ کہ حل سندوں کا اور اگر معترض صاحب کا خیال یہ ہو کہ عبدالحئی لکھنوی نے اس روایت کو اسلئے قابل احتجاج کہا ہے کہ یہ روایت متصل ہے تو یہ بھی معترض صاحب کی خام خیالی ہے کیونکہ یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ روایت اپنے تمام سندوں کیساتھ مرسل ہی ہے۔

اور مرسل حدیث اگرچہ احناف کے نزدیک قابل احتجاج ہے لیکن متواتر احادیث کے مقابلہ میں یہ روایت قابل عمل نہیں رہ جاتی۔ جسکی تفصیل گزر چکی ہے۔

"باب ہشتم"

فرض نماز کی اقامت کے وقت سنن ونوافل کے

حکم

میں وارد احادیث اور ان کی توجیہات

پہلی حدیث:

"عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: "اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة". (اخرجه مسلم، كتاب صلاة المسافرين، ج: ٦، ص: ٩٠، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن. والترمذی: ابواب الصلاة باب ماجاء اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة، ج: ٢، ص: ٢٨٢، رقمها ٤٢١ وابن ماجه: كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في "اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة، ج: ١، ص: ٣٦٤.)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "جب فرض نماز کی اقامت شروع ہو جائے تو سوائے فرض کے کوئی نماز نہیں۔

Scanned by CamScanner

غیر مقلدین کا مذہب:

صبح کی فرض نماز کے وقت سنت فجر پڑھنے کی ممانعت میں غیر مقلدین حضرات مذکورہ بالا حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں چنانچہ:

(۱)......علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيثُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الشُّرُوعُ فِي النَّافِلَةِ عِنْدَ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ بَيْنَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَغَيْرِهِمَا الخ. (عون المعبود، ج: ۴، ص: ۱۳۲)

کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقامت نماز کے وقت نوافل شروع کرنا جائز نہیں ہے، سنت فجر ودیگر سنن ونوافل کے درمیان بغیر کسی فرق کے۔

(۲)......مولانا وحید الزماں صاحب نزل الابرار میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يجوز له الشروع في أي صلوة إذا أقيمت الصلاة المكتوبة ولا فرق بين ركعتي الفجر وغيرها في هذا الحكم ولا بين أن يؤديهما في المسجد أو خارجه عند بابه...... الخ (نزل الابرار، ص: ۱۳۳/۱۳۲، بباب ادراک الفريضة)

فرض نماز کی اقامت کے وقت کسی بھی نماز کو شروع کرنا جائز نہیں ہے اور اس حکم میں سنت فجر اور دیگر نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ یہ فرق ہے کہ مسجد کے اندر پڑھے یا مسجد سے باہر مسجد کے دروازے کے

Scanned by CamScanner

پاس۔

(۳)......مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی صاحب صلاۃ الرسول میں فرماتے ہیں:

"اگر آپ ایسے وقت مسجد میں پہنچیں کہ جماعت کھڑی ہو گئی ہو اور سنتیں آپ نے نہ پڑھی ہوں تو پھر جماعت کے پاس سنتیں پڑھنی شروع نہ کر دیں۔ کیونکہ جماعت کے ہوتے ہوئے پاس کوئی نماز نہیں ہوتی ... الخ۔" (صلاۃ الرسول، ص:۱۱۵)

(۴)......مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

جب فرض نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اگر سنتیں پڑھ رہا ہے تو اسے توڑ ڈالے اور فرض جماعت میں شامل ہو جائے۔ (احکام ومسائل قرآن وسنت کی روشنی میں، ص:۲۳۶)

"توجیہات عندالاحناف"

پہلی توجیہ:

فجر کی سنتیں اس حدیث سے مخصوص ہیں یہ حدیث اپنے عموم پر باقی نہیں رہی ہے یعنی اس حدیث کی ممانعت سے فجر کی سنتیں مستثنیٰ ہیں اور فجر کی سنتیں پڑھ سکتے ہیں چنانچہ

(۱)......علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"وخصت سنة الفجر بقوله ﷺ "لا تدعوهما ... الخ (عمدة القاري، ج:۵، ۱۸۳)۔

Scanned by CamScanner

"کہ سنت فجر نبی کریم ﷺ کے اس قول "سنت فجر پڑھو اگرچہ تم کو دشمن کا لشکر دھکیل رہا ہو۔" سے مخصوص ہیں۔

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فجر کی سنتوں کو اس ممانعت سے خارج کردیا گیا ہے

(۲)......ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"وقال ابن الملك: "سنة الفجر مخصوصة" من هذا بقوله ﷺ "صلوها وإن طردتكم الخيل" فقلنا يصلي سنة الفجر ما لم يخش فوت الركعة الثانية ونتركها حين خشي عملا بالدليلين. (مرقاة المفاتيح، ج:۳، ص:۱۳۳)

"ابن ملک نے فرمایا ہے کہ سنت فجر اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کے اس قول: "صلوها وان طردتکم الخیل" یعنی سنت فجر پڑھو اگرچہ تم کو دشمن کا لشکر دھکیل رہا ہو" سے مخصوص ہیں۔ پس (اس وجہ سے) ہم (احناف) کہتے ہیں کہ سنت فجر اس وقت تک پڑھی جائیں گی جب تک نماز فجر کی رکعت ثانیہ کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو اور اگر رکعت ثانیہ کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو سنت فجر کو ترک کیا جائے گا عملا بالدلیلین۔

"شمس الحق عظیم آبادی صاحب اور شان صحابہ"

اعتراض:

شمس الحق عظیم آبادی صاحب اپنی کتاب "اعلام اہل العصر" میں علامہ عینیؒ کے اس قول پر کہ "سنت فجر حدیث اذا اقیمت ...... الخ سے مخصوص ہے" اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں"

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ علامہ عینی اور فقہاء حنفیہ کی ایک جماعت نے حدیث: "کہ جب فرض کی نماز کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں" کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ سنت فجر اس حدیث سے رسول ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ: "فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔" سے مخصوص ہیں پس نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر کے علاوہ دیگر سنتیں پڑھنا مکروہ ہے اور فجر کی سنتیں پڑھنا جائز ہے، اور دونوں فضیلتوں کو جمع کیا جائے گا یعنی سنتوں اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کو۔ اھ

میں کہتا ہوں کہ فقہاء پر تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ محدثین نہیں ہیں مگر تعجب تو علامہ بدرالدین عینی پر ہے کہ وہ باوجود محدث، کثیر العلم، اور وسیع النظر ہونے کے، رسول ﷺ کے قول کے عموم سے کہ: "کہ جب فرض کی نماز کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں" فجر کی سنتوں کی تخصیص کیونکر فرماتے ہیں بلکہ اس سے تخصیص کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھنے سے صراحت کیساتھ منع وارد ہوئی ہے بغیر کسی احتمال اور تاویل کے........ اور جو کوئی اس میں تخصیص کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے، اور رہی بات سنتوں اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کی تو وہ اسطرح ممکن ہے کہ جماعت کی نماز کے ساتھ مل کر فرض نماز پڑھ لے پھر نماز فجر

Scanned by CamScanner

سے فارغ ہونے کے بعد سنتیں پڑھ لے کیونکہ یہ وقت سنتیں پڑھنے کا ہے۔(اعلام اہل العصر، ص ۱۳۲)

جواب:

ہم شمس الحق عظیم آبادی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کاش آپ کچھ تو ادب کیجئے آپ یہ بات کیسے کہتے ہیں کہ جو شخص اس حدیث کی تخصیص کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے ؟جبکہ اس حدیث میں تخصیص صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ثابت ہے جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ، ابو درداء، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور حضرت عمرؓ کی موجودگی میں ایک آدمی نے آکر نماز فجر کے قیام کے وقت سنتیں پڑھ لیں اور اس پر حضرت عمرؓ نے خاموشی اختیار کی۔ تو کیا یہ سب صحابہ کرام نعوذ باللہ متعصب اور معاند ہیں؟ اگر نہیں تو پھر جو لوگ (احناف) اس مسئلے میں ان حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل کی پیروی کرتے ہیں تو وہ کیسے معاند اور متعصب ہو سکتے ہیں؟ جو شخص احناف پر اسلئے طعن کرتا ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرام کی اتباع کرتے ہیں تو کیا وہ سنت سے بے بہرہ نہیں؟ کیا وہ صحابہ کرامؓ سے بغض رکھنے والا اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والا نہیں ہے؟۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے خود اس حدیث میں اس آدمی کے حق میں جو فرض نماز کی جماعت سے پہلے فرض پڑھ چکا ہو اسکو امام کے ساتھ نفل پڑھنے کی اجازت دی اور علامہ ابوالحسن سندی کے اس قول: "اور اسی طرح جو شخص فرض نماز پڑھ چکا ہو وہ امام کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے اور یہ حدیث (اذا اقیمت الصلاۃ) کے منافی نہیں ہے" پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الصحیح: نعم لا بد منه لأن المأمور بهذا الحکم لیس الا

من صلی تلک المکتوبة کما هو ظاهر السیاق."

Scanned by CamScanner

کہ (ابوالحسن سندی کی یہ بات) ٹھیک ہے اور اسکے سوا چارہ کار نہیں ہے
کیونکہ یہ حکم (کہ جب فرض کی نماز کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض کے
اور کوئی نماز نہیں) اس آدمی کیلئے ہے جس کے ذمہ وہی فرض ہو (جو
اس نے جماعت سے پہلے پڑھ لیا) جیسا کہ ظاہر سیاق سے بھی معلوم
ہوتا ہے۔

پس تعجب اور بے ادبی کی انتہاء ہے کہ جناب حکیم آبادی جیسا نام نہاد مجتہد تو حدیث کی تخصیص اپنی رائے سے یہ کہہ کر کر سکتا ہے کہ ظاہر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے اور یہی ٹھیک ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کیلئے آثار صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے: "فجر کی سنتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں" اور حضرت علیؓ کی اس حدیث سے کہ: "رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھتے تھے۔ حدیث میں تخصیص کرنا جائز نہیں ہے! کیونکہ وہ آثار صحابہؓ قول رسول اور فعل رسول ﷺ سے جب حدیث کی تخصیص فرماتے ہیں تو وہ معاند اور حسب ہیں لیکن حسن الحق صاحب کی اپنی رائے سے عموم حدیث میں تخصیص کرنے سے وہ کیا ہم معاندِ شریعت اور علمائے شریعت کی توہین کرنے والا نہیں؟ صحابہ کرامؓ کی شان اور اعراض میں گستاخی کرنے والا نہیں؟؟ بلکہ وہی ہر قسم کی طعن اور تشنیع کا مستحق ہے نہ کہ وہ لوگ جو صحابہ کرامؓ کے عمل کی اور رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں۔

دوسری توجیہ: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"فهل لا يمكن حمل النهي في قوله ﷺ: "إذا أقيمت
الصلاة الخ" على أنه لا تجوز الصلاة في المسجد متصلا
بصفوف القوم إلا المكتوبة؟ كيف لا وللحملة ابن

Scanned by CamScanner

عباس وابن مسعود وابو الدرداء، وغيرهم من الصحابة على ذلك وفي قوله ﷺ: "أتصلي الصبح أربعا" الخ اشارة الى هذا المعنى فافهم. (اعلاء السنن، ج:۷، ص:۱۰۲)

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اس منع کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ مسجد میں جماعت کی صفوں کے متصل سنت فجر پڑھنا جائز نہیں ہے؟ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اس نہی کو ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اسی بات پر محمول فرمایا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے اس قول "أتصلي الصبح اربعا مع الناس" میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ:

راقم الحروف کی عرض گزارش ہے کہ اس حدیث "أتصلي الصبح اربعا مع الناس" میں اشارہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ کیا تم لوگوں کیساتھ صبح کی چار رکعتیں پڑھنا چاہتے ہو تو یہ فرمانا اس صورت میں ممکن ہے کہ جب آدمی جماعت کی صفوں کے متصل کھڑا ہو کر صبح کی سنتیں پڑھ رہا ہو تو اس صورت میں یہ التباس واشتباہ ہوتا ہے کہ یہ شخص چار رکعتیں پڑھ رہا ہے۔ اس وجہ سے یہ نہی اسی صورت پر محمول ہے جب یہ صورت نہ رہے تو پھر سنت فجر پڑھنا جائز ہے۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے

تیسری توجیہ: از علامہ ظفر احمد عثمانی

"وفي قول ابن عباس هذا دلالة على أن حديث: "إذا أقيمت الصلاة" الخ "محمول على الصلاة متصلا بصفوف القوم

فان ابن عباس روی عنه الحاکم فی "المستدرک" وقال: صحیح علی شرط مسلم والبیهقی والبزار وابو یعلی وابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما وابو داود الطیالسی فی مسنده قال اذا اقیمت الصلاة فقمت اصلی الرکعتین فجذبنی رسول الله ﷺ فقال: "اتصلی الصبح اربعا" کذا فی "اعلام اهل العصر (ص: ۳۳) ومع ذلک فقد ثبت عنه انه جاء والامام فی صلاة الغداة فصلی الرکعتین خلف الامام ثم دخل معهم. واذا تعارض متن روایة الراوی وعمله فالحجة عندنا فی عمله دون روایته. (اعلاء السنن، ج: ۷، ص: ۱۰۲)

اثر ابن عباس میں اس بات کی صریح دلالت موجود ہے کہ اس حدیث "اذا اقیمت الصلاة" میں نہی کو ابن عباسؓ اس بات پر محمول فرماتے تھے کہ فجر کی سنتیں جماعت کی صفوں کے متصل پڑھی جائیں چنانچہ "مستدرک" میں امام حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے یعنی علی شرط مسلم ہے اور اسی طرح بیہقی، بزار اور ابو یعلی نے اور ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں اور ابو داود طیالسی نے اپنی "مسند" میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے: "وہ فرماتے ہیں کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی میں سنت فجر پڑھنے کیلئے کھڑا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھنجوڑا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟" اسی طرح اعلام اہل العصر (ص: ۳۳) میں

Scanned by CamScanner

ہے۔ اور باوجود اسکے ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ وہ مسجد ایسے وقت پہنچے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپؓ نے امام کے پیچھے (صف میں) فجر کی سنتیں پڑھی پھر جماعت کی نماز میں شامل ہوئے۔ (اور یہ قاعدہ ہے) کہ جب راوی کی روایت اسکے عمل کے معارض ہو تو ہمارے (احناف) کے نزدیک حجت راوی کا عمل ہوتا ہے نہ کہ روایت۔

چوتھی توجیہ: علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

"وفـي صحيح ابن خزيمة" كما في العمدة" (۲-۱۱۷) من حديث أنس: "خرج النبي ﷺ حين أقيمت الصلاة فرأى ناسا يصلون ركعتين بالعجلة، فقال: "أصلاتان معا؟" فنهى أن تصليا في المسجد إذا أقيمت الصلاة". فهذا الحديث إن صح فهو فاصل في المسألة ونص لرفع الإشكال، حيث يكون النهي واردا في أدائهما في المسجد لا مختلفا، فالأن يخصص الحديث بذلك. (معارف السنن، ج: ۴، ص: ۷۹)

صحیح ابن خزیمہ میں ہے جیسا کہ عمدۃ القاری (۱۱۷:۲) میں حدیث انسؓ میں ہے کہ: "نبی کریم ﷺ ایسے وقت مسجد تشریف لائے کہ نماز کھڑی ہو چکی تھی آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ سنت فجر جلت کیساتھ پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ کیا دو نمازیں ایک وقت

Scanned by CamScanner

میں؟ پس آپ ﷺ نے منع کیا کہ جب جماعت کھڑی ہو تو مسجد میں سنتیں نہ پڑھا کرو" پس یہ حدیث اگر صحیح ہو تو یہ اس مسئلہ میں فاصل ہے اور اشکال رفع کرنے میں نص ہے کہ اس میں جو نہی وارد ہے وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ مقید ہے مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھنے کیساتھ پس یہ حدیث "اذا اقیمت الصلوٰۃ" مختص ہے حضرت انسؓ کی (اس) حدیث کیساتھ۔

فائدہ:

علامہ محمد یوسف بنوری کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث باب "اذا اقیمت الصلاۃ ... الخ" اپنے عموم پر نہیں ہے یعنی کہ اس حدیث کا حکم عام نہیں ہے بلکہ مقید ہے مسجد میں جماعت کی نماز کے وقت سنتیں و نوافل وغیرہ پڑھنے کیساتھ اور یہ تخصیص حضرت انسؓ کی حدیث کی وجہ سے ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے جو منع کیا ہے تو وہ مسجد میں فرض نماز کی جماعت کے وقت نوافل وغیرہ پڑھنے کیساتھ خاص ہے اگر کوئی شخص جماعت کی نماز کے قیام کے وقت مسجد کے باہر نوافل یا سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جائے تو وہ اس منع میں داخل نہیں ہے جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے پس غیر مقلدین کا مطلقاً نوافل و سنتیں پڑھنے سے منع کرنا صحیح نہیں ہے۔

تو جیسے اس حدیث سے ابو ہریرہؓ کی روایت میں تخصیص ہوئی ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی اس حدیث میں تخصیص ہوئی ہے جو سنت فجر عند الاقامت کے قائل تھے اور مسجد ہی میں سنتیں پڑھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔

پانچویں توجیہ: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"أن نهاذ زداه يحمل حديث: "اذا اقيمت الصلاة ... الخ" بغد

صحته على النهي عن الصلاة في المسجد حين الاقامة المكتوبة منفصلا بمعزل عن القوم وكان يجوزها في ناحية المسجد منفصلا عنها كما هو مذهب الحنفية (اعلاء السنن: ج:۷، ص:۱۰۳)

حضرت ابو درداءؓ اس حدیث "اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبہ" کو باوجود اس کی صحت کے نہی کو مسجد میں نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر کو جماعت کی صفوں کے متصل پڑھنے پر محمول فرماتے تھے اور مسجد میں صفوں سے الگ سنت فجر ادا کرنے کو جائز فرماتے تھے جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

چھٹی توجیہ: علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

"يحتمل أن يكون منشأ النهي هو عدم الفصل بين الفرض والنفل، كما اختاره الطحاوي في "شرح معاني الآثار" ۱: ۲۱۸ و ۲۱۹ وأطال فيه البحث وملخصه: "أن ما يقوله الشافعية من أن مناط حكم المنع في حديث الباب هو أداء ما شرع في الإقامة ليس بصحيح، حيث صح انكاره ﷺ على من أدى الركعتين قبل الإقامة أيضا في حديث محمد بن عبد الرحمن: "أن رسول الله ﷺ مر بعبد الله بن مالك بن بحينة وهو منتصب يصلي ثمة بين يدي نداء الصبح فقال: "لا تجعلوا هذه الصلاة كصلاة قبل الظهر وبعدها واجعلوا بينهما فصلا!" وكذلك ورد الإنكار على

Scanned by CamScanner

من فرغ من الفريضة وأراد أن يتطوع متصلا بها. كما ورد في حديث معاوية في التطوع بعد الجمعة. فلما كان انكاره في الأحوال الثلاث بعد الإقامة وقبل الإقامة وبعد الفريضة علم أن مدار النهي والإنكار هو عدم الفصل في المكان والخلط مع الصفوف. (معارف السنن ج: ۴، ص: ۸۲/۸۳)

ترجمہ:

اس حدیث میں یہ احتمال بھی تو ہو سکتا ہے کہ خطاء نہی اس میں عدم فصل بین الفرض والنوافل ہو جیسا کہ امام طحاوی نے "شرح معانی الآثار" میں اختیار فرما کر طویل بحث کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو شافعیہ کہتے ہیں کہ حدیث الباب میں مدار حکم منع کا اقامت شروع ہونے کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے پر ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے سنت فجر پڑھنے پر انکار اقامت سے پہلے بھی وارد ہے جیسا کہ محمد بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن مالک بن بحینہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ صف میں کھڑے ہو کر صبح کی اذان کے وقت سنت فجر پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا تجعلوا هذه الصلاة كصلاة قبل الظهر وبعدها واجعلوا بينها فصلا" اور اسی طرح نبی کریم ﷺ کا انکار اس شخص پر بھی وارد ہے کہ جو فرض نماز پڑھنے کے متصل نوافل

شروع کردے، جیسا کہ معاویہ کی حدیث "تطوع بعد الجمعہ" میں ہے
پس جب نبی کریم ﷺ کا انکار تین احوال میں یعنی عند الاقامت، قبل
الاقامت، اور بعد الفریضہ میں وارد ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی
کہ حدیث میں نہی کا مدار مکان میں عدم فصل اور صفوں کے ساتھ
اختلاط پر ہے نہ کہ مطلق شروع اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنے پر۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے ممانعت تین اوقات میں ثابت ہے جیسے کہ عبارت میں معلوم ہوا تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ممانعت کے حکم کا دارومدار فرض کی اقامت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ فرض ونفل میں توقف کرنے یا فرض ونفل کے مکان میں فاصلہ کرنے کی وجہ بھی ہوسکتی ہے تو اس وجہ سے جب اس روایت میں یہ احتمالات بھی ہیں تو پھر یہ فرض نماز کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے کی ممانعت میں صریح نہیں ہے لہذا فجر کی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

دوسری حدیث:

"وعن عبد اللہ بن مالک ابن بحینۃ قال: مر النبی ﷺ برجل وقد أقیمت الصلاۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ ﷺ لاث بہ الناس فقال لہ رسول اللہ ﷺ: "الصبح أربعا. (اخرجہ البخاری: کتاب الاذان باب اذا أقیمت الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۲۳۵، رقم: ۶۳۲)

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن مالک بن بحینہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ

Scanned by CamScanner

ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ فجر کی سنتیں پڑھ رہا تھا جبکہ نماز فجر کی اقامت شروع ہو چکی تھی، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا: "کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟"

تشریح:

اس حدیث کے ظاہر معنی تو یہی سمجھ میں آتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنے پر انکار فرمایا کہ کیا تم نے فجر کی فرض نماز کی چار رکعتیں پڑھیں؟ اس میں استفہام انکاری ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سنت فجر کو اقامت شروع ہوتے وقت منع فرمایا ہے۔ سنت فجر کے علاوہ دیگر نوافل و سنن رواتب بھی حضرات شوافع کے نزدیک اقامت شروع ہونے کے وقت ممنوع ہیں۔

(فتح الباری، ج: ۲، ص: ۱۴۹ / ۱۵۰، دار المعرفہ طبع ۱۳۷۹، شرح مسلم نووی، ج: ۵، ص: ۲۲۲، دار احیاء التراث العربی طبع ۱۳۹۲)

"احناف کی طرف سے اس باب کی احادیث کی توجیہات"

اس حدیث اور اسی طرح کی وہ دوسری احادیث یعنی "طبرانی" میں ابوموسیٰ کی روایت، "مسلم" میں عبداللہ بن سرجس کی روایت، مسند احمد میں عبداللہ بن عباس کی روایت وغیرہ میں، رسول اللہ ﷺ جن مختلف الفاظ سے صحابہ کرام کو مخاطب ہوئے وہ یہ ہیں: "الصبح اربعا" اور "أتصلي الصبح اربعا" اور "بأي الصلاتين اعتددت" اور "يوشك ان يصلي احدكم الصبح اربعا" اور "الا صلاة الا هذه" ان تمام الفاظ کی علت یہی ہے کہ اس سے سنت اور

فرض میں التباس کا ڈر ہے اور امام اور مقتدیوں میں ظاہرا اختلاف کی کراہت ہے تو اگر ایسی صورت ہو کہ نہ التباس کا ڈر ہو اور نہ اختلاف ہو یعنی اگر سنت فجر خارج عن المسجد پڑھی جائے یا صحن مسجد میں یا کسی ستون کے پیچھے پڑھی جائے کہ فرض اور سنت ایک صف میں نہ پڑھی جائے تو اس صورت میں علت کے منتفی ہونے کیوجہ سے کراہت بھی منتفی ہو جائے گی اور یہی علت حضرت ابن عباس سمجھتے تھے اسی وجہ سے باوجود اس کے کہ وہ خود اپنے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں "اتصلی الصبح اربعا" جبکہ وہ اقامت کے بعد سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے ۔۔ تو جب راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو احناف کے نزدیک اسکے عمل کا اعتبار ہوتا ہے اور اسکی روایت قابل عمل نہیں ہوتی۔

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔

(عمدة القاري، ج:٥،ص: ١٨٤/١٨٥ اعلاء السنن، ج:٢،ص: ١٠٢ معارف السنن، ج:٤،ص: ٩١)

تیسری حدیث:

"وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة قيل: يا رسول الله ﷺ ولا ركعتي الفجر قال: "ولا ركعتي الفجر". (سنن البيهقي، ج: ٢،ص: ٤٨٣، رقم الحديث ٤٢٣٢ مكتبة دار الباز)

ترجمہ:

Scanned by CamScanner

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ
"جب (فرض) نماز کی اقامت ہونے لگے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی
نماز نہیں ہے" کہا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سنت فجر بھی نہیں ؟ فرمایا کہ
سنت فجر بھی نہیں"

تشریح:

اس حدیث کو بھی غیر مقلدین حضرات مستدل بناتے ہیں کہ اس حدیث میں تو نبی کریم ﷺ نے صراحت کیساتھ منع کیا ہے کہ جب فرض نماز کی اقامت شروع ہو جائے تو پھر کسی قسم کے نوافل میں مشغول ہونا جائز نہیں یہاں تک سنت فجر بھی نہیں پڑھ سکتے جیسا کہ اس حدیث میں صراحت کیساتھ ذکر ہوا۔ (عون المعبود، ج:۳، ص:۱۳۲)

"احناف کی طرف سے حدیث کی توجیہ"

اس حدیث میں "ولا رکعتی الفجر" کی زیادتی راوی کی طرف سے درج شدہ ہے۔ اصل متن میں یہ الفاظ نہیں ہیں تو اس لحاظ سے یہ روایت مدرج ہوئی اور مدرج روایت اصول حدیث کی رو سے ضعیف ہوتی ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔

باقی رہا علامہ ابن حجر عسقلانی کا اس حدیث کی تحسین کا قول تو وہ قابل نظر ہے جیسا کہ آئندہ اس حدیث کے رواۃ پر محدثین کے کلام سے واضح ہو جائے گا اس روایت میں دو راوی ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں ایک یحییٰ بن نصر بن حاجب اور دوسرا مسلم بن خالد زنجی چنانچہ مندرجہ ذیل میں محدثین کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔

پہلے راوی:......"یحییٰ بن نصر بن حاجب پر کلام"

Scanned by CamScanner

پہلا کلام: از علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

قال أبو زرعة: ليس بشيء، وقال ابن عدي: فروى له أحاديث حسنة وأرجو أنه لا بأس به. وقال مهنا: سألت أحمد بن حنبل عنه فقال: كان جهميا يقول قول أبي جهم. وقال أبو حاتم: محله عندي... وقال أبو جعفر العقيلي: منكر الحديث. (لسان الميزان: ج:٦، ص:٢٩٩، الجرح والتعديل، ج:٩، ص:١٩٣، دار احياء التراث العربي)

ابوزرعہؒ نے فرمایا ہے کہ یحییٰ بن نصر بن حاجب کوئی شی نہیں، اور رہی بات ابن عدیؒ کی تو انہوں نے اس سے کئی حسن وجہ کی احادیث روایت کی ہیں، اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یحییٰ بن نصر میں کوئی بات نہیں، اور مہناؒ نے فرمایا کہ: "میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے اسکے متعلق پوچھا تو انہوں فرمایا کہ: "وہ جہمی تھا اور جہمی باتیں کرتا تھا، اور امام ابو حاتمؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ لین ہے، اور ابو جعفر عقیلیؒ نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث ہے۔

دوسرا کلام: از علامہ عقیلیؒ:

علامہ عقیلیؒ یحییٰ بن نصر بن حاجب کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"يحيى بن نصر بن حاجب القرشي منكر الحديث الخ" (الضعفاء العقيلي: ج:٤، ص:٤٣٣، للعقيلي)

یحییٰ بن نصر بن حاجب قرشی منکر الحدیث ہے۔

تیسرا کلام: از علامہ ابن عدیؒ:

ابن عدیؒ فرماتے ہیں:

"وهذا الحديث يرويه عن عمرو بن دينار جماعة بهذا الاسناد و لا أعلم ذكر هذه الزيادة في متنه "قيل يا رسول الله ولا ركعتي الفجر" عن يحيى بن نصر عن مسلم بن خالد عن عمرو. (الكامل في الضعفاء، ج:٧، ص:٢٣٦، دار الفكر بيروت.)

اور اس حدیث کو عمرو بن دینار سے ایک جماعت نے اسی سند کیساتھ روایت کیا ہے اور میں متن میں ان الفاظ "قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر" کی زیادتی کو نہیں جانتا جو کہ یحییٰ بن نصر نے مسلم بن خالد سے اور اس نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن عدیؒ نے بھی روایت یحییٰ بن نصر بن حاجب کے منکرات میں ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت منکر ہے اور قابل احتجاج نہیں ہے پس غیر مقلدین کا اس روایت کو علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحسین کی وجہ سے قابل احتجاج سمجھنا نادانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

دوسرے راوی...... "مسلم بن خالد زنجی پر کلام"

پہلا کلام: از علامہ مزیؒ

علامہ مزیؒ مسلم بن خالد کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں:

"وقال محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ عن یحیی بن معین: و ابو جعفر النفیلی و ابو داؤد: ضعیف ،وقال علی بن المدینی :لیس بشیء. وقال البخاری :منکر الحدیث،وقال النسائی: لیس بالقوی،وقال ابو حاتم :لیس بذاک القوی، منکر الحدیث، یکتب حدیثہ ،ولا یحتج بہ ،تعرف وتنکر　　وکان کثیر الغلط فی حدیثہ　　الخ. (تھذیب الکمال ج:١٧،ص:٢١٢ الملتت :وللہ بعض (راقم الحروف) ،ومن شاء التفصیل فلینظر فی تھذیب الکمال. ١٢ .

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے یحیٰ بن معین ،ابو جعفر النفیلی ،اور ابو داود سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ مسلم بن خالد ضعیف ہے،اور علی ابن المدینیؒ نے فرمایا کہ: "مسلم بن خالد کوئی شی نہیں ہے ،اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ:وہ منکر الحدیث ہے،اور امام نسائی نے فرمایا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے،اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے،منکر الحدیث ہے انکی حدیثیں لکھی جاتی ہیں ،لیکن قابل احتجاج نہیں ہیں　،اور حدیث بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔

دوسرا کلام:از علامہ ابن حجر عسقلانی

ابن حجر عسقلانی اس کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں:

"مسلم بن خالد المخزومی مولاھم المکی ،المعروف ب

الزنجي مكي فقيه صدوق كثير الأوهام من الثامنة مات سنة تسع وسبعين أو بعدها. تقريب التهذيب، ج: ٢، ص: ٢٢٥، دار الكتب العلمية.

مسلم بن خالد مخزومی مکی کے غلام تھے جو کہ صرف زنجی تھا، فقیہ تھا سچا تھا، لیکن بہت زیادہ وہمی تھا (یعنی حدیث میں وہم ہوتا تھا) طبقۂ ثامنہ میں سے ہے ۱۷۹ھ کو یا اس کے بعد انتقال ہوا۔

تیسرا کلام: از علامہ عقیلیؒ

علامہ عقیلیؒ فرماتے ہیں:

"مسلم ابن خالد الزنجي أبو خالد: "عن ابن جريج وهشام ابن عروة حدثنا محمد ابن عثمان العبسي قال: "سمعت يحيى ابن معين و ذكر مسلم ابن خالد فقال: كان ضعيفا حدثنا عبد الله قال: قال أبي: مسلم ابن الزنجي كذا و كذا حدثني آدم قال سمعت البخاري يقول: مسلم ابن خالد الزنجي عن ابن جريج وهشام ابن عروة منكر الحديث قال البخاري قال: علي: ليس بشيء. الخ. (ضعفاء العقيلي، ج: ٣، ص: ١٥٠، دار الكتب العلمية.)

مسلم بن خالد زنجی ابو خالد نے ابن جریج ہشام وابن عروہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے محمد بن عثمان العبسی نے بیان کیا اُس نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا ہے اور مسلم بن خالد کا ذکر ہو رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ضعیف ہے، کہا

Scanned by CamScanner

ہمارے سامنے بیان کیا عبداللہ نے اُس کا کہنا ہے کہ میرے والد نے فرمایا کہ "مسلم ابن زنجی ایسا ویسا تھا، کہا ہمارے سامنے آدم نے بیان کیا اُس کا کہنا ہے کہ میں نے امام بخاری کو سنا وہ فرمارہے تھے، مسلم بن خالد، عن ابن جریج، اور ہشام ابن عروہ، منکر الحدیث ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی ابن المدینی نے کہا کہ مسلم بن خالد کوئی شیء نہیں ہے۔

چوتھا کلام: از امام نسائی

امام نسائی نے مسلم بن خالد کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

"مُسْلِمُ ابنُ خالد الزَّنجِيّ ضعيفٌ" (كتاب الضعفاء والمتروكين، ج: ١، ص: ٩٧، رقم الترجمة ٥٦٩، دار الوعي طبع ١٣٦٩)

مسلم بن خالد زنجی ضعیف ہے۔

خلاصہ بحث:

مجلس کی ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں راوی ضعیف ہیں اور اس حدیث میں ان الفاظ (ولا رکعتی الفجر) کی زیادتی یحیٰی بن نصر کی درج شدہ ہے جو کہ غیر محفوظ ہے گویا کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے کہ انہوں نے حدیث "الا المکتوبۃ" میں "ولا رکعتی الفجر" کو بھی داخل سمجھا تو یہ زیادتی ان کے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن عدی کو کہنا پڑا:

"و لا أعلمُ ذكرَ هذه الزيادة في متنه "قال رسول الله ولا ركعتي الفجر" عن يحيى بن نصر عن مسلم بن خالد عن

Scanned by CamScanner

عمرو" ...... الخ

کہ میں متن میں اس زیادتی کو نہیں جانتا" یعنی ولا رکعتی الفجر" جو کہ یحییٰ بن نصر نے مسلم بن خالد سے اور اس نے عمرو بن دینار سے بیان کی ہے۔ ابن عدی نے اس حدیث کو اس زیادتی کی وجہ سے یحییٰ بن نصر بن حاجب کے منکرات میں ذکر کیا ہے پس جب یہ روایت ابن عدی کے نزدیک منکر ہے مع زیادۃ مذکورہ کے تو پھر یہ قابل استدلال نہیں ہو سکتی پھر جب ان دو راویوں کا ضعف بھی ثابت ہو گیا پس "ولا رکعتی الفجر" کی زیادتی اور "الا رکعتی الفجر" کی زیادتی دونوں رواۃ کی اجتہادی وجہ سے ہے اور یہ دونوں روایتیں آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں پس تعارض کے وقت اگر دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہو تو حتی الامکان تطبیق کی کوشش کی جائے گی جس کی تطبیق پہلے بیان ہو چکی ہے۔

Scanned by CamScanner

"باب پنجم"

نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنے کے جواز

کا حکم

اور احناف کی طرف سے غیر مقلدین کے دلائل کی توجیہات

پہلی حدیث:

"عن قيس رضي الله عنه قال: خرج رسول الله ﷺ فأقيمت الصلاة فصليت معه الصبح ثم انصرف النبي ﷺ فوجدني أصلي، فقال: "مهلا يا قيس! أصلاتان معا؟ قلت يا رسول الله ﷺ إني لم أكن ركعت ركعتي الفجر قال: "فلا إذن" (سنن الترمذي، ج: ۲، ۲۶۲، باب ماجاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر يصليهما بعد صلاة الصبح)

ترجمہ:

حضرت قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے نکلے نماز کی اقامت شروع ہوگئی میں نے فجر کی نماز رسول ﷺ کیساتھ پڑھی پھر جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا فرمایا کہ رک جاؤ اے قیس! کیا تم دو نمازیں ایک ساتھ پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے سنت فجر نہیں پڑھی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اب پڑھنے میں کوئی

Scanned by CamScanner

حرج نہیں"

دوسری حدیث:

"وعن عطاء بن ابی رباح عن رجل من الانصار قال: رأى رسول الله ﷺ رجلا يصلي بعد الغداة فقال: يا رسول الله لم أكن صليت ركعتي الفجر فصليتهما الآن. فلم يقل له شيئا. (أخرجه ابن حزم في المحلى وقال العراقي اسناده حسن. اعلام اهل العصر باحكام ركعتي الفجر، ص: ۲۲۳)

ترجمہ:

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے انصار میں سے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سنتیں پڑھ رہا ہے تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے سنت فجر نہیں پڑھی تھی تو اب پڑھ رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔

تشریح:

اگر کوئی شخص صبح کی سنتیں قبل الفرض نہیں پڑھ سکا تو پھر کب پڑھے؟ عطاء، طاؤس اور ائمہ میں سے امام شافعی کے نزدیک فرض نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھ سکتا ہے، لیکن امام ترمذی نے امام شافعی واحمد دونوں کا مذہب یہ لکھا ہے کہ طلوع شمس کے بعد پڑھے لیکن شوکانی نے حافظ عراقی سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کا صحیح قول یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھ

Scanned by CamScanner

سکتا ہے۔ دوسرا مذہب ائمہ ثلاثہ حنفیہ، حنابلہ، مالکیہ کا ہے ان کے نزدیک طلوع شمس سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے۔

یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ سنتوں کی قضاء ہے بھی یا نہیں، شافعیہ حنابلہ اس کے قائل ہیں حنفیہ مالکیہ کے نزدیک سنت نماز کی قضاء ہی نہیں البتہ صبح کی سنت کی قضاء فی الجملہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سنت کی قضاء تبعا للفرض (فرض کے تابع) ہے اولی اور والا بالاستقلال نہیں چنانچہ لیلۃ التعریس کے واقعہ میں حضورﷺ نے صبح کی سنتوں کی قضاء فرض نماز کیساتھ فرمائی تھی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کی قضاء منفردا بھی مستحب ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں "ان احب" اگر جی چاہے تو قضاء کرلے اختیار ہے۔ (المد رالمنضود علی سنن ابی داود ج: ۲، ص: ۵۲۰)

مجوزین حضرات شافعیہ اور غیر مقلدین ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ سنت فجر بعد نماز فجر کے بعد پڑھنا ان احادیث کی وجہ سے بغیر کراہت کے جائز ہے۔

"محدثین اور فقہاء کی طرف سے احادیث کی توجیہات"

اکثر محدثین اور فقہاء نے ان احادیث کے ارسال وانقطاع کو ترجیح دی ہے لیکن شمس الحق عظیم آبادی نے باوجود ان تصریحات کے ان احادیث کو متصل ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے لیکن انکی یہ تمام کوشش بالکل بے سود ہے اسلئے کہ ان جبال العلم محدثین کے مقابلہ میں شمس الحق عظیم آبادی کا ان روایات کو متصل ثابت کرنا ہی چاند کو انگلی سے چھپانے کے مترادف ہے۔ پھر اگر بفرض محال ہم ان روایات کو متصل مان بھی لیں تو پھر بھی یہ روایات ان قولی روایات کے مقابلہ میں مرجوح ہیں اور قولی روایات جو ممانعت پر دلالت کرتی ہیں راجح ہوں گی کیونکہ خاص واقعات و افعال تخصیص کا احتمال رکھتے ہیں جبکہ قولی روایات میں عموم ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

پہلی توجیہ:

"یہ حدیث منقطع ہے"

پہلی تصریح:

امام ترمذی فرماتے ہیں:

"وانساد هذا الحديث ليس بمتصل محمد بن ابراهيم التيمي لم يسمع من قيس" جامع الترمذي ،ج:۱،ص:۹۶.)

یہ حدیث متصل الاسناد نہیں ہے (کیونکہ) محمد بن ابراہیم تیمی نے قیس سے سماع نہیں کیا ہے۔

دوسری تصریح:

علامہ عینی فرماتے ہیں:

"وأما حديث قيس بن عمرو فقال في الامام اسناده غير متصل ومحمد بن ابراهيم لم يسمع من قيس وقال ابن حبان لايحل الاحتجاج به ...الخ.(عمدة القاري ،ج:۵،ص:۷۸)

اور رہی بات حدیث قیس بن عمرو کی تو "امام نامی" کتاب میں کہا گیا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے اور محمد بن ابراہیم کا سماع قیسؓ سے ثابت نہیں ہے اور ابن حبانؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے حجت پکڑنا درست نہیں ہے۔

فائدہ:

جب حدیث منقطع ہے متصل نہیں تو پھر غیر مقلدین کے نزدیک تو یہ حجت ہی نہیں رہی کیونکہ منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے اسکے ثبوت کیلئے دیکھیے حافظ زبیر علی زئی کی کتاب (دین میں تقلید کا مسئلہ ص:۳۴)

اسکے علاوہ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

''ایسی منقطع اور بے سند روایت کو انتہائی اہم مسئلہ میں پیش کرنا آخر کون سی دین کی خدمت ہے'' (تعداد رکعات قیام رمضان ص:۳۰)

یہ بات انہوں نے تراویح کے متعلق ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہی ہے لیکن تراویح سے زیادہ اہم مسئلہ سنت فجر کا ہے کہ نماز فجر کے بعد سنتیں نہ پڑھنے کے متعلق متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن سنت فجر کے معاملہ میں ایک منقطع روایت کو دلیل بنا کر متواتر احادیث پر عمل نہ کرنا کون سی دین کی خدمت ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے تو متواتر احادیث کے مقابلہ میں ایک ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو عمل بالحدیث کیونکر کہہ سکتے ہیں؟

اعتراض:

علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب علامہ عینی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور عینی نے عمدۃ القاری میں جو یہ کہا ہے کہ ابن حبان نے فرمایا کہ قیس بن عمرو قابل احتجاج نہیں ہے۔ اولاً یہ قول مردود ہے ہم اسکو دیوار پر مارتے ہیں اور اسکی (عینی کی) شرح ہدایہ اور عمدۃ القاری وغیرہ میں یہ عادت ہے کہ جب حدیث اسکے مذہب کے خلاف ہوتی ہے تو وہ

اس کے راویوں پر کلام کرتا ہے، جرح نقل کرتا ہے اور تعدیل سے خاموش رہتا ہے اور جب حدیث اسکے مذہب کے موافق ہوتی ہے تو وہ جرح سے سکوت کرتا ہے، اگر چہ اس حدیث میں شدید ضعف ہی کیوں نہ ہو اور یہ انکی کتاب کے عیبوں میں سے ہے۔ اھ (اعلام اہل العصر،ص:۲۱۱/۲۱۰)

جواب:

علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے علامہ عینیؒ پر جو اعتراض کیا ہے جیسا کہ ماقبل سطور میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں وہی بات خود علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب میں موجود ہے علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے اپنی کتاب اعلام اہل العصر میں حدیث روایت کی ہے فرماتے ہیں:

"واخرج ابن حزم في المحلى عن الحسن بن ذكوان عن عطاء بن أبي رباح عن رجل من الأنصار قال رأى رسول الله ﷺ رجلاً يصلي بعد الغداة فقال يا رسول الله ﷺ لم أكن صليت ركعتي الفجر فصليتهما الآن فلم يقل له شيئا."

قال العراقي: وإسناده حسن. (اعلام اهل العصر،ص: ۲۲۳)

عطا ابن ابی رباح نے ایک انصاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد نماز پڑھ رہا ہے تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں ابھی پڑھ رہا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کچھ بھی نہیں

Scanned by CamScanner

کہا۔ (عراقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اب اعتراض کا جواب سمجھیے کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے یہ حدیث ابن حزم کی کتاب المحلی سے نقل تو کر دی لیکن چونکہ یہ حدیث انکے مذہب کی تائید کر رہی ہے اس لئے اس نے اس حدیث کے راویوں پر کلام نہیں کیا بلکہ صرف اور صرف علامہ عراقی کی تحسین پر اعتماد کرکے آگے چل دیے حالانکہ اس حدیث میں ایک راوی حسن بن ذکوان پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ قدری مذہب والا تھا، اس سے حدیث میں خطاء و وہم ہو جاتی تھی، اور یہ مدلس بھی تھا اور مدلس جب "عن" کے صیغہ سے روایت کرتا ہے تو روایت علت سے خالی نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود شمس الحق عظیم آبادی صاحب بالکل خاموشی اختیار کر گئے اور راوی کی اس کیفیت سے اعراض کر گئے کیونکہ یہ حدیث انکے مذہب کے موافق ہے۔ لیکن جب بات دوسروں کے دلائل کی آتی ہے اور حدیث دوسروں کے مذہب کے موافق ہوتی ہے تو پھر علامہ صاحب اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت عائشہؓ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

> رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے لیکن دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے، اور وہ خود لگاتار روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو لگاتار روزے رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ (ابوداود، کتاب التطوع، باب من رخص فیہما اذا کانت الشمس مرتفعۃ حدیث: ۱۲۸۰)

اسی طرح مسند احمد میں ام سلمہؓ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں:

> "میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم سنت فجر کی قضاء پڑھ لیا کریں جبکہ وہ ہم سے قضاء ہو جائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں

Scanned by CamScanner

''(مسند احمد بن حنبل، ج:۲، ص:۳۱۵، حدیث ام سلمہ، تحقیق شعیب

الارناؤط)

ان دو روایتوں کو ضعیف ثابت کرنے کیلئے علامہ صاحب نے اپنی کتاب اعلام اہل العصر (۱۹۷/۲۰۹) میں خوب زور لگایا اور ان احادیث کو کمزور ثابت کیا ہے حالانکہ محدثین نے ان احادیث کے اسناد کی تصحیح فرمائی ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ یہ احادیث علامہ صاحب کے مذہب کے خلاف ہیں اسلئے وہ ان کو رد کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں حالانکہ یہ احادیث ان متواتر احادیث کے موافق ہیں کہ جن میں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے لیکن پھر بھی وہ ان احادیث کو مجروح قرار دیتا ہے۔ اور جب بات اپنے مذہب کی تائید کی آتی ہے تو پھر وہ حدیث کی تحقیق اور رواۃ پر کلام کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتے اور صرف علامہ عراقی کی تحسین پر خوشی مناتے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کی تحسین کی ہے اور انکی علتوں کو ظاہر کرنے کی زحمت نہیں فرماتے اور ایک لفظ بھی انکے متعلق جناب کی زبان مبارک سے نہیں نکلتا مگر پھر بھی وہ جا کر علامہ نیموی پر اس بات کی وجہ سے رد کرتے ہیں:

> ''کہ جب حدیث انکے مذہب کے خلاف ہوتی ہے تو وہ اس کے راویوں پر کلام کرتا ہے انکے متعلق صرف جرح کے اقوال نقل کرتا ہے اور تعدیل سے چشم پوشی کرتا ہے اور جب حدیث انکے مذہب کے موافق ہوتی تو وہ جرح سے چشم پوشی کرتا ہے اگرچہ وہ حدیث شدید ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور یہی انکی کتاب کے عیوب میں سے ہے۔اھ

اس معترض صاحب کو اپنی آنکھ کے شہتیر سے تو تکلیف نہیں ہوتی لیکن دوسرے کی آنکھ کے تنکے

Scanned by CamScanner

چاہئے۔ اور اگر علامہ عراقی کا اس حدیث کو حسن کہنا صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ حدیث جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں مگر کراہت کیساتھ دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے۔ (ملخصاً وبتغیر یسیر ما اعلاء السنن)

اب اگر کوئی انصاف کی نظر سے دیکھے تو اسے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ احناف حتی الامکان حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب تک حدیث شدید ضعیف نہ ہو اور صریح متواتر کے خلاف نہ ہو یہاں تک احناف کے نزدیک حدیث ضعیف مرسل، مدلس اور منقطع تک قیاس پر مقدم ہے جیسا کہ احناف کے اصول میں یہ بات مصرح ہے پس جو شخص ان پر احادیث رد کرنے کا الزام لگاتا ہے وہ جھوٹا ہے اور ان پر افتراء باندھتا ہے۔ اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے دیکھے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ علامہ شمس الحق صاحب وہی ہیں کہ جو بعض احادیث کو بعض احادیث کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اس مقام پر کیا ہے کہ ایک مرسل روایت کیلئے انہوں نے متواتر احادیث کو رد کر دیا اور نماز فجر کے بعد بغیر کراہت کے سنتیں پڑھنے کی اجازت دے دی اور ان متواتر احادیث کو ضعیف اور خبر واحد کے ساتھ خاص کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب آپ حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ علامہ شمس الحق صاحب کا خود یہ فعل کہ وہ اپنے مذہب کی تائید کیلئے ضعیف حدیث کو بھی صحیح بنا کر پیش کرتے ہیں "دیوار پر مارنے کے قابل ہے کہ نہیں جیسا کہ انہوں نے علامہ عینی کے حوالے سے کہا تھا کہ انکا یہ قول مردود ہے اور ہم اس کو دیوار پر مارتے ہیں۔ لہٰذا ان کا یہ طرز عمل اس قابل ہے کہ ہم اس اس قول کو دیوار پر مار دیں۔

تیسری تصریح:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

"وحديث قيس مرسل، قاله أحمد والترمذي لأنه يرويه محمد بن إبراهيم عن قيس. ولم يسمع منه. وروي من طريق يحيى بن سعيد عن جده وهو مرسل أيضا. (المغني على مختصر الخرقي ج: ٢، ص: ٦٩)

اور قیس کی حدیث مرسل ہے یہ امام احمد اور ترمذی نے فرمایا ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم قیس سے روایت کرتا ہے اور اُس نے اس سے سماع نہیں کیا ہے۔ اور یہ حدیث یحییٰ بن سعید عن جدہ کی سند سے بھی روایت کی گئی ہیں لیکن یہ سند بھی مرسل ہے۔

چوتھی تصریح

علامہ محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں:

"ثم إن حديث الباب مرسل، وعلى إرساله أكثر المحدثين قال أبوداؤد روى عبدربه ابنا سعيد هذا الحديث مرسلا وكذلك يرويه عبد الله بن سعيد أخ يحيى بن سعيد عن جده عند أحمد. كما في "بذل المجهود" ١-٢٦٥ وكأن أبا داؤد رجح الإرسال كما رجح الترمذي الخ. (معارف السنن ج: ٤، ص: ٩٣/٩٤)

پھر یہ کہ حدیث الباب مرسل ہے، اور اس کے ارسال پر اکثر محدثین کا اتفاق ہے، امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ عبدربہ نے سعید کے بیٹوں سے یہ حدیث مرسل روایت کی ہے، اور اسی طرح عبداللہ بن سعید یحییٰ بن

سعید کا بھائی اپنے دادا سے مسند احمد میں روایت کرتا ہے جیسا کہ "بذل المجہود" (۱-۲۹۵) میں ہے اور امام ابوداؤد نے ارسال کو ترجیح دی جیسا کہ امام ترمذی نے ارسال کو راجح قرار دیا ہے۔

دوسری توجیہ:

علامہ خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں:

"والثالث: نهى رسول الله ﷺ عن الصلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس فسكوته عليه السلام لا يحمل على التقرير. (بذل المجهود، ج: ۲، ص: ۲۹۳)

پس جب نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک نماز پڑھنے کی نہی (احادیث صحیحہ سے) ثابت ہے (جسکی تفصیل گزر چکی ہے) تو پھر رسول اللہ ﷺ کے سکوت کو تقریر پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ:

یہ جواب (ابوداود ج: ۱، ص: ۲۰۶ دار الفکر بیروت) کی روایت پر مبنی ہے ابوداود کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "فسکت رسول اللہ ﷺ" اور پھر اگر آپ ﷺ کا سکوت تقریر پر دلالت بھی کرے تو پھر بھی ممانعت والی احادیث قولی ہیں اور قولی حدیث فعلی اور تقریری پر مقدم ہوتی ہے اور ترجیح قولی حدیث کو ہوگی کیونکہ فعلی اور تقریری حدیث قولی حدیث کے مقابلہ میں مرجوح ہوتی ہے اور مرجوح راجح کے مقابلہ میں دلیل نہیں ہوا کرتا پس اس کے ترک کرنے سے حدیث کو ترک کرنا لازم نہیں آتا۔ پس احناف پر احادیث کے ترک کرنے کا الزام بے بنیاد ہے جو کہ تعصب کا نتیجہ ہے۔

Scanned by CamScanner

تیسری توجیہ:

علامہ خلیل احمد سہارنپوری رقمطراز ہیں:

"و اختلاف فیحتمل أن تکون ھذہ الواقعۃ قبل النھی ثم نھی عنہا". (بذل المجھود، ج: ۲، ص: ۲۶۳)

ہوسکتا ہے یہ واقعہ منع سے قبل کا ہو اور بعد میں اس سے روکا گیا ہو۔

چوتھی توجیہ:

"احناف اور حنابلہ کے نزدیک کلمہ "اذن" اس مقام پر منع کیلئے ہے"

"لفظ "اذن کی تحقیق"

کلمہ "فلا اذن" کس چیز سے مرکب ہے:

علامہ کاشمیری حنفی فرماتے ہیں:

"قال العلامۃ الکاشمیری: إن کلمۃ "اذن" فی قولہ تعالی ﴿ولئن أطعتم بشرا مثلکم إنکم إذا لخاسرون﴾ لیست اذا ھذہ الکلمۃ المعھودۃ، وانما ھی "اذا" الشرطیۃ، حذفت جملتھا التی تضاف الیھا وعوض عنھا التنوین، کما فی مؤسنہ" (معارف السنن ج: ۴، ص: ۹۳/۹۴)

کلمہ "اذن" اللہ تعالی کے اس ارشاد ﴿ولئن أطعتم بشرا مثلکم إنکم اذا لخاسرون﴾ یہ کلمہ متبادرہ نہیں ہے بلکہ یہی "اذا" شرطیہ ہے اور اسکے مضاف الیہ جملہ کو حذف کیا گیا ہے اور اسکے عوض میں اسکو

Scanned by CamScanner

تحریف کی گئی ہے جیسا کہ "یوسف" میں کیا گیا ہے۔

کلمہ "فلا اذن" کی مراد میں احناف اور شوافع کا اختلاف

علامہ محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں:

"واختلف الحنفية والشافعية في مراده فقال الحنفية: معناه: "فلا تصل إذن" وإن لم تصلهما فكان قوله ﷺ للإنكار. وقال الشافعية: "معناه: فلا بأس إذن أي جاز أن تصليهما فكان للإقرار دون الإنكار. (معارف السنن ج: ۳، ص: ۹۳/۹۴)

ترجمہ:

کہ "فلا اذن" کی مراد میں احناف وشوافع کا اختلاف ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ: فلا اذن کا مطلب یہ کہ اس وقت سنتیں نہ پڑھو اگرچہ تم نے نہیں پڑھی ہیں پس اس شرح کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا قول انکار کیلئے ہوگا۔ اور شوافع کہتے ہیں کہ "اسکا معنی ہے کہ اس وقت سنتیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے تو اس شرح کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا قول اقرار کیلئے ہوگا نہ کہ انکار کیلئے۔

اعتراض:

فلا اذن میں کلمہ "فا" فصیحہ مربوط ہے ماقبل کیساتھ یعنی اسکا ربط ماقبل کیساتھ ہے نہ کہ انکار کیساتھ جیسا کہ احناف کہتے ہیں، کیونکہ حرف انکار میں فاء داخل نہیں ہوتا، تو اس لحاظ سے شوافع کی شرح درست ہے کہ "فلا اذن" کا معنی فلا بأس ہے اور "فا" کا داخل ہونا اس شرح کے موافق

Scanned by CamScanner

درست ہے؟

جواب:

ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ کلمہ "فا" معرض انکار میں داخل ہی نہیں ہوتا تفصیل مندرجہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

کلمہ "فا" کے معرض انکار میں داخل ہونے کا ثبوت قرآن کریم سے"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"أفسحرٌ هذا أم أنتم لا تبصرون﴾ (الطور)

علامہ زمخشری اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

كما قرره الزمخشري قال في "الكشاف" (٣-١٣٠) في "سورة الطور" في تفسيره "أفسحرٌ هذا" يعني كنتم تقولون للوحي: هذا سحر، أفسحرٌ هذا؟ يريد أهذا المصداق أيضاً سحر؟ ودخلت الفاء لهذا المعنى. ﴿أم أنتم لا تبصرون﴾ كما كنتم لا تبصرون في الدنيا يعني أم أنتم عميٌ عن المخبر عنه كما كنتم عمياً عن الخبر وهذا تقريعٌ وتهكمٌ. اهـ

افسحر ہذا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی کہ تم اس وحی کو جادو کہتے ہو "افسحر ہذا" سے مراد یہ ہے کہ کیا یہ مصداق بھی جادو ہے؟ تو یہاں پر بھی کلمہ "فا" اس معنی (یعنی معنی انکار) پر داخل ہوا ہے) ﴿کیا تم دیکھتے نہیں ہو﴾ جیسا کہ تم دنیا میں نہیں دیکھتے تھے یعنی کیا تم اس (وحی) کی

Scanned by CamScanner

خبر دینے والے سے اندھے ہو جیسا کہ تم اس خبر سے اندھے تھے یہ
تو محض ہٹ دھرمی ہے۔

کلمہ "اِذن" کے انکار کیلئے استعمال کے نظائر"

اب یہ بات سمجھیے کہ پہلی نظیر جو ذکر کی جا رہی ہے یہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ذکر فرمائی ہے اور اس سے پہلے فرمایا ہے کہ:

"ثم تتبعت الامثلة لمثل هذه المحاورة اى استعمال مثل "فلا اذن" للانكار فوجدت نبذة منها ففى مسلم المجلد الثانى ... الخ"

پھر میں نے فلا اذن کے محاورہ کا انکار کیلئے استعمال کی مثالوں کو تلاش کیا تو میں نے کئی مثالیں پائیں جن میں مسلم جلد ثانی میں نعمان بن بشیر کی سند صحیح کی روایت ہے:

پہلی نظیر:

"عن النُّعمان بن بشير قال: انطلق بى ابى يحملنى الى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله اشهد انى قد نحلت النُّعمان كذا وكذا من مالى فقال " أكُلُّ بنيك قد نحلت مثل ما نحلت النُّعمان؟ قال: لا قال: فأشهد على هذا غيرى " ثم قال: "أيسرك أن يكونوا إليك فى البر سواء" قال: بلى قال: "فلا إذن" (العرف الشذى ج: ١، ص: ٨٠، معارف السنن ج: ٣، ص: ٩٣/٩٣)

Scanned by CamScanner

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: "میرے والد صاحب مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ گواہ رہیے کہ میں نے اپنے مال میں سے نعمان کو فلاں فلاں چیزیں ہبہ کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اتنا مال ہبہ کر دیا ہے جتنا کہ نعمان کو؟ تو انہوں کہا کہ نہیں۔۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو تم میرے علاوہ کسی اور کو اس پر گواہ بناؤ! پھر فرمایا کہ تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ تمہاری اولاد بھلائی میں تمہارے لئے برابر ہو" انہوں کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ ﷺ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔

فائدہ:

اس مثال میں رسول اللہ ﷺ نے نعمان بن بشیرؓ کو کلمہ "فلا اذن" فرما کر منع فرمایا کہ ایسا نہ کرو بعض اولاد کو بعض پر ہبہ میں برتری نہ دو۔ پس اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کلمہ "فلا اذن" انکار کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تخریج امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں کتاب الھبات باب کراھیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ (۱۱/ ۵۸) پر فرمائی ہے۔

کلمہ اذن کے انکار کیلئے استعمال کے دیگر نظائر سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ کلمہ نہ انکار میں نص ہے اور نہ ہی اقرار میں مطلب یہ ہے کہ کلمہ اذن کا استعمال بہت سے احادیث میں اقرار کیلئے بھی ہوا ہے اور بہت سی احادیث میں انکار کیلئے بھی ہوا ہے مندرجہ ذیل میں جو چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں ان مثالوں کی طرف علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اعلاء السنن پر تعلیقات میں

اشارہ فرمایا ہے جن مثالوں کو علامہ یوسف بنوری نے معارف السنن میں جمع فرما کر ایک ہی مقام پر ان کی تخریج فرمادی ہے اور ان مثالوں کے متعلق یوسف بنوری فرماتے ہیں:

"أقول: ولهذا نظائر أُخر، وإن كان بعضها غير صريح في الانكار فنذكر ها هنا ما وقفنا عليه.

میں کہتا ہوں کہ: "اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں اگرچہ ان میں بعض انکار میں غیر صریح ہیں پس ہم یہاں پر وہ ذکر کرتے ہیں جو ہمارے علم میں ہیں۔

مندرجہ ذیل نظائر کو علامہ یوسف بنوری نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے:

دوسری نظیر:

"عن عائشة رضي الله عنها: أن صفية بنت حيي زوج النبي ﷺ حاضت فذكرت ذلك لرسول الله ﷺ فقال (أحابستنا هي) قالوا إنها قد أفاضت قال (فلا إذا) (صحيح البخاري، أبواب الحج، باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت، ج ۱ ص: ۲۳۵)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ صفیہ بنت حیی نبی کریم ﷺ کی زوجہ حائضہ ہوئی تو میں نے اسکا ذکر رسول ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس نے ہمیں طواف سے روک لیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہم پر حبس نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

تیسری نظیر:

مشکل الآثار میں امام طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ کی ایک طویل حدیث روایت فرمائی ہیں جس میں ہے:

"فقال: "هل قال يوما واحدا اللهم إني أعوذ بك من نار جهنم" قلت: لا ما كان يدري ما جهنم. قال: "فلا إذن"

(مشکل الآثار، ج:۳، ص:۳۰، مکتبہ عمریہ کوئٹہ)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "کیا اس نے ایک دن بھی یہ دعا مانگی ہے کہ اے اللہ میں تم سے جہنم کی آگ سے پناہ مانگتا ہوں"؟ میں نے کہا کہ نہیں وہ یہ نہیں جانتا کہ جہنم کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر بھی نہیں۔

چوتھی نظیر:

علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

"ومنها ما في الصحيح في حديث طويل في (باب قول الله تعالى: ﴿ويوم حنين إذ أعجبتكم كثرتكم﴾ الخ) وفيه: فقال أبوبكر: "لا ها الله إذا" (معارف السنن، ج:۴، ص:۹۵)

اور اسی طرح صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث جو کہ (باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم﴾ الخ میں ہے اور اسمیں ہے ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اب نہیں۔

Scanned by CamScanner

پانچویں نظیر:

وَمِنْهَا مَا فِي "الكنى للدولابي (۲-۱۶۱) يعني حديث عبد الله بن الزبير: "إذا رأيت الإخلاص يضر معه عمل؟ فقال لا والله بلى" (الكنى للدولابي ج: ۲، ص: ۱۶۱، معارف السنن ج: ۳، ص: ۹۵)

جب تم عمل میں اخلاص دیکھو تو کیا پھر اخلاص کے ساتھ کوئی عمل نقصان دے سکتا ہے؟ تو فرمایا کہ اللہ کی قسم کچھ نہیں۔

چھٹی نظیر:

"وَمِنْهَا مَا فِي "الفتح" (۱۲-۱۳۸): فقال عمر: "سيفان في غمد إذًا لا يصطلحان. (فتح ج: ۱۲، ص: ۱۳۸، معارف السنن ج: ۳، ص: ۹۵)

عمرؓ نے فرمایا کہ دو تلواریں ایک نیام میں کسی بھی وقت درست نہیں ہو سکتیں۔

ساتویں نظیر:

"وَمِنْهَا مَا فِي حديث جابر بن عبد الله عند الترمذي في الأشربة في (باب الرخصة أن ينتبذ في الظروف): نهى رسول الله ﷺ عن الظروف فشكت إليه الأنصار فقالوا: ليس لنا وعاء. قال: فلا إذًا" (الجامع الترمذي ج: ۲، ص: ۹، معارف السنن ج: ۳، ص: ۹۵)

Scanned by CamScanner

رسول ﷺ نے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا تو انصار نے
عرض کیا اور کہا کہ ہمارے پاس دوسرے برتن نہیں ہیں تو رسول
ﷺ نے فلا اذن فرمایا کہ پھر اجازت ہے۔

جس زمانے میں شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی تو لوگ جن برتنوں میں شراب بنایا کرتے تھے رسول ﷺ نے شراب کی حرمت کے بعد ان برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا تا کہ ان کو دوبارہ اس کی خواہش نہ ہو جائے اس پر انصار نے عرض کیا کہ ان برتنوں کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور برتن نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ضرورت کی وجہ سے ان کو اجازت دے دی۔

"ارشاد الحق اثری صاحب کے اوہام واعتراضات کا جائزہ"

ارشاد الحق اثری صاحب سے علامہ بنوری کی تحقیق انیق ہضم نہ ہو سکی تو وہ علامہ بنوری کی بیان کردہ نظائر پر اعتراض کرکے کہتے ہیں کہ:

"علامہ بنوری نے "فلا اذن" کا معنی انکار کیلئے ثابت کرنے اور علامہ کشمیری کی تائید اور تلمذ کا حق ادا کرنے کیلئے کئی مثالیں ذکر کی ہیں تو اس ضمن میں انکا شیخ سہارنپوری پر اعتراض کرنا کوئی بعید بات نہیں ہے بلکہ یہ طبعی بات ہے اس کی ہم ان سے شکایت نہیں کرتے لیکن کیا اسکے باوجود عدم تقلید بالاصول جائز ہے۔؟

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خود "فلا اذن" کے انکار والے معنی کی تقریر کیلئے صحیح بخاری کتاب الاطعمہ سے جو مثال پیش کی ہے اور تحقیق یہ کہ تم نے ابن حجر اور شیخ سہارنپوری کا یہ قول پڑھا ہے کہ انہوں اس مقام پر "فلا اذا" کا معنی ان برتنوں کے استعمال کے جواز کا بیان

Scanned by CamScanner

کیا ہے نہ کہ منع کرنے کا لیکن شیخ بنوریؒ نے شارحین حدیث کی شرح سے چشم پوشی فرما کر اس کا محمل منع کے معنی پر کیا ہے اور اسی تقدیر سے دوسرے مسائل کا حال بھی ہو سکتا ہے جو انہوں نے اس باب میں ذکر کی ہیں۔ اھ (بعض احکام رکعتی الفجر علی ذیل اعلام اہل العصر ص: ۲۹۶)

جواب اعتراض:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ علامہ یوسف بنوریؒ "فلا اذاً" کا معنی "انکار" کا کرنے میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ حنابلہ بھی "فلا اذاً" کا معنی "انکار" کرنے کا بیان کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ المغنی علی مختصر الخرقی میں حدیث قیس کو نقل فرما کر فرماتے ہیں:

"وهذا يحتمل النهي. وإذا كان الأمر هكذا كان تأخيرها الى وقت الضحى أحسن لنخرج من الخلاف ولا نخالف عموم الحديث.....المغني المغني على مختصر الخرقي ج: ۲، ص: ۹۶)

اور یہ کہ (فلا اذاً) نہی کا احتمال رکھتا ہے اور جب معاملہ ایسا ہے تو سنت فجر کو چاشت کے وقت تک مؤخر کرنا بہت بہتر ہے تاکہ ہم اختلاف سے نکل سکیں، اور ہم حدیث کے عموم کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

اب اس تصریح سے آپ حضرات خود اندازہ لگائیں کہ علامہ ابن قدامہؒ نے بھی حدیث میں "فلا اذاً" کا معنی نہی کا بیان فرمایا کہ یہ نہی کا احتمال رکھتا ہے۔ لیکن ارشاد الحق اثری صاحب کو تو

فقہ سے فرصت ہے وہ تو صرف احناف کی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور وہ بھی اسلئے کہ ان پر رد کر سکیں ان کو فقہ حنبلی یا دیگر مذاہب کی فقہ کی کتابوں کو دیکھنے کی فرصت کہاں ہے کہ وہ یہ بات جان سکے کہ "فلا اذا" کے انکار والے معنی کا مذہب صرف احناف کا نہیں بلکہ حنابلہ بھی اسکے احتمال کے قائل ہیں۔

قولہ:

اور ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

> اور عجیب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خود "فلا اذا" کے انکار والے معنی کی تقریر کیلئے صحیح بخاری کتاب الاطعمہ سے جو مثال پیش کی ہے، اور تحقیق یہ کہ تم نے ابن حجر اور شیخ سہارنپوری کا یہ قول پڑھا ہے کہ انہوں اس مقام پر "فلا اذا" کا معنی ان برتنوں کے استعمال کے جواز کا بیان کیا ہے نہ کہ منع کرنے کا لیکن شیخ نوری نے شارحین حدیث کی شرح سے چشم پوشی فرما کر اس کا محمل منع کے معنی پر کیا ہے اور اسی تقدیر سے دوسری مثالوں کا حال بھی ہوسکتا ہے جو انہوں نے اس باب میں ذکر کی ہیں۔ اھ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

یہ ارشاد الحق اثری صاحب کا وہم ہے جو انہوں نے کہا ہے کہ:

> "اور عجیب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خود "فلا اذا" کے انکار والے معنی کی تقریر کیلئے صحیح بخاری کتاب الاطعمہ ...... الخ"

Scanned by CamScanner

علامہ محمد یوسف بنوری نے یہ مثال صحیح بخاری کتاب الاطعمہ سے نہیں بلکہ ترمذی کتاب الاشربہ کے حوالہ سے بیان کی ہے لیکن ارشاد الحق اثری صاحب کے وہم کا کیا کریں کہ وہ لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ وہ معارف السنن میں کتابت کی غلطی کو بھی نہیں پہچان سکے معارف السنن میں علامہ یوسف بنوری فرماتے ہیں:

"ومنها مثل حديث جابر بن عبد الله عند الترمذي في الأطعمة"

حالانکہ یہ حدیث ترمذی میں کتاب الاطعمہ میں نہیں بلکہ کتاب الاشربہ میں ہے اور یہ کاتب کی غلطی سے کتاب الاشربہ کی جگہ کتاب الاطعمہ لکھا گیا ہے لیکن ارشاد الحق اثری صاحب نے صرف "کتاب الاطعمہ" کو دیکھا لیکن "عند الترمذی" کی تصریح نہیں دیکھی اور اس وجہ سے اُس نے معارف السنن کی عبارت میں تصحیف کر ڈالی کہ "عند الترمذی فی الاطعمہ" کی جگہ "کتاب الاطعمہ من صحیح البخاری" کو بنا لیا اب آپ بتائیں کہ تعجب علامہ یوسف بنوری پر ہونی چاہیے یا کہ ارشاد الحق اثری صاحب پر؟ یقینا قابل تعجب ارشاد الحق اثری صاحب ہی ہیں!

قول:

اور ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

اور تحقیق یہ کہ تم نے ابن حجر اور شیخ سہارنپوری کا یہ قول پڑھا ہے کہ انہوں اس مقام پر "فلا اذا" کا معنی ان برتنوں کے استعمال کے جواز کا بیان کیا ہے نہ کہ منع کرنے کا لیکن شیخ بنوری نے شارحین حدیث کی شرح سے چشم پوشی فرما کر اس کا محمل منع کے معنی پر کیا ہے اور اسی تقدیر سے دوسرے مثالوں کا حال بھی ہو سکتا ہے جو انہوں نے اس باب میں

Scanned by CamScanner

ذکر کی ہیں۔ اھ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

یہ کہنا بھی ارشاد الحق اثری صاحب کا وہم ہے کہ انہوں نے علامہ یوسف بنوری کی بیان کردہ اس حدیث کو بالجزم انکار کے معنی ہی کیلئے سمجھا حالانکہ یہ احادیث بیان کرنے سے پہلے خود علامہ یوسف بنوری نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ:

"ولها نظائر اُخر وان كان بعضها غير صريح في الانكار ... الخ (معارف، ج:۳، ص:۹۵)

اور اسکی (یعنی کہ فلا اذن کے استعمال کی) بہت سی مثالیں ہیں اگرچہ بعض اس میں انکار کے معنی میں صریح نہیں ہیں۔

اب یہاں سے یہ بات معلوم ہوگی کہ علامہ یوسف بنوری کے نزدیک اس حدیث میں "فلا اذن" کا کلمہ انکار میں صریح نہیں ہے یعنی انکے نزدیک یہ بالجزم انکار کیلئے نہیں ہے تو پھر علامہ یوسف بنوری پر یہ الزام لگانا کہ انہوں نے دیگر شراح حدیث کی شرح سے چشم پوشی کی ہے انہوں نے "فلا اذن" کا معنی جواز کا بیان کیا ہے اور یوسف بنوری نے عدم جواز کیلئے دلیل بنالیا۔ پس یہ الزام قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ یوسف بنوریؒ نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"ان كلمة "فلا اذن" ليس نصاً في الاقرار كما انه ليس نصاً في الانكار. (معارف السنن، ج:۳، ص:۹۸)

اور یہی بات کہ "فلا اذن" کی تو یہ اقرار میں نص نہیں ہے جیسا کہ انکار

میں بھی نص نہیں ہے۔

اب ان تصریحات کے باوجود بھی یوسف بنوری پر یہ اعتراض کرنا کہ انہوں نے حدیث میں "فلا اذن" کو جواز سے انکار پر محمول پر فرما کر دیگر محدثین کی مخالفت کی ہے تعصب وعناد کے سوا کچھ بھی نہیں۔

واذا اتتک مذمتی من ناقص　　فهي الشهادة لي بأني كامل

پانچویں توجیہ:

علامہ یوسف بنوری فرماتے ہیں:

"قال شيخنا: لما سبق إنكاره ﷺ فكونه بعده لا يدل على الإذن، ونظيره ما عند النسائي في "سننه" (١-٢١٣) (باب المقام الذي يقصر بمثله الصلاة) من حديث عائشة: "قالت يا رسول الله ﷺ بأبي أنت وأمي قصرت وأتممت وأفطرت وصمت، فقال: أحسنت يا عائشة". وذلك في حجة الوداع. فظاهره يدل على أن الصوم وإتمام الصلاة في السفر كل ذلك حسن، ولم يثبت في واقعة واحدة إتمامه ﷺ الصلاة في السفر، وكذا لم يثبت عن الشيخين أبي بكر وعمر وتمسكوا بأمره ﷺ على القصر في السفر باعتراف المحدثين حتى أنكر الحافظ ابن تيمية جواز الإتمام. فكما أنه ﷺ أغمض عن فعل عائشة وتجاوز عنه ﷺ ولم يعب عليها فعلها لتقدم علمها بالمسألة فكذا ههنا في حديث الباب سامحه لعلم علمه بأن كان قوله

ﷺ لها: "أحسنت" لا يدلُّ على أنَّ الإتمام جائز، فكيف يدلُّ نفس سكوته على الإباحة فضلاً عن مطلبة. (معارف السنن، ج: ۳، ص: ۹۵/۹۶)

ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ: "جب ماقبل میں رسول اللہ ﷺ کا انکار گزر چکا تو پھر اس کے بعد آپ ﷺ (قیس کے اس عمل پر) سکوت اجازت پر دلالت نہیں کرتا اور اسکی نظیر امام نسائی کی "سنن نسائی" میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے (انہوں) نے کہ: "یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے سفر میں نماز میں قصر بھی کیا اور اتمام بھی کی روزے بھی رکھے اور افطاری بھی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ تم نے اچھا کیا"۔ اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، یہ (حدیث) ظاہراً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا اور نماز میں اتمام کرنا یہ سب چیزیں مستحسن ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ سے کسی ایک واقعہ میں بھی سفر میں اتمام ثابت نہیں ہے، اور اسی طرح نہ ہی شیخین ابوبکرؓ وعمرؓ سے سفر اتمام ثابت ہے، اور باعتراف محدثین سفر میں آپ ﷺ کی عادۃ مستمرہ قصر کرنے ہی پر رہی یہاں تک حافظ ابن حزمؒ نے سفر میں اتمام کے جواز سے بھی انکار کر دیا...... پس جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس عمل میں مسئلہ کی ناواقفیت کی وجہ سے چشم پوشی فرمائی اور عدم علم کی وجہ سے انکی اس عمل کو معیوب نہ سمجھا تو بالکل اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت

Scanned by CamScanner

قیس کے عمل کو بھی اسکے عدم علم کی وجہ سے معیوب نہ سمجھا اور مسامحت کی تو اگر آپ ﷺ کا حضرت عائشہ کو "أحسنت" کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اتمام جائز ہے تو پھر آپ ﷺ کا حضرت قیس کے عمل پر محض سکوت (نماز فجر کے بعد) سنت فجر پڑھنے کی اباحت پر کیسے دلیل بن سکتا ہے؟

چھٹی توجیہ:

علامہ عینی فرماتے ہیں:

"استقرت القاعدة أن المبيح والحاظر إذا تعارضا جعل الحاظر متأخرا وقد وردت نهي كثير في أحاديث كثيرة الخ. (عمدة القاري شرح البخاري، ج:۵، ص:۸۷)

یہ قاعدہ مستقرہ ہے کہ جب مباح اور ممنوع چیز کا آپس میں تعارض ہو جائے تو ممنوع چیز مباح چیز سے مؤخر ہوگی، اور تحقیق یہ کہ (اوقات مکروہا میں نماز پڑھنے سے) نہی احادیث (صحیحہ) میں کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

"شمس الحق عظیم آبادی اور علامہ عینی پر اعتراض"

علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے علامہ عینی کے مذکورہ قاعدے پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اور خلاصہ کلام یہ کہ جب منع والی احادیث پر مختلف انواع کی تخصیص داخل ہوئی ہے تو پھر نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنا بھی اسی قبیل سے

ہے اور یہی حق ہے جسکے سوا چارہ کار نہیں اور اس سے شیخ بدرالدین عینی کا یہ قول بھی باطل ہو گیا جو کہ انہوں نے عمدۃ القاری میں حدیث قیس کے بعد ذکر کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں: "میں کہتا ہوں کہ یہ مسلم قاعدہ ہے کہ جب ممنوع اور مباح چیز آپس میں متعارض ہوں تو ترجیح ممنوع کو ہوگی اور تحقیق یہ کہ نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنے کی ممانعت پر بہت سی احادیث میں نہی وارد ہوئی ہے۔ اھ

کیونکہ دو متعارض حدیثوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے تطبیق کرنا لازم ہے اور اس صورت میں بعض سنن کو بعض سنن کی وجہ سے رد کرنا لازم آتا ہے اور یہ بہت ہی قبیح فعل ہے جسکو کوئی بھی سلیم الطبع شخص قبول نہیں کر سکتا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ قاعدہ انکے مذہب کے بہت سے مسائل کو رد کر دیتا ہے، جیسا کہ ذکر کے چھونے سے اور اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کا نہ ٹوٹنا تو پھر یہ وضوء ٹوٹنے والی احادیث کو ترجیح کیوں نہیں دیتا۔ (اعلام اہل العصر، ص:۲۰۸)

جواب:

ہم شمس الحق عظیم آبادی صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ جب ہم نے ابوہریرۃ کی حدیث "اذا اقیمت الصلاۃ ..... الخ کی تخصیص ابوہریرۃ کی دوسری حدیث "لا تدعوھما وان طردتکم الخیل" سے کی اور تطبیق کی راہ نکالی کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے اور بہت سے صحابہ کرامؓ کے عمل سے اس حدیث کی تخصیص ثابت ہے تو وہاں پر علامہ صاحب کی زبان تلوار کی طرح چلتی ہے اور فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

"بل لا یجوز تخصیصها ومن خصصها فهو معاند
متعصب ... الخ"
بلکہ اس حدیث کی تخصیص جائز نہیں ہے اور جو شخص اس میں تخصیص
کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے۔

حالانکہ ہم نے جس حدیث سے "اذا اقیمت الصلاۃ ... الحدیث" میں تخصیص کی ہے وہ دونوں احادیث قوت میں برابر ہیں یعنی دونوں مرفوع احادیث ہیں لیکن اسکے باوجود علامہ صاحب کو احناف سے تعصب و عناد کی وجہ سے وہ تخصیص راس نہ آئی اور اتنے آگے بڑھ گئے کہ بغیر سوچے سمجھے صحابہ کرام تک کی شان میں بے ادبی کر گئے لیکن جب بات اپنے مذہب کی آئی تو پھر وہاں پر ضعیف اور مرسل روایات سے متواتر احادیث کی تخصیص کر کے کہتے ہیں کہ:

"کیونکہ دو متعارض حدیثوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے تطبیق کرنا لازم
ہے"

شمس الحق عظیم آبادی صاحب کو سنت فجر بعد الاقامت کے وقت تو تطبیق کا خیال نہ آیا اور نہ ہی یہ کہنے کی فکر ہوئی کہ:

"اور اس صورت میں بعض سنن کو بعض سنن کی وجہ سے رد کرنا لازم
آتا ہے اور یہ بہت ہی قبیح فعل ہے جسکو کوئی بھی سلیم الطبع شخص قبول
نہیں کر سکتا"

اب آپ حضرات خود اندازہ لگائیں کہ بعض سنن کو بعض سنن کی وجہ سے رد کرنے والا اور فعل قبیح کا مرتکب کون ہے شمس الحق عظیم آبادی صاحب یا احناف؟

اور کیا اب ہمیں یہ اجازت دی جا سکتی ہے کہ ہم شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا یہ جملہ:

Scanned by CamScanner

"بل لا یجوز تخصیصها ومن یخصصها فهو معاند
متعصب' ..... الخ"

بلکہ اس حدیث کی تخصیص جائز نہیں ہے اور جو شخص اس میں تخصیص
کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے۔

ان کے حق میں استعمال کریں کہ جو شخص متواتر احادیث میں ضعیف اور مرسل روایات سے تخصیص کرتا ہے وہ خود معاند اور متعصب ہے بلکہ اسکی تخصیص ان جیسی روایات سے جائز نہیں ہے۔ تو شاید یہ بات انکے چہیتوں کو ناگوار معلوم ہو اور وہ ہم پر آسمانی بجلی کی طرح برس پڑیں لیکن کیا کریں معاملہ ہی ایسا ہے انکے متعلق اسکے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اور شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا یہ کہنا کہ:

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ قاعدہ انکے مذہب کے بہت سے مسائل کو
رد کر دیتا ہے، جیسا کہ شرمگاہ کے چھونے سے اور اونٹ کا گوشت کھانے
سے وضوء کا نہ ٹوٹنا تو پھر یہ وضوء ٹوٹنے والی احادیث کو ترجیح کیوں
نہیں دیتا۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ احناف کا یہ قاعدہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان احادیث میں یہ قاعدہ اسلئے نہیں چلے گا کہ ان احادیث میں تطبیق ممکن ہے کہ حضرت بسرۃ کی روایت کو استحباب پر محمول کیا جائے گا یعنی جو شخص اپنے عضو تناسل کو بغیر حائل کے ہاتھ لگائے تو اسکے لئے ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے اور حضرت طلق بن علی کی حدیث کو جواز پر محمول کیا جائے گا کہ جو شخص اپنے عضو تناسل کو ہاتھ لگائے تو اگر وہ ہاتھ نہ دھوئے تو اسکے لئے اسکی گنجائش ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ

Scanned by CamScanner

آدمی اپنے ہاتھوں کو دھو لے تا کہ اختلاف سے بچ سکے اسکی وضاحت کرتے ہوئے علامہ حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں:

"لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام" الدر المختار مع ردالمحتار، ج: ۱، ص: ۴۰۲

لیکن ہاتھوں کا دھونا مندوب ہے اختلاف سے نکلنے کیلئے اور خاص کر امام کیلئے۔

پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ احناف دونوں حدیثوں پر عمل کرنے کا کہتے ہیں کہ ایک حدیث کو استحباب پر محمول کیا جائے گا اور دوسری کو جواز پر۔

اور علامہ شمس الحق صاحب کے قول کے مطابق اگر اس قاعدہ کو ان احادیث میں جاری کر دیا جائے تو پھر ایک حدیث پر عمل کا چھوڑنا لازم آتا ہے جبکہ دونوں احادیث اس قابل ہیں کہ دونوں پر عمل کیا جائے رہی بات حضرت قیس کی روایت کی تو وہ ایک مرسل روایت ہے جو احادیث متواترہ کے برابر نہیں ہو سکتی اسلئے وہاں پر احناف کا یہی قاعدہ چلے گا کہ حرمت واباحت میں تعارض کے وقت ترجیح حرمت کو ہوگی اور حرمت اباحت کیلئے ناسخ ہوگی۔

منع والی احادیث راجح ہیں اور اسکے مخالف میں حضرت قیس کی روایت مرجوح ہے اور راجح کی مخالفت میں مرجوح دلیل نہیں ہوا کرتا پس مرجوح کے ترک کرنے سے حدیث کا ترک کرنا لازم نہیں آتا۔

اور رہی بات اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے حکم والی حدیث کی تو جمہور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اس حدیث میں وضو سے مراد وضو لغوی ہے یعنی ہاتھ دھونا کیونکہ اونٹ کے گوشت میں چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے اسلئے ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس اس حدیث پر بھی احناف کا

عمل ہے

لہٰذا اس وضاحت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ مذکورہ بالا قاعدہ احناف کا مسلم قاعدہ ہے اور اس سے احناف کے مذہب کا کوئی بھی مسئلہ رد نہیں ہوتا پس یہ اعتراض علامہ صاحب کے وہم پر مبنی ہے جو کہ مردود ہے۔

آٹھویں توجیہ:

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"أنّ الحديث لم يثبت فلا يكون حجة على أبي حنيفة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ج: ۳ص: ۱۲۰.

یہ حدیث جب ثابت ہی نہیں تو امام ابوحنیفہؒ پر حجت نہیں بن سکتی۔

نویں توجیہ:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا قیسؓ کو یہ کہنا "أصلاتان معا" کہ کیا ایک ساتھ دو نمازیں ہیں؟ تو اس میں استفہام انکار کیلئے ہے کہ آپ ﷺ حضرت قیسؓ کے اس عمل پر غصہ کی وجہ سے خاموش ہوئے نہ کہ اس پر رضامندی کی وجہ سے تفصیل مندرجہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

"كان استفهام النبي ﷺ على سبيل الإنكار بقوله "أصلاتان معا" يدل على أنه سكت غضبا لا رضاه على فعله كما أن سكوت فاطمة في مقابلة قول النبي ﷺ "أتحبين أن يعذبك الله تعالى عليك ورسوله لها لا يدل على رضائها وتقرير قوله ﷺ وكما أن سكوت عمر بن الخطاب في قصة

الجمعة وتهيئة وخلافه على رحمين في موضع صلاة يكون العشاء والفاصل لا يدلّ على رضاء عمر بن الخطاب".(تقرير الترمذي ج: ١ ص: ١١٧ ، افادات شيخ الهندؒ.)

نبی کریم ﷺ کا قیس سے "کیا دو نمازیں ایک ساتھ" پوچھنا بطور انکار کے تھا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی (قیس کے اس عمل پر) خاموشی غصہ کی وجہ سے تھی نہ کہ آپ کی رضاء کی وجہ سے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا نبی کریم ﷺ کے اس قول "أتخافين أن يحيف الله تعالى عليك ورسوله" کے مقابلے میں خاموشی اختیار کرنا عائشہؓ کی رضاء پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی آپ ﷺ کے قول کی تقریر پر، اور جیسا کہ حضرت عمرؓ کی خاموشی اور زجر جمعہ کے قصہ میں اُس شخص پر جس نے سنتیں فرض نماز کی جگہ بغیر تقدیم وتاخیر کے پڑھیں حضرت عمرؓ کے رضاء پر دلالت نہیں کرتی۔

اعتراض:

یہ حدیث مرسل ہے جیسا کہ ماقبل میں امام ابوداؤد کے حوالہ سے گزرا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے ارسال کو ترجیح دی ہے اور تمہارے یعنی احناف کے نزدیک حدیث مرسل قابل قبول ہے اور خاص کر اس وقت جبکہ وہ حدیث مرسل کئی وجوہ سے روایت کی جائے تو وہ سب کے نزدیک حجت ہوجاتی ہے تو پھر تم لوگ اس حدیث سے استدلال کیوں نہیں کرتے؟

جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

قُلْنَا نَعَمْ وَلٰكِنَّهُ لَا يَصْلُحُ مُعَارِضًا لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ الْمَشْهُوْرِ وَالْمُتَوَاتِرِ وَلَا مُخَصِّصًا لَّهُ بَلْ لَا بُدَّ مِنْ إِرْجَاعِهِ إِلَى الْمُتَوَاتِرِ وَحَمْلِهِ عَلٰى مَعْنًى يُّوَافِقُهُ وَلَا يُؤَوَّلُ الْمُتَوَاتِرُ وَالْمَشْهُوْرُ لِأَجْلِهِ لِأَنَّ الضَّعِيْفَ يَرْجِعُ إِلَى الْقَوِيِّ وَيُحْمَلُ عَلَيْهِ لَا بِالْعَكْسِ كَمَا لَا يَخْفٰى. (إعلاء السنن: ج:7، ص:131)

ہم کہتے ہیں کہ ہاں (یہ تو ٹھیک ہے کہ حدیث مرسل ہمارے ہاں حجت ہے) لیکن یہ مرسل حدیث مشہور اور متواتر کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ ہی ان کیلئے مخصص بن سکتی ہے بلکہ ضرور اس کا رجوع متواتر کی طرف ہوگا اور اسکو ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو کہ متواتر کے موافق ہو اور اسکی وجہ سے (حدیث) متواتر اور مشہور میں تاویل نہیں کی جائے گی کیونکہ ضعیف قوی کی طرف پھرتا ہے اور اس پر محمول کیا جاتا ہے اور اسکے برعکس نہیں کیا جاتا ہے کہ (اہل علم پر) یہ بات مخفی نہیں ہے۔

دسویں توجیہ:

نماز فجر کے بعد سنتوں اور نوافل کی ممانعت میں جتنی روایات وارد ہوئی ہیں وہ قولی حدیثیں ہیں اور یہ ایک مسلم اصول ہے کہ قولی حدیث فعلی اور تقریری کے مقابلہ میں راجح ہوتی ہے تو حضرت قیس کی روایت کو اگر ہم تنزلا رسول ﷺ کی تقریر بھی سمجھیں تو پھر بھی حضرت قیس کی روایت مرجوح ہے اور قولی احادیث راجح ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی خاموشی حضرت قیس کی خصوصیت کا

Scanned by CamScanner

احتمال بھی رکھتی ہے اور یہ ایک خاص واقعہ ہے جس پر عمومی حکم نہیں لگایا جاسکتا یعنی صحابہ کرام کی عام عادت نماز فجر کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنے کا نہ تھا لہٰذا اس وجہ سے بھی یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔

"واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم"

تمت بالخیر ۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق یکم جنوری ۲۰۱۳ء

Scanned by CamScanner

حصہ دوم

""الترجیحات فی کشف الشبہات الواہیات"

"سنت فجر کے متعلق ایک غیر مقلد کے شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ"

"عرض حال"

"کشف الغطور من سنۃ الفجر" کا پہلا حصہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا کہ اسی اثناء میں احقر کے مرشد و مربی حضرت مولانا شیخ سجاد الحجابی دامت فیوضہ و برکاتہ نے احقر کو چند مسودات عنایت فرمائے کہ ایک غیر مقلد نے احناف کی سنت فجر کے دلائل پر جرح لکھی ہے اسکا جواب بھی اگر لکھا جائے تو مناسب ہوگا تاکہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو جائے۔ چنانچہ احقر نے جب ان مسودات کا مطالعہ کیا تو ان میں اکثر وہی شبہات تھے جو پہلے سے غیر مقلدین حضرات کرتے چلے آرہے ہیں کوئی خاص شبہات نہیں تھے اور بیشتر شبہات کے جوابات احقر پہلے سے بیان کر چکا ہے۔

لہذا اس حصہ میں احقر صرف ان شبہات کا جواب لکھے گا جو نئے ہیں یا پہلے جواب کی تفصیل کی اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اسکو دوبارہ مفصلاً ذکر کیا جائے گا۔

یہ حصہ ان مسودات کی ترتیب پر ہے جو غیر مقلدین کی طرف سے احناف کو ملے ہیں چونکہ اصل مسودات عربی میں تھے جو کہ عوام کی سمجھ سے بالاتر تھے تو احقر نے ان شبہات کو اردو میں نقل کیا ہے نیز عربی کے مسودات کا صحیح ترجمہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف موضوع سے متعلق جو شبہات تھے ان کا خلاصہ نقل کر کے جواب دیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھیں اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر ہمیں حق کی تلاش وجستجو کی توفیق بخش دے۔ آمین

Scanned by CamScanner

احناف کی پہلی حدیث:

"ولنا ما روی عن حجاج بن نصیر عن عباد بن کثیر عن لیث عن عطاء عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال: "اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الصبح. رواہ البیھقی.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو پھر سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں سوائے سنت فجر کے۔

غیر مقلد معترض کی حدیث کی سند پر پہلی جرح:

پہلی جرح اس حدیث کی سند پر یہ کی گئی ہے کہ:

"اس حدیث کی ابتداء میں ایک راوی مجہول ہے کہ وہ کون ہے؟، بلکہ مبہم ہے اور مبہم کی تعریف یہ ہے: "مبہم وہ حدیث ہے کہ جس میں راوی کا نام ذکر نہ کیا جائے بلکہ اسکو مبہم اور پوشیدہ رکھا جائے۔ اس حدیث کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس میں راوی کا نام بتایا نہ جائے اسکو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدیث کو قبول کرنے کی شرط راوی کی عدالت ہے اور جسکے نام ہی کو مبہم رکھا جائے تو اس کی عین کی پہچان کیسے ہو گی؟ تو جب عین کی پہچان نہ ہو تو اسکی عدالت کی پہچان کیسے ہو گی؟ پس مجہول راوی کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی" ۔[ا۵]

Scanned by CamScanner

جواب:

یہ حدیث امام بیہقی نے ایک مقام پر یوں ہی روایت کی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے چونکہ یہ روایت اس مقام پر صیغہ تمریض کیساتھ روایت کی گئی ہے جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں ایک راوی مجہول ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں کوئی بھی راوی مجہول نہیں ہے کیونکہ امام بیہقی نے اسکے بعد اپنی سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

"اَنبأنا اَبُوبکر بن الحارث انبأنا اَبُو محمد بن حیان ثنا محمد

بن ابراهیم بن داؤد ثنا اَبُو عمرو الحلبی السنوسی ثنا حجاج

بن نصیر .فذکر فو سنن بیهقی ، ج: ۲، ص: ۴۸۳)

پس اس سند کی رو سے راوی کی جہالت ختم ہو گئی اور معترض صاحب کا شبہ رفع ہو گیا اگر چہ خود معترض صاحب نے بھی یہ سند اپنے مسودات میں بیان کی ہے لیکن اس طرف شاید ان کی نظر نہیں گئی اور امام بیہقی نے اس سند کو بیان کرنے کے بعد ہی فرمایا ہے کہ اس زیادتی یعنی "ولا رکعتی الصبح" کی کوئی اصل نہیں ہے اور حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر دونوں ضعیف راوی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر اس روایت میں راوی کی جہالت کی بات ہوتی تو امام بیہقی اس پر ضرور تنبیہ فرماتے۔ امام بیہقی کے علاوہ دیگر محدثین مثلاً علامہ شوکانی، شمس الحق عظیم آبادی، اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، وغیرہ حضرات نے بھی اس حدیث کے متعلق صرف وہی کلام نقل کیا ہے جو کہ امام بیہقی کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ راوی کی جہالت کا ذکر کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔

دیکھیے تحفۃ الاحوذی۔

، ج: ۲، ص: ۳۰۲، اعلام اهل العصر، ص: ۱۳۳ نیل

الاوطار، ابواب الصلاة مایبطل الصلاة، باب النهی عن

Scanned by CamScanner

الطلوع بعد الاقامۃ.

پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ جہالت راوی کا یہ ڈھونگ رچانا صرف معترض صاحب کو ہی سوجھا کیونکہ اس کے مذہب کے اکابرین نے اس سے تعرض نہیں فرمایا پس یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ راوی کی جہالت کا پیدا ڈھونگ بالکل بے بنیاد ہے۔

پھر معترض صاحب نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے "قد روی" کے صیغہ سے راوی پر جہالت کا حکم تو لگا دیا لیکن پھر خود ہی امام بیہقی کی بیان کردہ سند کو بھی بیان کیا جس سے خود معترض صاحب کا راوی کی جہالت کا دعویٰ بھی ٹوٹ گیا اور معترض صاحب کی علمی دیانت داری بھی معلوم ہوگئی کہ وہ یہود کی صفات کا حامل ہے کہ بعض چیزوں کو تو بیان کر دیتا ہے اور بعض چیزوں سے چشم پوشی فرماتا ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

حدیث کی سند پر دوسری جرح:

حدیث کی سند پر دوسری جرح یہ کی گئی ہے کہ:

> اسمیں ایک راوی حجاج بن نصیر ابو محمد فساطیطی ہے جن کو بہت سے محدثین ضعیف کہتے ہیں"۔

جواب:

حجاج بن نصیر کے متعلق تمام بحث دوسرے باب میں گزر چکی ہے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

حدیث کی سند پر تیسری جرح:

یہ کی گئی ہے کہ:

> "اس حدیث میں دوسرا راوی عباد بن کثیر ہے جن کو محدثین ضعیف

قرار دیتے ہیں لہٰذا یہ متروک راوی ہے اس وجہ سے یہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہے"۔

جواب:

عباد بن کثیر کے متعلق بھی تفصیلی کلام دوسرے باب میں گزر چکا ہے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

احناف کی دوسری حدیث:

"حدثنا الفضیل بن عمرو ثنا عمرو حدثنا شریک عن ابن اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی رکعتی الفجر عند الاقامۃ" (مسند احمد ورواہ ابن ماجہ)

حارث نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

حدیث کی سند پر پہلی جرح:

اس حدیث کی سند پر پہلی جرح یہ کی گئی ہے کہ:

"اس حدیث میں شریک بن عبداللہ نخعی ہیں جنکو محدثین ضعیف اور مدلس کہتے ہیں جو کہ قابل احتجاج نہیں ہے"

جواب:

جہاں تک شریک بن عبداللہ کی بات ہے تو ان کو مطلقاً ضعیف کہنا انصاف کی بات نہیں ہے کیونکہ بہت سے محدثین نے شریک کی توثیق بھی فرمائی ہے اور جن اسباب کی وجہ سے انکو ضعیف کہا

کیا ہے وہ یہ ہے کہ آخری عمر میں شریک کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا جسکی وجہ سے محدثین نے اس کو وہ حفظ کی بعد والی روایات کی بنا پر ضعیف گردانا ہے چنانچہ علامہ ابن عدیؒ نے اس بات کی وضاحت فرمادی ہے۔ لہذا شریک کی وہ روایات جو حافظہ کی کمزوری سے پہلے کی ہیں اُن میں شریک ثقہ ہے چنانچہ

علامہ ابن عدیؒ فرماتے ہیں:

"وکان صحیح القضاء ومن سمع منه قبلهما فحدیثه صحیح، ومن سمع منه بعد ماولی القضاء ففی سماعه بعض الاختلاط.

اور علامہ عجلی نے شریک کو ثقہ قرار دینے کے بعد فرمایا کہ وہ صحیح القضاء تھے اور جنہوں نے اس کے اختلاط سے پہلے سماعت کی ہے تو اس کی حدیث صحیح ہے اور جنہوں نے ان کے قاضی بننے کے بعد سماعت کی ہے تو اسکی سماع میں بعض اختلاط ہے۔

فائدہ:

عجلی کی تصریح سے یہ بات خوب واضح ہو چکی ہے کہ شریک مطلقا ضعیف نہیں ہے اب یہ بات غیر مقلدین کے ذمہ ہے کہ وہ اس روایت کو بعد الاختلاط کے ثابت کر کے دکھائیں پھر اسکا جواب احناف کے ذمہ ہوگا کہ آیا یہ روایت قبل الاختلاط کی ہے یا بعد الاختلاط کی۔؟

علامہ عجلی شریک کو ثقات میں ذکر کے فرماتے ہیں:

"شریک بن عبدالله النخعی القاضی، کوفی، ثقة، وکان حسن الحدیث، وکان انروی الناس عنه اسحاق ابن یوسف

Scanned by CamScanner

الأزرق الواسطي، سمع منه بضعة آلاف حديث. (معرفة الثقات للعجلي، ج: ۱، ص: ۴۵۵)

شریک بن عبد اللہ نخعی، قاضی کوفی ثقہ ہے حسن الحدیث تھے اور ان سے سب سے زیادہ روایت کرنے والے اسحاق بن یوسف ازرق واسطی تھے انہوں نے آپ سے ہزار احادیث کی سماعت کی ہے۔

علامہ ابن عدیؒ شریک کے متعلق فرماتے ہیں:

"ولشريك حديث كثير من المقطوع والمسند وأصناف وإنما ذكرت من حديثه وأخباره طرفا وفي بعض ما لم أتكلم على حديثه مما أمليت بعض الإنكار والغالب على حديثه الصحة والاستواء والذي يقع في حديثه من النكرة إنما أتي فيه من سوء حفظه لا أنه يتعمد في الحديث شيئا مما يستحق أن ينسب فيه إلى شيء من الضعف (الكامل، ج: ۴، ص: ۲۲)

اور شریک کی بہت سی مقطوع، مسند اور اصناف والی حدیثیں ہیں اور میں نے انکی حدیثوں اور اخبار میں سے کچھ ہی کا ذکر کیا ہے اور انکی ان بعض احادیث جن پر میں کچھ انکار کرنے کو مائل ہو گیا تھا کلام نہیں کیا ہے کیونکہ انکی احادیث پر درستگی غالب ہے اور انکی ان حدیثوں میں جن میں وہ اس بات کا مستحق ہے کہ انکی طرف کچھ ضعف کی نسبت کی جائے نکارت صرف انکی سوء حفظ کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے نہ کہ انکی حدیث بیان کرنے میں عمداً جھوٹ بولنے کی وجہ سے؟ اھ

Scanned by CamScanner

اب آپ حضرات انصاف کیساتھ ذرا علامہ ابن عدیؒ کی اس بات پر غور فرمائیں جو انہوں نے فرمائی ہے کہ میں شریک کی ان بعض روایات پر جن میں نکارت پیدا ہوگئی ہے کچھ انکار کرنے کو مائل ہو گیا تھا لیکن میں نے ان احادیث پر انکار اس لئے نہیں کیا کہ اس کی احادیث پر درستگی غالب ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ شریک کی وہ روایات جن میں کچھ نکارت پیدا ہوگئی تھی وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے شریک کی سب حدیثوں کو ہی ضعیف گردانا جائے اگر ایسا ہوتا تو علامہ ابن عدیؒ اس پر ضرور نکیر فرماتے۔ والیس فلیس!!

اسکے علاوہ دیگر آئمہ جرح وتعدیل نے بھی شریک کی توثیق فرمائی ہے جسکی تفصیل مندرجہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

"وقال يزيد بن الهيثم البادي: سمعت يحيى بن معين يقول: شريك ثقة ... وقال في موضع آخر "وهو ثقة ثقة" وقال علي بن الحكم الأودي: سمعت وكيعا يقول لم يكن أحد أروى عن الكوفيين من شريك" ... وقال أبو توبة الربيع بن نافع: سمعت عيسى بن يونس يقول: ما رأيت أحدا قط أورع في علمه من شريك ... وقال يعقوب بن شيبة شريك صدوق ثقة سيء الحفظ جداً ... وقال النسائي ليس به بأس. وقال المزي: استشهد به البخاري في "الجامع" وروى له في "رفع اليدين في الصلاة" وغيره وروى له مسلم في "المتابعات" واحتج به الباقون. (تهذيب الكمال ج:۷،ص:۲۱۱ تهذيب التهذيب ج:۲،ص:۵۵۸)

Scanned by CamScanner

یزید بن ہیثم بادیؒ نے فرمایا کہ میں نے یحییٰ ابن معینؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ شریک ثقہ ہے...... ایک اور موقع پر فرمایا کہ وہ ثقہ ہے ثقہ ہے ...اور علی بن حکم ازدیؒ نے فرمایا کہ میں نے (امام) وکیعؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شریک کے علاوہ کوفیین سے سب سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے......اور ابو توبہ بن ربیع نافع نے فرمایا کہ: "میں نے عیسیٰ بن یونس کو فرماتے ہوئے سنا کہ شریک سے علم میں زیادہ متقی میں نے کسی کو نہیں دیکھا...... یعقوب بن شیبہ نے فرمایا کہ شریک صدوق ہے ثقہ ہے حافظہ کا بہت کمزور تھا ..... امام نسائیؒ نے شریک کے متعلق فرمایا کہ: "اس میں کوئی حرج نہیں ہے......علامہ حزیؒ نے فرمایا کہ: "امام بخاریؒ نے شریک کو اپنی "جامع" میں بطور استشہاد کے پیش فرمایا ہے ,اور "رفع الیدین فی الصلاۃ" اور دیگر مواقع میں اس سے روایت لی ہے ,اور امام مسلمؒ نے "متابعات" میں انکی روایت لی ہے" اور باقی آئمہ بھی شریک کو حجت قرار دیتے ہیں۔

"شریک بن عبداللہ کے متعلق امام ذہبیؒ کا فیصلہ"

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"قلت: لقد كان شريك من اوعية العلم حمل عنه اسحاق الازرق تسعة آلاف حديث (ميزان الاعتدال ج: ٢، ص: ٢٧٠/٢٧٣ دار المعرفه بيروت.

Scanned by CamScanner

میں کہتا ہوں کہ شریک علم کا منبع تھا (کیونکہ) اسحاق ازرق نے ان
سے نو ہزار احادیث کی سماعت کی ہے۔

ماقبل کی تصریحات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ شریک بن عبداللہ ثقہ راوی ہے اور جن محدثین نے انکی تضعیف کی ہے انکے اسباب بھی معلوم ہو گئے کہ وہ انکا آخری عمر میں حافظہ کی کمزوری میں مبتلا ہونا ہی ہے جس اس بات سے شریک پر جرح قابل قبول نہیں ہے۔

لہذا یہ معترض صاحب کا دجل ہے کہ اس نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے چند محدثین کی جرح نقل کرکے شریک بن عبداللہ کو نا قابل احتجاج ٹھہرالیا جبکہ بہت سے محدثین نے انکی توثیق بھی فرمائی ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، اب ان محدثین کی کی توثیق سے جان بوجھ کر چشم پوشی کرنا انصاف کی بات نہیں ہے۔

اعتراض: شریک بن عبداللہ مدلس تھا

شریک بن عبداللہ پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ وہ مدلس تھا اسلئے وہ حجت نہیں؟

جواب:

رہی بات شریک بن عبداللہ کے مدلس ہونے کی تو انکی حقیقت حال کو معلوم کرنے کیلئے طبقات المدلسین کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے شریک کو مدلسین کے کس طبقہ میں شمار فرمایا ہے کیونکہ معترض صاحب کے صرف اس اعتراض سے کہ شریک مدلس ہے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کیونکہ مدلسین کے بہت سے طبقات ہیں جن میں بعض کی تدلیس کو قبول کیا جاتا ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"شریک بن عبد اللہ النخعی القاضی مشہور کان من الاثبات ولما ولی القضاء تغیر حفظہ وکان یتبرأ من التدلیس ونسبہ عبد الحق فی الاحکام الی التدلیس ووصفہ الی التدلیس ووصفہ الی وصفہ بہ الدارقطنی" (طبقات المدلسین، ص: ۳۳، مکتبۃ المنار عمان)

شریک بن عبداللہ نخعی قاضی مشہور اور اثبات رواۃ میں سے تھا لیکن قاضی بننے کے بعد اسکا حافظہ متغیر ہو گیا، اور وہ تدلیس سے برأت کرتا رہتا تھا، عبدالحق نے "احکام نامی کتاب میں" اسکو تدلیس کے طرف منسوب کیا، اور دارقطنی نے تدلیس کے وصف کے ساتھ اسکو موصوف کرنے میں سبقت کی۔

طبقات المدلسین میں شریک کا حال جاننے کے بعد اب یہ بات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ شریک کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے کس طبقہ میں شمار فرمایا ہے، اور اس طبقہ کے مدلسین کا کیا مرتبہ ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی مدلسین کے طبقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الثانیۃ: من احتمل الائمۃ تدلیسہ واخرجوا لہ فی الصحیح لامامتہ وقلۃ تدلیسہ فی جنب ماروی کالثوری او کان لایدلس الا عن ثقۃ کابن عیینۃ"

طبقہ ثانیہ وہ ہے کہ آئمہ نے انکی تدلیس کو برداشت کیا ہے، اور انکی امامت اور قلت تدلیس کی وجہ سے انکی روایات کی تخریج اپنی اپنی صحیح میں کی ہے، امام ثوری کی طرح، یا ان کی طرح جو صرف ثقات ہی سے

Scanned by CamScanner

تدلیس کرتے ہیں جیسا کہ ابن عیینہ۔

پس جب شریک کا حال معلوم ہو گیا کہ ان کا شمار مدلسین کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے اور اس طبقہ کی تدلیس مضر نہیں ہے نیز ائمہ نے ان کی تدلیس کو قبول کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ تو پھر معترض صاحب کا شریک بن عبداللہ کے متعلق ضعف اور تدلیس کے تمام دعوے باطل ہو گئے جو کہ معترض صاحب کی تعصب اور عناد پر مبنی تھے۔ وللہ الحمد

حدیث کی سند پر دوسری جرح:

دوسری جرح حدیث کی سند پر یہ کی گئی ہے کہ:"

> اس میں ایک راوی حارث بن عبداللہ الاعور ہے جو کہ متروک راوی ہے لہٰذا اس وجہ سے بھی یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے"۔

جواب:

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی ایک مختلف فیہ راوی ہے بعض محدثین نے اسکو ضعیف ٹھہرایا ہے اور بعض دوسرے محدثین نے اسکی توثیق بھی فرمائی ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے وہ متروک راوی ہے اور قابل احتجاج نہیں کیونکہ جب وہ مختلف فیہ ہے تو پھر ملاحظہ فرمائیے کہ:

مختلف فیہ راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے

علامہ ذہبی حدیث حسن کے مراتب کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> "ثُمَّ بعد ذلك أمثلةٌ كثيرةٌ يتنازع فيها بعضهم يحسنونها وآخرون يضعفونها، كحديث الحارث بن عبدالله وعاصم بن ضمرة   الموقظة في علم مصطلح

الحديث، ص: ۳۳)

پھر (حسن کے اعلیٰ مراتب کے بعد) بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ جن میں تنازع ہے بعض لوگ تو انکی تحسین کرتے ہیں اور دوسرے بعض اسکو ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ حدیث حارث بن عبداللہ الاعور اور عاصم بن ضمرہ وغیرہ۔

علامہ ذہبی کی تصریح اور صنیع سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے کیونکہ مذکورہ عبارت میں علامہ ذہبیؒ حدیث حسن کے مراتب پر بحث فرمارہے ہیں تو جب علامہ ذہبیؒ نے حارث الاعور اور عاصم بن ضمرہ کے مختلف فیہ ہونے کی تصریح فرمادی تو ان کا ذکر حدیث حسن کے مراتب میں کرنے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ راوی جو مختلف فیہ ہیں انکی حدیث کا درجہ کم از کم حسن کا ہے اگر یہ راوی ضعیف ہوتے تو پھر انکا ذکر ضعیف حدیث پر بحث میں کرتے نہ کہ حدیث حسن پر بحث میں۔ فتدبر

اسکے علاوہ بھی علامہ ذہبیؒ نے حارث الاعور کی تعریف کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"كان فقيها كثير العلم على لين في حديثه"

وہ فقیہ اور زیادہ علم والے تھے اور ان کی حدیث میں کچھ کمزوری تھی۔

اب ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ان کی روایت کو کمزور کہا ہے یہ تعریف تو نہیں بلکہ جرح ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ اصول حدیث کا علم رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ الفاظ "علی لین فی حدیثہ" ایسی جرح نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے ان کو بالکلیہ چھوڑ دیا جائے جبکہ دیگر محدثین نے حارث کی توثیق بھی فرمائی ہے جیسا کہ:

Scanned by CamScanner

حارث کی توثیق کرنے والے آئمہ جرح و تعدیل

ابوبکر بن داود حارث بن عبداللہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"کان حارث الاعور افقہ الناس و افرض الناس و احسب الناس تعلم الفرائض من علیؓ (میزان الاعتدال، ج: ۱، ص: ۴۳۷)

حارث بن عبداللہ الاعور، سب لوگوں سے زیادہ فقیہ، علم فرائض میں سب سے ماہر اور نسب میں سب سے فائق تھے علم فرائض حضرت علیؓ سے حاصل کیا تھا۔

امام ذہبیؒ حارث اعور کے متعلق فرماتے ہیں:

"و حدیث الحارث فی السنن الاربعۃ و النسائی مع تعنتہ فی الرجال فقد احتج بہ و قوی امرہ و الجمہور علی توہین امرہ مع روایتہم لحدیثہ فی الابواب فہذا الشعبی یکذبہ ثم یروی عنہ . و الظاہر انہ یکذب فی لہجتہ و حکایتہ و اما فی الحدیث النبوی ﷺ فلا و کان من اوعیۃ العلم الخ

(میزان الاعتدال، ج: ۱، ص: ۴۳۷)

اور حارث بن عبداللہ الاعور کی احادیث (تخریج) سنن اربعہ میں کی گئی ہے اور امام نسائی نے رجال کے معاملہ میں باوجود سخت ہونے کے اس سے احتجاج کیا ہے اور اسکی توثیق کی ہے جبکہ جمہور نے اسکی احادیث کو ابواب میں روایت کرنے کے باوجود اسکی اہانت کی ہے اور

Scanned by CamScanner

امام شعبیؒ ان کو جھٹلانے کے باوجود ان سے روایت کرتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام شعبیؒ نے "حارث" کو ان کی رائے اور حکایات بیان کرنے میں جھٹلایا ہے نہ کہ احادیث نبوی ﷺ بیان کرنے میں امام شعبیؒ نے ان کو جھٹلایا ہے اور حارث علم کا منبع تھے۔

عثمان دارمیؒ حارث کے متعلق فرماتے ہیں:

"سألت يحيى بن معين عن الحارث الأعور فقال ثقة قال عثمان: ليس يتابع يحيى على هذا (ميزان الاعتدال ، ص: ٤٣٧، الكامل لابن عدي ج: ٢، ص ١٨٥/١٨٦)

عثمان دارمیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے حارث الاعور کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے، عثمان نے کہا کہ حارث کو ثقہ کہنے میں یحییٰ بن معین کی متابعت نہیں کی گئی ہے۔

امام ابن شاہینؒ اپنی کتاب "الثقات" میں فرماتے ہیں:

قال أحمد بن صالح المصري: "الحارث الأعور ثقة ما أحفظه وما أحسن ما روى عن علي وأثنى عليه، قيل له فقد قال الشعبي: كان يكذب قال: لم يكذب في الحديث إنما كان كذبه في رأيه (تاريخ أسماء الثقات، ج: ١، ص: ٧١، و تهذيب التهذيب، ج: ١، ص: ١٣١)

احمد بن صالح مصریؒ نے فرمایا کہ: "حارث الاعور ثقہ ہیں، حضرت علی سے بہت زیادہ اچھی حدیثیں روایت کی ہیں اور احمد نے ان کی تعریف

کی ہے: جب اُن سے کہا گیا کہ امام شعبیؒ نے حارث کی تکذیب کی
ہے تو فرمایا کہ شعبیؒ نے حدیث میں ان کی تکذیب نہیں کی ہے بلکہ
انہوں نے رائے میں ان کی تکذیب کی ہے۔

"حارث الاعور کے مجروح ہونے کے اسباب اور اسکی حقیقت"

حارث اعور کے مجروح ہونے کے دو اسباب محدثین نے ذکر کئے ہیں: ایک تو اس پر جھوٹ کی تہمت ہے جو کہ امام شعبیؒ اور دیگر محدثین نے اسکی طرف منسوب کی ہے اور دوسرا حارث کا حب علیؓ میں متشدد ہونا ہے یعنی وہ شیعیت میں غالی تھے۔ اور یہی وہ دو اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے محدثین نے حارث اعور پر جرح کی ہے۔ پہلی جرح جو امام شعبیؒ نے کی ہے کہ حارث حدیث میں جھوٹا تھا وہ چند وجوہ سے محل نظر ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر حارث جھوٹا راوی تھا تو امام شعبیؒ نے اس سے روایت ہی کیوں کی ہے؟ اگر کوئی صاحب یہ جواب دیں کہ امام شعبیؒ جھوٹ اور سچ کو پرکھنے والے ہیں اس لئے انہوں نے حارث سے صرف اُن احادیث کو روایت کیا ہوگا جن میں وہ سچا ہو کیونکہ "جھوٹا بھی کبھی کبھی سچ بولتا ہے" تو مجیب کی یہ بات محض تخمین ہے جسکے پاس اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا یہ بات درست نہیں ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں علامہ ذہبیؒ اور احمد بن صالح مصریؒ کے حوالے سے یہ تصریح گزر چکی ہے کہ امام شعبیؒ نے حدیث میں "حارث اعور" کو نہیں جھٹلایا ہے بلکہ حکایات میں جھٹلایا ہے۔ نیز علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں فرمایا ہے کہ امام شعبیؒ کا حارث کو کذاب کہنا اس بات پر محمول ہے کہ کذب سے امام شعبیؒ کی مراد خطاء ہے نہ کہ تعمد (قصداً جھوٹ بولنا) اگر ایسا ہوتا تو پھر امام شعبیؒ اُن سے روایت ہی کیوں کرتے حالانکہ اس سے "تعمد الکذب فی الدین" کے جواز کا اعتقاد

Scanned by CamScanner

لازم آتا ہے اور ایسا کہنا امام شعبی جیسے محدث کی شان سے بعید ہے پھر امام نسائی اور ارباب سنن نے اسکو حجت قرار دیا ہے اور میرے نزدیک حارث کا شمار ان لوگوں میں ہے جن سے احتجاج کرنا موقوف ہے۔" اور ایک موقع پر فرمایا کہ: "میں ان کے بارے میں متحیر ہوں۔ اھ (سیر اعلام النبلاء ج:۴ص:۱۵۳)

یہی بات احمد بن صالح مصری نے بھی فرمائی ہے کہ امام شعبی نے حارث کو رائے میں جھٹلایا ہے نہ کہ حدیث میں اسی وجہ سے احمد بن صالح مصری نے حارث کی توثیق کی ہے اسی طرح علامہ ابن عبدالبرؒ نے بھی حارث اعور کا حدیث میں جھوٹ بولنے سے انکار کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"وقال ابن عبد البر في كتاب العلم له لماحكى عن ابراهيم انه كذب الحارث: أظن الشعبي عوقب بقوله في الحارث كذاب، ولم يبن من الحارث كذبه، وانما نقم عليه افراطه في حب علي (تهذيب التهذيب، ج: ١، ص: ١٤٦)

اور ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب (جامع بیان العلم وفضلہ) میں جب انہوں نے ابراہیم سے یہ حکایت بیان کی کہ اس نے حارث کو جھٹلایا ہے فرمایا کہ: میرا گمان ہے کہ حارث کو جھوٹا کہنے پر امام شعبی کو عتاب کیا گیا حالانکہ حارث سے اسکا کذب ظاہر نہیں ہوا اور ہم جو اس کو مجروح کہتے ہیں وہ اسکا حضرت علیؓ کی محبت میں افراط کی وجہ سے ہے (نہ کہ اسکے جھوٹے ہونے کی وجہ سے۔

پس ما قبل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حارث بن عبداللہ الاعور پر حدیث میں جرح

Scanned by CamScanner

کذب بے بنیاد ہے۔

رہی بات حارث کے مجروح ہونے کے دوسرے سبب کی یعنی کہ حارث اہل تشیع میں غالی عقیدہ والا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ جرح میں شمار نہیں اگرچہ بعض محدثین نے اس سبب کی بناء پر حارث کو مجروح قرار دیا ہے جیسا کہ امام مسلم نے مقدمہ مسلم میں حارث پر اسی وجہ سے کلام کیا ہے اور اسکو مجروح قرار دیا ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک صرف اس بات سے کہ حارث حب علیؓ میں متشدد تھا مجروح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ بہت سے غلاۃ روافض جیسا کہ عدی بن ثابت اور ان سے بڑھ کر مرجئہ اور قدریہ جیسے رجال صحاح ستہ اور شیخین کے راوی ہیں تو شیعہ ہونا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ امام مسلمؒ اہل بدعت کے بارے انتہائی متشدد ہیں اور مقدمہ صحیح مسلم میں اہل بدعت پر سخت نکیر بھی فرمائی ہیں لیکن اسکے باوجود وہ عدی بن ثابت جیسے غالی رافضی سے روایت کرتے ہیں وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ وہ راوی ان کے ہاں ثقہ اور صدوق ہیں اس لئے یہ بدعات ان کے ہاں کوئی وقعت نہیں رکھتی اگر یہ بدعات جرح شمار ہوتی تو پھر اتنے سارے رواۃ مجروح کہلاتے علامہ سیوطیؒ نے ان سب رجال کے نام تدریب الراوی میں تفصیل کیساتھ بیان کئے ہیں جو کہ اہل بدعات میں سے ہیں اور بخاری ومسلم کے راوی ہیں اُن میں تقریباً ۱۴ رجال مرجئہ ہیں ، ۸ رجال نواصب میں سے ہیں اور تقریباً ۱۱۲۸ اہل تشیع میں سے ہیں تقریباً ۲۷ قدریہ میں سے ہیں ایک بشر بن سری جہمی ہے، اور عکرمہ مولی ابن عباس ، ولید بن کثیر اباضیہ یا حروریہ خوارج میں سے ہیں۔ (تدریب الراوی ، ص:۲۲۸)

اب یہ مذکورہ بالا سب رجال بخاری ومسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے راوی ہیں لیکن ان سب کی روایتوں کو باوجود انکے غالی ہونے کے امام بخاریؒ ومسلمؒ نے لیا ہے تو پھر حارث الاعور

کے باب میں اسکے تشیع میں متشدد ہونے سے اس پر جرح کیونکر درست ہو سکتی ہے۔؟ الغرض ہر دو پہلوؤں کی تحقیق کا خلاصہ یہ نکلا کہ حارث الاعور کلی طور پر متروک راوی نہیں ہے کہ اس کو حجت نہ ٹھہرایا جائے جبکہ امام نسائی نے سنن نسائی میں اسکی روایت کو لیا ہے اور اسی طرح اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں بھی بطور تائید کے پیش کیا ہے۔ دیکھئے (تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۲۴۱)

"علامہ ذہبی اور حدیث حارث کی تحسین"

علامہ ذہبی نے حارث الاعور کی حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے اس بات کی تصریح کرتے ہوئے کہ یہ مختلف فیہ راوی ہے باوجود اسکے علامہ ذہبیؒ نے اسکی حدیث کا شمار حسن میں کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> "ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْثِلَةٌ كَثِيرَةٌ يُتَنَازَعُ فِيهَا بَعْضُهُمْ يُحَسِّنُونَهَا وَآخَرُونَ يُضَعِّفُونَهَا، كَحَدِيثِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَعَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ...... الخ (الموقظة في علم مصطلح الحديث، ص: ۳۳)
>
> پھر (حسن کے اعلیٰ مراتب کے بعد) بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ جن میں تنازع ہے بعض لوگ تو اسکی تحسین کرتے ہیں اور دوسرے بعض اسکو ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ حدیث حارث بن عبداللہ الاعور اور عاصم بن ضمرہ وغیرہ۔

علامہ ذہبی کی مذکورہ تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے اگرچہ وہ حسن لغیرہ ہی کیوں نہ ہو جبکہ وہ بھی ہمارے ہاں مقبول ہے۔

Scanned by CamScanner

"علامہ ظفر احمد عثمانی اور حدیث حارث کی تحسین"

علامہ ظفر احمد عثمانی نے بھی اس حدیث کے اسناد کی تحسین فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"وھو حدیث حسن الاسناد" (اعلاء السنن ج:۷،ص:۱۰۶)

اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے۔

"امام ترمذیؒ اور حارث الاعور کے اسناد کی تحسین"

امام ترمذیؒ نے "باب فی دعا المریض" میں ایک راویت بیان کی ہے جسکی سند کچھ اسطرح ہے:

"حدثنا سفیان بن وکیع حدثنا یحیی بن آدم عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال الخ (ترمذی کتاب الدعوات باب دعاء المریض ج:۲،ص:۱۹٦)

اس سند میں حارث بن عبداللہ الاعور ہے لیکن اسکے باوجود امام ترمذیؒ نے اسکی تحسین فرمائی ہے اور اسکا کوئی دوسرا طریق بیان نہیں کیا جو کہ حسن ہو تو یہ احتمال بھی رفع ہو گیا کہ کسی دوسری حسن سند کی وجہ سے اسکو حسن فرمایا ہوگا۔ پس جب یہ بات نہیں تو پھر اصول حدیث کی رو سے ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ حسن اور ضعیف ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔

دوسری بات یہ کہ امام ترمذیؒ نے "ابواب الفرائض" میں اسی حارث بن عبداللہ الاعور کے متعلق فرمایا کہ:

"وقد تکلم بعض اھل العلم فی الحارث والعمل علی ھذا الحدیث عند عامۃ اھل العلم (ترمذی ابواب الفرائض، ج:۲،ص:۲۹)

Scanned by CamScanner

اور حارث پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے اور حدیث پر جمہور اہل علم کا
عمل ہے۔

اب امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ بعض اہل علم نے حارث پر کلام کیا ہے یہ حارث کے مختلف فیہ ہونے کی طرف اشارہ تھا باوجود اسکے امام ترمذی نے ماقبل والی حدیث کی تحسین کی ہے اور یہ بات اہل علم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ حدیث کی تحسین اسکے ہر راوی کی تحسین ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے حارث کے توثیق کو ترجیح دی ہو کیونکہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی مسند میں حارث بن عبداللہ الاعور سے ابو اسحاق سبیعی کے طریق سے "فی الملعن علی آکل الربا وموکلہ" حدیث روایت کی ہے۔

تیسری بات یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب امام نسائی نے حارث کی حدیث کی تخریج سنن نسائی میں کی ہے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حارث کلی طور پر متروک راوی نہیں ہے کیونکہ امام نسائی کا مذہب سنن نسائی کے رجال کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے۔

"ولهذا كان مذهب النسائي أن لا يترك حديث الرجل حتى يجتمع الجميع على تركه (قواعد في علوم الحديث ص: ٧٥، تنسيق النظام مع مسند امام اعظم ص: ٦٨)

امام نسائی کا مذہب یہ ہے کہ وہ کسی آدمی کے حدیث کو ترک نہیں فرماتے جب تک تمام محدثین کا اسکے ضعف پر اجماع نہ ہو۔

اب ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ شبہ کرے کہ امام نووی نے تو شرح مسلم میں حارث کے ضعف پر اجماع نقل فرمایا ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ امام نووی کا حارث کے بارے میں مبالغہ ہے اگر حارث کے ضعف پر اجماع منعقد ہوتا تو پھر امام نسائی اپنی سنن میں حارث سے روایت ہی نہ کرتے جبکہ

Scanned by CamScanner

ماقبل میں امام نسائی کا مذہب معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسے ضعیف راوی سے کہ جس کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہو روایت نہیں کرتے۔

"امام ابوداودؒ اور حارث الاعور کی تحسین"

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حارث بن عبداللہ الاعور ابوداود کے رجال میں سے ہیں اور یہ بات اصول میں مصرح ہے کہ جب امام ابوداود کسی راوی کی تضعیف نہیں فرماتے بلکہ اس پر خاموشی اختیار فرماتے ہیں تو اس راوی کی احادیث کا شمار حسن احادیث میں ہوتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں کو ابوداودؒ کے سکوت سے غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ ان کی خاموشی کو مطلقاً تحسین سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ امام ابوداود کا سکوت اس وقت تحسین شمار ہوگا جبکہ دیگر قرائن بھی راوی کی توثیق کے موجود ہوں بعض محدثین نے امام ابوداودؒ کے سکوت کے ساتھ علامہ منذری کے سکوت کو راوی کی تحسین کیلئے شرط کہا ہے۔ کیونکہ امام ابوداودؒ نے بہت سے ضعیف راویوں پر بھی سکوت فرمایا ہے جیسا کہ صالح مولی التوامہ، عبداللہ بن محمد بن عقیل، موسیٰ بن وردان وغیرہ وغیرہ۔

تو امام ابوداود کا سکوت مطلقاً کسی راوی کی تحسین کیلئے کافی نہ ہوگا جب تک دیگر قرائن سے اس راوی کی تحسین ثابت نہ ہو جائے۔ چونکہ حارث کی تحسین پر دیگر قرائن بھی موجود ہیں جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اس لئے یہاں امام ابوداود کا سکوت حارث کی تحسین پر دلالت کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث حارث حسن اور قابل حجت ہے لہٰذا معترض صاحب کا یہ کہنا کہ: "یہ حدیث یعنی نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھنا رسول ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہے ...الخ۔" مردود ہے قابل التفات نہیں ہے جیسا کہ ماقبل کی تفصیل سے خوب معلوم ہو چکا ہے۔ واللہ الحمد

Scanned by CamScanner

احناف کی تیسری حدیث:

"حدثنا عباد بن العوام عن حصين عن القاسم بن أبي أيوب عن سعيد بن جبير أنه جاء إلى المسجد والإمام في صلوة الفجر فصلى الركعتين قبل أن يلج المسجد عند باب المسجد. (مصنف ابن أبي شيبة ج: ٢، ص: ٥٦)

حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد ایسے وقت پہنچے کہ امام فجر کی نماز میں مشغول تھا تو انہوں نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھ لیں۔

حدیث پر معترض صاحب کے چند مؤاخذات

معترض صاحب نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ: "تین مواخذات" پھر پہلا مواخذہ اس نے یہ کیا ہے کہ:

یہ اثر مصنف ابن شیبہ کے اس اثر کے معارض ہے جسمیں آیا ہے کہ سعید بن جبیر نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر کی اقامت کے وقت نوافل پڑھ رہا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو اس سے خوش ہوگا کہ کوئی یہ کہے کہ فلاں عصر کی نماز چھ رکعت پڑھتا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابراہیم سے اسکا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اقامت کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اسکے علاوہ بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہ ایسا کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اثر ان احادیث مرفوعہ صریحہ کے خلاف ہے جسمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک

Scanned by CamScanner

شخص کو ایسا کرتے ہوئے ٹوکا ہے۔ اھ

جواب: تعارض تسلیم ہی نہیں

یہ معترض صاحب کی نادانی ہو سکتی ہے کہ اس نے سعید بن جبیرؓ کی اس حدیث کو مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث کے معارض سمجھا اس سے معترض صاحب کی علمی استعداد بھی معلوم ہو گئی کہ وہ اصول تعارض کی شد بد سے بھی واقف نہیں ہے کیونکہ تعارض کا اصول ہے:

"الفعلان لا يتعارضان قط لاختلاف الزمان فيكون فعل في وقت وضده في آخر الا ان يفيد الخبران ان هذا الفعل كان مكرراً (قواعد في علوم الحديث ۲۹۱)

دو فعل اختلاف زمانے کی وجہ سے کبھی بھی باہم متعارض نہیں ہوتے پس ایک فعل ایک وقت میں ہوتا ہے جبکہ دوسرا اسکی ضد دوسرے وقت میں ہوتا ہے سوائے اسکے کہ دونوں حدیثیں اس بات کی خبر دے رہی ہوں کہ یہ فعل مکرر ہوا ہے۔

تعارض کے اصول سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ دو مختلف فعلوں میں باہم تعارض نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کے زمانے اور وقت جدا جدا ہیں لیکن معترض صاحب ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؒ کی سنت فجر والی روایت کو نماز عصر والی روایت کے معارض بتا رہے ہیں حالانکہ یہ دونوں جدا جدا فعل ہیں سنت فجر کا وقت جدا ہے نماز عصر کا وقت جدا ہے تو تعارض کے اصول کے پیش نظر ان دونوں روایتوں میں سرے سے تعارض ہے ہی نہیں تعارض تو جب ہوتا کہ سعید بن جبیرؒ کی روایت ایک ہی فعل یعنی سنت فجر کے متعلق ہوتی یعنی ایک روایت میں عند الاقامت سنت فجر کا جواز ہوتا تو دوسری روایت میں سنت فجر کی ممانعت ہوتی تو تب تعارض ہوتا جب ایسا نہیں ہے تو تعارض کا

دعوی باطل ہے۔

اور ری بات سعید بن جبیر کی مصنف ابن ابی شیبہ والی روایت کی تو اس کو سنت فجر کے علاوہ دیگر سنتوں پر محمول کیا جائے گا اور یہی مذہب ہمارے احناف کا بھی ہے کہ ہم سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن ونوافل کو مکروہ سمجھتے ہیں اور خود سعید بن جبیر کا اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ "اذا اُقیمت الصلاۃ　　الحدیث" میں نہی کو سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن ونوافل پر محمول فرماتے تھے پس یہ روایت بھی غیر مقلدین پر حجت ہے نہ کہ ان کیلئے حجت۔

پھر معترض صاحب کا یہ کہنا کہ:

"یہ اثر ان احادیث مرفوعہ صریحہ کےخلاف ہے جن میں رسول ﷺ نے عند الاقامت نماز سے منع فرمایا ہے۔"

اسکا جواب یہ ہے کہ جن احادیث کی طرف معترض صاحب نے اشارہ کیا ہے ان احادیث کی توجیہات احقر کتاب ھذا کے شروع میں تفصیل کیساتھ بیان کرچکا ہے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

دوسرا مواخذہ:

معترض صاحب نے اس حدیث پر دوسرا مواخذہ یہ کیا ہے کہ:

"احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں آثار صحابہ تمام محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہیں اور نہ ہی سنت فجر عند الاقامت کے جواز میں کوئی ایک حدیث مرفوع صحیح ثابت ہے۔ اور یہ بات تو اصول فقہ میں ثابت ہے جیسا کہ "الاشباہ　والنظائر" میں ہے کہ "آثار موقوفہ متعارضہ اور احادیث مرفوعہ منصوصہ کے تعارض کے وقت ترجیح

Scanned by CamScanner

احادیث مرفوعہ کو ہوگی... الخ

جواب: معترض کی خام خیالی

یہ معترض صاحب کی خام خیالی ہے کہ ہمارے پاس سنت فجر عند الاقامت کے ثبوت میں حدیث مرفوع نہیں ہے حالانکہ حضرت علیؓ کی روایت جو کہ حارث بن عبد اللہ الاعور کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی اقامت کے وقت سنت فجر پڑھ لیتے تھے۔ یہ مرفوع حدیث ہے اور اسکی سند بھی حسن ہے جیسا کہ تفصیل کیساتھ گزر چکا ہے۔

دوسری بات یہ کہ سنت فجر عند الاقامت کی ممانعت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان احادیث کی عمومیت میں ہم ان مرفوع احادیث سے تخصیص کرتے ہیں جو سنت فجر کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ تیسری بات یہ کہ آثار صحابہ کو ہم بطور تائید کے پیش کرتے ہیں کہ یہ آثار عند الاقامت سنت فجر کی عمومیت سے تخصیص کا ثبوت ہیں پس معترض صاحب کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ آثار صحابہ موقوفہ کو احادیث مرفوعہ پر ترجیح دیتے ہیں۔

علامہ عینی ان احادیث کو جو سنت فجر کی تاکید میں وارد ہوئی ہیں دلیل میں پیش کر کے فرماتے ہیں:

"فهذا كناية عن المبالغة وحث عظيم على مواظبتهما ومن هذا أصحابنا ذهبوا إليه في ما ذكرنا على أن فيه الجمع بين الأمرين (عمدة القاري، ج:5، ص:185)

احادیث میں سنت فجر کی اس قدر تاکید بیان کرنا کنایہ ہے مبالغے اور اسکی حفاظت پر بے حد ترغیب سے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) اس طرف گئے ہیں جسکا ذکر ہم کر چکے ہیں (یعنی

Scanned by CamScanner

سنت فجر عند الاقامت پڑھنے کے جواز کی طرف جبکہ دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو تو پھر مسجد کے صحن میں یا کسی ستون کے پیچھے سنت فجر پڑھی جائیں) کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں فضیلتیں (سنت فجر اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت) جمع ہو جاتی ہیں۔

تیسرا مغالطہ:

معترض صاحب نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ:

"اس حدیث سے ہمارے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور ہمارے ہی دعوی پر صادق آتی ہے یعنی اقامت کے وقت مسجد کے اندر فجر کی سنتیں نہ پڑھے پر بس یہ صریح نص ہے کہ سعید بن جبیرؒ نے مسجد کے باہر پڑھی"۔ ملخصہ

جواب:

کاش کہ معترض صاحب کو اپنے صحیح مذہب کا علم ہوتا تو وہ یہ جرأت ہرگز نہ کرتے کہ سعید بن جبیرؒ کی اس روایت کو وہ اپنی تائید میں پیش کریں یہ معترض صاحب کی علمی بے بضاعتی ہی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنی تائید میں سمجھا ورنہ ان کا اصل مذہب تو یہی ہے کہ سنن ونوافل عند الاقامت مطلقاً ممنوع ہیں چاہے مسجد میں ہوں یا خارج از مسجد، چنانچہ غیر مقلدین کے مذہب کے ایک معتبر عالم مولانا وحید الزمان صاحب اپنی مشہور کتاب نزل الابرار میں لکھتے ہیں:

"ولا یجوز له الشروع فی ای صلاۃ اذا اقیمت الصلاۃ المکتوبۃ ولا فرق بین رکعتی الفجر وغیرھا فی ھذا الحکم

وَلا بأس أنْ يُؤدِّيها في المَسجد ثم خارجه عند بابه   الخ

(نزل الابرار صاحب ادراک الفریضۃ، ص: ۱۴۳)

فرض نماز کی اقامت کے وقت کسی بھی نماز کو شروع کرنا انکے لیے جائز نہیں ہے اور اس حکم میں سنت فجر اور دیگر (سنن ونوافل) کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ہی سنت فجر مسجد میں یا مسجد کے باہر اسکے دروازے کے پاس پڑھنے میں کوئی فرق ہے۔

اسی طرح معترض صاحب کے مذہب کے دوسرے دو بڑے علماء ایک علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے ابوداود کی شرح عون المعبود میں اور دوسرے علامہ عبدالرحمن مبارک پوری صاحب نے ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں اپنا مذہب نقل کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"والحديث يدلُّ على أنّهُ لا يجوز الشُّروع في النّافلة عند إقامة الصّلاة من غير فرقٍ بين ركعتي الفجر وغيرهما   الخ (عون المعبود ج:۴، ص: ۱۴۲، تحفة الاحوذي، ج ۲، ص: ۳۹۸)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقامت نماز کے وقت نوافل شروع کرنا جائز نہیں ہے سنت فجر و دیگر سنن ونوافل میں بغیر کسی فرق کے۔

پس غیر مقلدین کا اصل مذہب معلوم ہونے کے بعد معترض صاحب کی اپنے مذہب سے جہالت بھی معلوم ہوگئی کہ معترض صاحب کو اپنے مذہب کا علم بھی نہیں اور اس کے باوجود وہ احناف پر جرح وقدح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ وہ جرح وقدح کے مستحق تو وہ خود ہیں۔ کہ انہیں اپنے گھر

Scanned by CamScanner

مذہب کا علم ہی نہیں ہے کہ ان کے ہاں اقامت نماز کے وقت سنن ونوافل پڑھنا مطلقاً ممنوع ہیں۔یہی حدیث سعید بن جبیرؒ احناف کے مسلک کی تائید کررہی ہے نہ کہ غیر مقلدین کے مذہب کی۔کتنا بروا یہ دعویٰ الا جتہاد وا لتحقیق

احناف کی پانچویں حدیث:

"عن مالك بن مغول قال:" سمعت نافعا يقول: ايقظت ابن عمر لصلوة الفجر وقد اقيمت الصلوة فقام فصلى ركعتين

(شرح معانی الآثار ج: ۱،ص: ۳۷۵، کتاب الصلاۃ)

حضرت مالک بن مغول سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نافع سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں نے ابن عمر کو نماز فجر کیلئے جگایا اور تحقیق کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی تو وہ کھڑے ہو کر فجر کی سنتیں پڑھنے لگے۔

معترض صاحب کے حدیث پر مواخذات:

معترض صاحب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ "زیر مواخذات" کہ اس حدیث میں چند مواخذات ہیں پھر حسب ذیل تین موخذات کو نمبروار پیش کیا ہے:

پہلا مواخذہ:

معترض صاحب نے یہ کہا ہے کہ:

"مدعی نے اس حدیث کی کوئی تخریج بیان نہیں کی ہے کہ اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے"

Scanned by CamScanner

جواب:

اس حدیث کی تخریج امام طحاوی نے شرح معانی الآثار (۲۷۵/۱) میں کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے پس یہ حدیث قابل حجت ہے۔ اب ہو سکتا ہے کہ معترض صاحب یہ اعتراض کر بیٹھیں کہ اس حدیث کی سند میں "فہد نام کا" "ایک راوی ہے جسکے بارے میں بعض لوگوں نے فرمایا کہ "لم اقف علیہ" میں ان کو نہیں جانتا یعنی یہ مجہول راوی ہے؟ اور مجہول راوی کی روایت قابل احتجاج نہیں ہوتی پس یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فہد مجہول راوی نہیں ہے بلکہ یہ فہد بن سلیمان ہے علامہ عینی مغانی الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں:

"فهد بن سليمان بن يحيى: أحد مشايخ أبي جعفر الطحاوي الذين روى عنهم وكتب وحدث. ذكره أبو سعيد بن يونس في تاريخ الغرباء الذين قدموا مصر، وقال: فهد بن سليمان بن يحيى يكنى أبا محمد، كوفي قدم مصر فيما ... توفي بمصر في صفر سنة خمس وسبعين ومائتين، وكان ثقة ثبتا ... الخ

(مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار، ج: ۲، ص: ۳۶۰)

فہد بن سلیمان بن یحییٰ امام ابو جعفر طحاوی کے اُن مشائخ میں سے ہیں کہ جن سے انہوں نے روایت کی حدیثیں لکھیں اور بیان کی ہیں ابو سعید بن یونس نے ان لوگوں کی تاریخ میں جو مصر سے آئے تھے یعنی

Scanned by CamScanner

تاریخ غرباء میں اسکا ذکر کیا ہے، اور فرمایا کہ: "فہد بن سلیمان بن
یحییٰ، کی کنیت ابو محمد تھی کوفی تھے مصر بہت پہلے آئے تھے، ان
کی وفات ۱۸ صفر ۲۷۵ھ میں مصر میں ہوئی اور وہ ثقہ اور ثبت تھے۔

اسکے علاوہ علامہ ابن ترکمانی نے بھی الجوہر النقی میں فہد بن سلیمان کی توثیق فرمائی ہے اور امام طحاویؒ نے اس سے بہت سی مقامات پر احتجاج کیا ہے پس فہد بن سلیمان حجت ہے راوی ہے۔ (اعلاء السنن، ج:۵، ص:۱۹۷۷)

دوسرا مغالطہ:

معترض صاحب نے یہ کہا ہے کہ:

"یہ حدیث خود ابن عمرؓ کی اس حدیث کے معارض ہے جسمیں ہے کہ:
"ابن عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ مؤذن کی اقامت کے وقت نماز پڑھ رہا ہے تو آپؓ نے اسکو کنکریوں سے مارا۔
اور ابن عمرؓ جب مسجد ایسے وقت داخل ہوتے جب لوگ فرض نماز میں مشغول ہوتے تو انکے ساتھ فرض نماز میں شامل ہو جاتے حالانکہ آپؓ نے سنت فجر نہیں پڑھی ہوتیں پھر جب سورج خوب روشن ہوتا تو سنت فجر پڑھ لیتے تھے۔ پس اے فقہ والو اس حالت میں تم لوگ کیا کروگے کہ جب ایک ہی صحابی کے اقوال باہم متعارض ہوں؟۔ میں کہتا ہوں کہ جب آثار صحابہ اور احادیث مرفوعہ باہم متعارض ہوں تو ترجیح احادیث مرفوعہ کو ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم، محدثین اور اصولیین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔اھ"

Scanned by CamScanner

جواب:

معترض صاحب نے ابن عمرؓ کے حوالہ سے تعارض کا جو شبہ پیش کیا ہے اور اس پر حوالہ مصنف عبدالرزاق کا دیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ مصنف عبدالرزاق میں یہ اثر حضرت عمر بن خطابؓ کا ہے نہ کہ ابن عمرؓ کا چنانچہ روایت یوں ہے:

"عبد الرزاق عن الثوری عَنْ جابرٍ عن الحسن بن سالم عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الخطاب يَضْرِبُ على الصَّلاة بعد الإقامة. (ج: ۲، ص: ۴۳۶)

اسکے علاوہ یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں یوں مروی ہیں:

"حدثنا عبد السلام بْنُ حرب عَنْ بن أبي فروة عن أبي بكر بن المُنْكَدِر عَنْ سعيد بن المسيب أَنَّ عمر رأى رجلاً يُصَلِّي رَكْعَتين وَالمؤذنُ يُقيمُ فانتهره وَقالَ لاصلاة والمؤذنُ يُقيمُ الا الصَّلاة التي تُقامُ لها الصَّلاة(مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۱، ص: ۴۲۱ باب فی الصلاة اذا اخذ المؤذن فی الاقامة)

اسکے علاوہ امام بیہقی نے یہ اثر سنن کبری (۴۸۳/۲) میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور اسمیں بھی حضرت عمرؓ کے متعلق یہ آیا ہے کہ وہ جب اقامت کے وقت کسی کو نماز پڑھتے دیکھتے تو انہیں مارتے تھے۔

اور ما قبل کی یہ تمام روایتیں خود غیر مقلدین کے ہاں ضعیف ہیں چنانچہ غیر مقلدین کے مذہب کے معتبر عالم ارشاد الحق اثری صاحب اعلام اہل العصر پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

"اور میں کہتا ہوں کہ اس روایت کی تخریج امام بیہقی نے (۲/۲۸۳) پر بغیر سند کے کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے (۲/۷۷) پر اس حدیث کی تخریج کی ہے .... لیکن اس سند میں ابن ابی فروہ ہے اور وہ اسحاق بن عبداللہ ہے اور وہ متروک ہے جیسا کہ تقریب میں ہے اور امام عبدالرزاق نے بھی (۲/۴۳۶) پر اور اسی سند سے امام ابن حزم نے المحلی میں (۳/۱۱۰) پر اس اثر کی تخریج فرمائی ہے .... لیکن استاد شاکر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں کہ: "رہی بات جابر کی تو راجح یہی ہے کہ وہ ابن یزید جعفی ہیں اور وہ غیر ثقہ ہیں اور رہی بات حسن بن مسافر کی تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ اور میں نے کسی کتاب میں اسکا ذکر نہیں پایا۔

اس تحقیق سے معترض صاحب کی علمی حیثیت بھی معلوم ہو گئی کہ معترض صاحب بغیر تحقیق کے کیا کچھ لکھ گئے لیکن اس پر سوچا نہیں کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اسکی مثال رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چننے والے کی ہے کہ اس کو کچھ نہیں نظر نہیں آتا کہ کیا چن رہا ہے اور کیا چھوڑ رہا ہے!

اب میں معترض صاحب پر احسان کر کے بتانا چاہتا ہوں کہ ابن عمر کی مذکورہ حدیث کی تخریج امام بیہقی نے (۲/۴۸۳) پر فرمائی ہے جسکی سند یوں ہے:

"وَأَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الْمُقْرِئُ أَنْبَأَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ أَبْصَرَ رَجُلاً يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ وَالْمُؤَذِّنُ يُقِيمُ فَحَصَبَهُ وَقَالَ: أَتُصَلِّي

الصبح ثم يعطيهم ويطوف-

اب اگر ہم ابن عمرؓ کی مذکورہ روایت کی وجہ سے تعارض کو تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان روایات کو ساقط کر لیں کیونکہ جہاں تک تطبیق کرنا ممکن ہو تطبیق کی راہ اختیار کرنی چاہئے تاکہ کسی بھی حدیث کو ترک نہ کرنا پڑے اسی وجہ سے ہم احناف ابن عمرؓ کی روایات میں یوں تطبیق کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے حضرت حفصہؓ کے گھر میں اقامت کے وقت سنتیں پڑھنا بھی ثابت ہیں اور مذکورہ اثر سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ وہ اقامت نماز کے وقت سنن ونوافل پر ناراض ہو کر لوگوں کو مارا کرتے تھے ان دونوں باتوں کے ثبوت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"صح عن ابن عمر انه كان يحصب من يتنفل في المسجد بعد الشروع في الاقامة وصح عنه انه قصد المسجد فسمع الاقامة فصلى ركعتي الفجر في بيت حفصة ثم دخل المسجد فصلى مع الامام (فتح الباري، اعلاء السنن، ج: ۵، ص: ۱۹۸۲)

ابن عمرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس شخص کو کنکریوں سے مارتے جو اقامت کے وقت مسجد میں نوافل پڑھتا اور اُن سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے مسجد کی طرف آنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے اقامت کی آواز سنی پس آپؓ نے سنت فجر حضرت حفصہؓ کے گھر میں ادا کیں پھر مسجد میں داخل ہو کر امام کیساتھ نماز میں شامل ہو گئے۔

پس جب ابن عمرؓ سے دونوں عمل ثابت ہیں تو پھر ان روایات میں حتی الامکان تطبیق کی راہ اختیار

Scanned by CamScanner

کرنی ہوگی اور معترض صاحب نے شاید اس قاعدے "اذا تعارضا تساقطا" کی بنیاد پر کہا ہے کہ ابن عمرؓ کا عمل تعارض کیوجہ سے ساقط ہے حجت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جب دو حدیثیں باہم متعارض ہوں تو اس پر عمل کرنا ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب اس میں تطبیق ممکن نہ ہو جبکہ ابن عمرؓ کے عمل میں تطبیق ممکن ہے علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

> "فهو محمول علی انه کان یحصب من یصلیهما فی المسجد متصلا لصفوف القوم ،لا من کان یصلیهما منفصلا (اعلاء السنن، ج:۵،ص:۱۹۸۲)
>
> ابن عمرؓ کا کنکریوں سے مارنا اس بات پر محمول ہے کہ وہ اس شخص کو مارتے جو مسجد میں جماعت کی صفوں کے متصل نوافل وغیرہ پڑھتا نہ کہ مسجد میں صفوں سے الگ نوافل پڑھنے پر۔

احقر کہتا ہے کہ اس روایت میں یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ ابن عمرؓ سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن ونوافل پر مارا کرتے کیونکہ اس روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ فجر کی سنتیں پڑھنے پر ہی مارا کرتے تھے۔

دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ ابن عمرؓ کو ایک رکعت ملنے کی امید نہ ہو اس وجہ سے وہ امام کیساتھ نماز میں شریک ہو گئے اور فجر کی سنتیں اشراق کے وقت پڑھیں اور یہی مذہب احناف کا بھی ہے کہ جب امام کیساتھ دوسری رکعت ملنے کی امید نہ ہو تو سنتیں چھوڑ کر امام کیساتھ شامل ہو جائے اور اشراق کے بعد سنتوں کو چاہے تو پڑھ لے مستحب ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مالک بن مغول کی یہ روایت قابل حجت ہے جو کہ سنت فجر حند الاقامت کے جواز

Scanned by CamScanner

کا ثبوت ہے۔

تیسرا مواخذہ:

معترض صاحب نے یہ کہا ہے کہ:

"اس اثر میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ ابن عمرؓ نے فجر کی سنتیں مسجد میں پڑھیں یا گھر میں اور غالب گمان یہی ہے کہ انہوں نے سنتیں گھر میں ہی پڑھی ہوں گی کیونکہ اس وقت آدمی گھر میں ہوتا ہے۔اھ"

جواب:

یہ معترض صاحب کی علمی بے بضاعتی ہی کا نتیجہ ہے کہ اس حدیث میں ابن عمرؓ کا سنت فجر گھر میں یا مسجد میں پڑھنے کا ذکر ہی نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ یہاں ذکر نہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری حدیث میں بھی ذکر نہ ہو، لیجئے ہم معترض صاحب کا یہ اعتراض بھی دفع کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے سنت فجر مسجد میں پڑھی ہیں یا گھر میں؟

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں حضرت زید بن اسلم کی یہ روایت بیان کی ہے:

"وعن زيد بن أسلم عن ابن عمر أنه جاء والامام يصلي الصبح ولم يصل الركعتين قبل الصبح فصلاهما في حجرة حفصة ثم صلى مع الامام" (شرح معاني الآثار، ج: ا ص: ۳۷۵)

حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اس وقت مسجد کو تشریف لائے کہ امام صبح کی فرض نماز میں مشغول تھا اور ابن عمرؓ نے ابھی سنت فجر ادا نہیں کی تھیں پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کے حجرہ

Scanned by CamScanner

میں سنتیں ادا کیں پھر امام کے ساتھ فرض نماز میں شامل ہو گئے۔

اس روایت میں حضرت ابن عمرؓ کا اقامت نماز کے وقت حضرت حفصہؓ کے مکان میں سنتیں پڑھنا ثابت ہو گیا تو مسجد میں ہی پڑھنا ثابت ہو گیا کیونکہ حضرت حفصہ کا حجرہ اس وقت مسجد میں داخل تھا جیسا کہ علامہ سمہودی نے "خلاصۃ الوفاء" میں اسکی تصریح فرمادی ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن (۱۹۸۲/۵)۔

احناف کی چھٹی حدیث:

"وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ لا تدعوهما ولو طردتكم الخيل." (ابو داود ج: ۱ ص: ۱۸۶ المطبوع بباب تخفيف ركعتي الفجر برقم الحديث (۱۲۵۸).

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

معترض صاحب کی حدیث پر جرحیں:

پہلی جرح معترض صاحب نے یہ کی ہے کہ:

"میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازع فیہا کیساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ (اسکا تعلق سنت فجر کی فضیلت کیساتھ ہے) اور اختلاف سنت فجر عند الاقامت میں ہے۔

جواب:

معترض صاحب کا یہ کہنا کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازعہ کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہے یا تو معترض

Scanned by CamScanner

صاحب کی جہالت ہے یا پھر تجاہل ہے یعنی یہ بات معترض صاحب کے تجاہل پر مبنی ہے ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازع فیہا کیساتھ بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ بڑے بڑے محدثین نے اس حدیث کی وجہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت "اذا اقیمت الصلاۃ ... الحدیث میں تخصیص فرمائی ہے چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں:

"وخصصت سنة الفجر بقوله ﷺ لاتدعوهما ... الخ (عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۱۸۴)

اور سنت فجر رسول ﷺ کے اس قول سے کہ: "فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں" سے مخصوص ہیں۔

اسی طرح ملا علی قاری شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقال ابن الملك: "سنة الفجر مخصوصة" من هذا بقوله ﷺ صلوهما وان طردتكم الخيل - فقلنا يصلي سنة الفجر ما لم يخش فوت الركعة الثانية وبتركها ان خشي عملاً بالدليلين. (مرقاة المفاتيح، ج: ۳، ص: ۱۳۳)

ابن ملکؒ نے فرمایا کہ: "سنت فجر اس حدیث "اذا اقیمت الصلاۃ .... الخ" سے نبی کریم ﷺ کے اس قول: "فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں" سے مخصوص ہیں۔ پس (اس وجہ سے) ہم (احناف) کہتے ہیں کہ سنت فجر اس وقت تک ادا کیں جائیں گی جب تک فرض نماز کی دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو، اور اگر دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو پھر سنتیں چھوڑ دیں دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے۔

Scanned by CamScanner

نیز علامہ عینی نے سنت فجر کی فضیلت والی احادیث کو اپنے مذہب کی دلیل میں پیش فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وروی ابوداؤد من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول ﷺ لاتدعوھما وان طردتکم الخیل فھذا کلہ حث علی المحافظۃ وحث عظیم علی مواظبتھا وعن ھذا اصحابنا ذھبوا فیہ الی ما ذکرنا علی ان فیہ الجمع بین الامرین فافھم. (عمدۃ القاری، ج:۵،ص:۱۸۵)

احادیث میں سنت فجر کی اس قدر تاکید بیان کرنا کنایہ ہے مبالغہ اور انکی حفاظت پر بے حد ترغیب ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) کا اس میں وہی مذہب ہے جسکا ذکر ہم کر چکے ہیں (یعنی نماز فجر کی اقامت کے وقت مسجد سے باہر یا مسجد کے دروازے کے پاس اور اگر وہاں بھی جگہ نہ ہو تو پھر مسجد کے صحن میں یا کسی ستون کے پیچھے سنت فجر پڑھنا اس وقت تک جائز ہے کہ جب تک دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں فضیلتوں (یعنی سنت فجر اور فرض نماز میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے) پر عمل ہو جاتا ہے۔

اب آپ حضرات خود اندازہ لگائیں کہ اکابر محدثین تو اس حدیث کا تعلق مسئلہ متنازع فیہما سے قائم کرتے ہیں لیکن معترض صاحب ہیں کہ وہ احناف کے ساتھ تعصب کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازع فیہما کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہے!

Scanned by CamScanner

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا معترض صاحب کے اعتراض کا ان اکابر محدثین کے مقابلہ میں کوئی وزن ہے؟ حاشا وکلا کیونکہ یہ تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے اور سورج کو چراغ دکھانے والے کو اگر احمق کہہ دیا جائے تو میرے خیال میں اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔

احناف کی حدیث پر دوسری جرح:

دوسری جرح معترض صاحب نے اس حدیث کی سند پر یہ کی ہے کہ:

> یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن سیلان ہے جو کہ لین الحدیث ہے اور اس حدیث کے تمام طرق واہی ہیں جو مجموعی اعتبار سے بھی درجہ حسن تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی اس میں سنت فجر کے انتہائی اہتمام کا حکم ہے کہ جہاد کے موقع پر بھی انہیں ترک نہ کرنا چاہئے، جبکہ ہم انہیں ترک نہیں کرتے بلکہ ہم ان کو فرض نماز کے بعد تک مؤخر کرتے ہیں احادیث کی اتباع کرتے ہوئے، اور جو لوگ اس حدیث سے سنت فجر عند الاقامت کے جواز کی دلیل پکڑتے ہیں وہ فقہ وتدبر سے کوسوں دور ہیں۔ اھ

جواب:

معترض صاحب نے جس راوی کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف ٹھہرایا ہے اس نام کے تین راوی ہیں ایک کا نام عبدربہ بن سیلان ہے، دوسرے راوی کا نام جابر بن سیلان ہے اور تیسرے راوی کا نام عیسیٰ بن سیلان ہے۔

لیکن ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے میں عبدربہ بن سیلان مشہور ومعروف ہیں پس ابوداود کی سند

Scanned by CamScanner

میں ابن سیلان سے مراد یہی عبدربہ بن سیلان ہی ہیں جیسا کہ مسند احمد کے بعض طرق میں عبدربہ بن سیلان کی تصریح بھی موجود ہے۔ اور رہی بات جابر بن سیلان کی تو وہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرنے میں معروف ومشہور ہیں تو اس سند میں وہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی تصریح فرمادی ہے چنانچہ وہ جابر بن سیلان کے حالات میں فرماتے ہیں:

"وظهر هذا أن ابن سيلان ثلاثة جابر بن سيلان وهو الراوي عن ابن مسعود وعبد ربه بن سيلان وهو الذي يروي عن أبي هريرة ويروي عنه ابن قنفذ وعيسى فإنه وإن كان يروي عن أبي هريرة فلم يذكروا أن ابن قنفذ روى عنه فتعين أن الذي أخرج له أبو داود هو عبد ربه

(تهذيب التهذيب، ج: ١، ص: ٣٦٣)

اور اس سے ظاہر ہوا ابن سیلان تین ہیں: جابر بن سیلان اور وہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتا ہے، اور عبدربہ بن سیلان وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابن قنفذ روایت کرتا ہے اور رہی بات عیسیٰ بن سیلان کی تو اگرچہ وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے لیکن محدثین نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ ابن قنفذ اس سے روایت کرتا ہے (پس جب ایسا نہیں) تو یہ بات متعین ہوگئی کہ امام ابوداودؒ نے جس کی حدیث کی تخریج کی ہے وہ عبدربہ بن سیلان ہے

پس جب یہ بات متعین ہوگئی کہ امام ابوداودؒ نے جس راوی کی تخریج اپنی سنن میں فرمائی ہے وہ

Scanned by CamScanner

عبدربہ بن سیلان ہے تو اب آئندہ ہمارا کلام عبدربہ بن سیلان کے متعلق ثقہ و غیر ثقہ ہونے کی تحقیق میں ہوگا کہ محدثین اور آئمہ جرح و تعدیل عبدربہ بن سیلان کے متعلق کیا فرماتے ہیں چنانچہ آئمہ جرح و تعدیل کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱)... علامہ ابن حبانؒ نے عبدربہ بن سیلان کو ثقات میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

"عبد ربه بن سيلان يروى عن ابى هريرة عداده فى اهل المدينة هو الذى يقال له عبدربه الدوسى روى عنه محمد بن المهاجر (الثقات لابن حبان، ج:۵، ص:۱۳۲)

"عبدربہ بن سیلان ابو ہریرۃؓ سے روایت کرتا ہے ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے اور یہ وہی ہے جن کو عبدربہ دوسی کہا جاتا ہے محمد بن مہاجر نے اُن سے روایت کی ہے۔

(۲) ...امام نسائیؒ اور امام ابن خزیمہؒ ابن سیلان کے متعلق فرماتے ہیں:

"وقال النسائى وابن خزيمة: ليس به بأس. (اعلام اهل العصر، ص:۲۲)

ابن سیلان (سے روایت کرنے میں) کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳)... علامہ عراقیؒ نے عبدربہ بن سیلان کی اس حدیث کو صالح قرار دیا ہے چنانچہ علامہ شوکانی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وقال العراقى: ان هذا حديث صالح" (نيل الاوطار، ابواب ما يبطل الصلاة وما يكره فيها، باب تاكيد ركعتى الفجر، ج:۳، ص:۱۱۹)

اور عراقی نے فرمایا ہے کہ: یہ حدیث اچھی ہے۔

تجزیہ:

علامہ شوکانی جو غیر مقلدین کے مذہب کا اصل ماخذ ہیں وہ اس حدیث کے متعلق آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"والحدیث یقتضی وجوب رکعتی الفجر ...... الخ (نیل الاوطار ابواب مایبطل الصلاۃ ومایکرہ فیہا باب تاکید رکعتی الفجر)

اور حدیث سنت فجر کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے۔

معترض صاحب کو اپنے گھر کی خبر لینی چاہئے کہ آگے بڑے تو اس حدیث سے وجوب ثابت کرتے ہیں لیکن معترض صاحب اس حدیث کے تمام طرق کو واہی بتا کر جان چھڑا لیتے ہیں کیا ایسی حدیث جو تمام سندوں کے اعتبار سے بالکل ضعیف ہو اس سے وجوب ثابت ہو سکتا ہے؟ معترض صاحب جلدی جواب نفی میں دیجئے وجوب کی بات تو بہت ہی دور کی بات ہے ایسی حدیث جسکی تمام سندیں واہی ہو اس کو فضائل میں بیان کرنا جائز نہیں چہ جائیکہ اس سے وجوب ثابت کیا جائے۔

(۴) علامہ سیوطی نے یہ حدیث جامع صغیر میں نقل فرما کر اس پر حسن کی علامت ثبت فرمائی ہے چنانچہ علامہ مناوی فیض القدیر میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ورمز لحسنہ قال عبد الحق اسنادہ لیس بقوی" (فیض القدیر، ج ۶، ص: ۴۹۳ مکتبہ تجاریۃ مصر)

اور (علامہ سیوطی) نے اس پر حسن کی علامت ثبت فرمائی ہے اور

Scanned by CamScanner

عبدالحق نے فرمایا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔

"عبدالحق کے اسناد حدیث کو قوی نہ کہنے کی وجہ"

عبدالحق نے اس حدیث کی سند کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ اسکی سند قوی نہیں ہے تو اسکی وجہ ابن سیلان کی حالت سے عدم واقفیت ہے کہ ان کو ابن سیلان کا حال معلوم نہیں تھا اس وجہ سے انھوں نے اس کے متعلق یہ فرمایا کہ اس کی سند قوی نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن قطان اسکی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وعلته الجهل بحال ابن سيلان ولا يدرى أهو عبد ربه بن سيلان او جابر بن سيلان (نصب الرایہ، ج: ۲، ص: ۱۶۰)

اور عبدالحق کا اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ اسکی سند قوی نہیں ہے اسکی وجہ انکا ابن سیلان کی حالت سے بے خبری ہے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ عبد ربہ بن سیلان ہے یا جابر بن سیلان۔

پس ماقبل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ابن سیلان سے مراد اس حدیث میں عبد ربہ بن سیلان ہی ہیں تو علامہ عبدالحق کا اس حدیث کی سند کو قوی نہ کہنا قابل قبول نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین فرمالیجئے کہ ابن سیلان اگرچہ مختلف فیہ راوی ہے کہ بعض آئمہ جرح وتعدیل نے اسکی تضعیف بھی کی ہے لیکن مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے جیسا کہ ماقبل میں اسکی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ پھر جب علامہ عراقی نے اس حدیث کو صالح للاحتجاج قرار دے دیا تو یہ بھی حدیث کے ہر ہر راوی کے قابل احتجاج ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ حدیث کی تحسین اسکے ہر راوی کی تحسین ہوتی ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

ان مباحث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ معترض صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ: "یہ حدیث ضعیف ہے

Scanned by CamScanner

اور اسکے تمام طرق ناقابل اعتماد ہیں" محض معترض صاحب کے تعصب کی کرشمہ سازی ہے کہ حق کو جانتے ہوئے بھی اس سے چشم پوشی فرمائی اور حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کر بیٹھے!۔

دوسری بات معترض صاحب نے یہ کہی تھی کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو پھر بھی زیادہ سے زیادہ اسکا تعلق سنت فجر کی تاکید سے ہے اور اسکے ہم بھی قائل ہیں کہ ہم سنت فجر کو نماز فجر تک مؤخر کرتے ہیں اور نماز فجر کے بعد پڑھتے ہیں احادیث کی اتباع کرتے ہوئے۔

ہم معترض صاحب سے پوچھتے ہیں؟ کہ نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے کی ممانعت تو احادیث سے ثابت ہے تو آپ ان احادیث پر عمل کیوں نہیں کرتے کہ سنت فجر کو وقت سے مؤخر کردیتے ہیں؟

اور معترض صاحب کا یہ کہنا کہ ہم نماز فجر کے بعد پڑھتے ہیں تو ہم معترض صاحب سے پوچھتے ہیں؟ کہ نماز فجر کے بعد سنن ونوافل پڑھنے کی ممانعت تو متواتر احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے تو پھر ان متواتر احادیث کو چھوڑ کر ایک مرسل اور منقطع روایت کو کیوں ترجیح دیتے ہو؟ اور کیا صحیح اور قوی احادیث کو چھوڑ کر ایک کمزور حدیث پر عمل کرنے کا نام عمل بالاحادیث ہے؟

ممانعت والی احادیث زیادہ ہیں اور جواز کی صرف ایک حدیث اور وہ بھی اپنے تمام طرق کے اعتبار سے مرسل ہی ہے۔ یہ اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ اپنے مطلب نکالنے کیلئے صحیح حدیث کو چھوڑ کر اس کے مقابلے میں ایک کمزور حدیث کو ترجیح دی جاتی ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

اب آپ حضرات انصاف کیساتھ فیصلہ فرمائیں کہ جو لوگ متواتر اور صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں وہ زیادہ فقہ و تدبر والے ہیں یا جو لوگ کمزور اور ضعیف احادیث پر عمل کرتے ہیں وہ فقہ و فقہ

Scanned by CamScanner

وتدبر والے ہیں؟ یقینا اول الذکر زیادہ فقہ وتدبر والے ہیں اور ثانی الذکر فقہ وتدبر سے کوسوں دور ہیں جو متواتر احادیث کے مقابلہ میں تعصب کی وجہ سے کمزور احادیث کو ترجیح دیتے ہیں۔

اب میں آپ حضرات کے سامنے ایک دوسری بات پیش کرنا چاہتا ہوں آپ اس پر غور کر کے فیصلہ فرمائیں کہ احناف احادیث پر زیادہ عمل کرنے والے ہیں یا غیر مقلدین حضرات؟

سنت فجر کی تاکید میں جتنی روایات وارد ہوئیں ہیں ان احادیث سے سنت فجر کی انتہائی اہمیت معلوم ہوتی ہے اس اہمیت کے پیش نظر احناف ان پر حتی الامکان عمل کرنے کا کہتے ہیں ایک طرف سنت فجر کی اہمیت ہے اور دوسری طرف جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت ہے تو احناف ان دونوں فضیلتوں کو حاصل کرنے کیلئے دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا کہتے ہیں اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچے کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہو اور اس نے ابھی سنتیں نہیں پڑھی ہوں تو اگر دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو وہ مسجد کے باہر یا اگر باہر جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی آڑ میں سنتیں پڑھ کر فرض نماز میں امام کیساتھ شامل ہو جائے تو ایسی صورت میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی اور سنت فجر کی فضیلت بھی۔

اور نماز فجر کے بعد سنت فجر کی ممانعت میں بھی احناف عاملین بالاحادیث ہیں کہ نماز فجر کے بعد سنت فجر کا وقت نہیں ہے کیونکہ اس وقت میں نماز پڑھنے پر ممانعت وارد ہوئی ہے جیسا کہ آپ تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ جو لوگ فجر کے قیام کے وقت مطلقا سنتیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کا کہتے ہیں وہ حق کے زیادہ قریب ہیں یا جو لوگ نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں وہ حق کے زیادہ قریب ہیں۔؟ تدبر

Scanned by CamScanner

تمت بالخیر ۲۷ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ بمطابق ۳۰ دسمبر ۲۰۱۳ء

کلب علی خان فیضی

Scanned by CamScanner

"حصہ سوم"

"کشف التلبیسات"

بجواب کتاب

"التحقیقات فی رد المفتوات"

"سنت فجر عند الاقامت پر "صاحب تحقیقات" کے کلام کا تحقیقی جائزہ"

تمہید

"کشف الغرور عن سنۃ الفجر" کے دوسرے حصہ کی تکمیل کے بعد اتفاق سے غیر مقلدین کی ایک کتاب جسکا نام "التحقیقات فی رد المفتوات" ہے نظر سے گزری جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں دیگر اختلافی مسائل کیساتھ "سنت فجر" کے موضوع پر کی گئی بحث بھی نظر سے گزری چونکہ یہ بحث اس کتاب کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے اس وجہ سے احقر نے اپنی کتاب کا تیسرا حصہ انہی مباحث کے جواب کیلئے مختص کیا پھر ان مباحث میں بھی احقر نے صرف اور صرف "سنت فجر عند الاقامت" پر صاحب التحقیقات کے کلام کا جائزہ لیا ہے۔

سنت فجر عند الاقامت کے مسئلے میں احناف کے استدلالات پر جو کلام "صاحب التحقیقات" نے کیا ہے اس کے متعلق راقم الحروف نے ما قبل کے دو حصوں میں چیدہ چیدہ کلام کیا ہے لیکن جو آثار صحابہ ہم پیش کرتے ہیں ان کے اسناد پر ما قبل کے دو حصوں میں کچھ خاص کلام نہیں ہوا۔ اس وجہ سے ممکن تھا کہ احناف وہ آثار صحابہؓ "سنت فجر عند الاقامت" کی دلیل میں پیش کرتے تو ادھر سے غیر مقلدین ان کو فوراً یہ کہہ کر رد کر دیتے جیسا کہ یہ ان کی پرانی عادت ہے کہ یہ

روایات ضعیف ہیں اور قابل استدلال نہیں ہیں۔ چونکہ اس بات سے پھر بھی لوگوں کے دلوں میں احناف کے متعلق بدظنی پیدا ہونے کا احتمال تھا تو اس وجہ سے ان مباحث پر کلام کرنا ضروری ہوا تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ اور لوگوں کے دلوں میں احناف کے مذہب کے متعلق ذرا برابر بھی شبہ نہ رہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد انشاء اللہ ہر آدمی جان لے گا کہ احناف کا مسلک الحمد للہ ثم الحمد للہ احادیث رسول ﷺ اور آثار صحابہؓ کے بالکل موافق ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی غیر مقلدین حضرات کے بے بنیاد دعوے بھی انشاء اللہ کافور ہو جائیں گے۔

راقم الحروف اس حصہ میں کتاب "التحقیقات فی رد الھفوات" کے مصنف کو "صاحب تحقیقات" سے مخاطب کریگا اور اس کے نام کی تصریح نہیں کریگا۔

جس ترتیب سے "صاحب تحقیقات" نے احناف کے دلائل اپنی کتاب میں لکھے ہیں اور پھر اس پر کلام کیا ہے راقم الحروف بھی اسی ترتیب کیساتھ ان دلائل کو ذکر کریگا پھر ان پر "صاحب تحقیقات" کے کلام کا ذکر کریگا پھر "صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ لے گا۔ پھر نتیجہ قارئین حضرات خود نکالیں گے کہ احناف پر الزامات لگانے والے عدل و انصاف سے کتنے دور ہیں۔

Scanned by CamScanner

پہلی حدیث:

"عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا عن النبی ﷺ قال:" رکعتا الفجر خیر" من الدنیا وما فیہا. وفی روایۃ لمسلم: ولھما أحب الیّ من الدنیا جمیعاً. (أخرجہ مسلم فی المسافرین حدیث ۹۶ والترمذی فی الصلاۃ باب ۱۹۰، الترغیب والترھیب، ج:۱، ص:۲۲۳)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی (دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ دو رکعتیں مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔

"احناف کے استدلال پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قول:

"صاحب تحقیقات" اس حدیث کے متعلق کہتا ہے کہ:

"اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ سنتوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اسکے ہم بھی قائل ہیں اس قدر فضیلت والی سنتوں کو تم لوگ (احناف) کیوں اس قدر تنگ وقت میں پڑھتے ہو اور اس کے مرتبہ کو گھٹاتے ہو بلکہ ان سنتوں کو خوب آرام سے پڑھنا چاہئے جب فجر کی جماعت ہو جائے تو پھر آرام سے پڑھ لو اور یہ حدیث ہمارے لئے

Scanned by CamScanner

حجت ہے اور تم (احناف) پر حجت ہے .... اور اس حدیث میں یہ کہا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو سنت پڑھنا جائز ہے، تیسری بات یہ کہ امت میں تمہارے مجتہد کے علاوہ اور کون سے مجتہد نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی بھی ہو تو سنت فجر پڑھنا چاہئے تمہارے احناف کی کتابوں میں بھی نہیں ہے۔ (التحقیقات فی رد المطلوعات ۲۸۸)

""صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" نے اپنے چھوٹے منہ سے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے کہ احناف کی کتابوں میں بھی یہ بات نہیں پائی جاتی کہ مذکورہ حدیث سنت فجر عند الاقامت کی دلیل ہے میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اور اسی طرح وہ تمام احادیث جو سنت فجر کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں سنت فجر عند الاقامت کی تخصیص کی دلیل ہیں۔ اس وجہ سے انکے متعلق علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

"فهذا كله كناية عن فضلهما وحث عظيم على مواظبتهما ومن هذا أخذ أصحابنا فصاروا إليه في ما ذكرنا على أن فيه الجمع بين الأمرين (عمدة القاري، ج:٥، ص:١٨٥)

احادیث میں سنت فجر کی اس قدر تاکید بیان کرنا کنایہ ہے بھلائی سے اور انکی محافظت پر بے حد ترغیب ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) اس طرف گئے ہیں جسکا ذکر ہم کر چکے ہیں (یعنی

Scanned by CamScanner

سنت فجر حین الاقامت پڑھنے کے جواز کی طرف جبکہ دوسری رکعت
کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو پھر مسجد کے صحن میں یا کسی ستون کے
پیچھے سنت فجر پڑھی جائیں) کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں فضیلتیں
(سنت فجر اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت) جمع ہو جاتیں
ہیں۔

علامہ عینی کی اس تصریح کو ملاحظہ کرنے کے بعد شاید "صاحب تحقیقات" نے ہوش کے ناخن لئے ہوں اور انکی آنکھیں چندھیا گئی ہوں کہ احناف کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے لیکن جب کسی کی آنکھوں پر تعصب کے پردے پڑے ہوں اور اس کو اگر نظر نہ آئے تو اسے ہم معذور رکھتے ہیں:

لیکن ہم چاہتے ہیں کہ "صاحب تحقیقات" اپنی آنکھوں اور دماغ کے علاج کی طرف متوجہ ہوں ہوسکتا ہے کہ اسکے بعد انہیں علامہ حلبی کی مندرجہ ذیل عبارت بھی احناف کی کتابوں میں نظر آجائے علامہ حلبی فرماتے ہیں:

"وانما خالفنا فی سنۃ الفجر لشدۃ تاکدھا علی ما مر علی انھا
لا تقضی   (غنیۃ کبیری فصل فی النوافل ،ص: ۳۴۳)

اور ہم نے سنت فجر کی انتہائی تاکید کی وجہ سے (حدیث اذا اقیمت
الصلاۃ الخ) کے عموم کی اس لئے مخالفت کی ہے جیسا کہ پہلے
گزر چکا ہے کہ ہمارے نزدیک نماز فجر کے بعد اسکی قضاء درست
نہیں۔

علامہ حلبی نے بھی حدیث ابو ہریرہؓ کے عموم سے سنت فجر کے استثناء کی طرف اس بات سے اشارہ

Scanned by CamScanner

فرمادیا کہ "معدود تا کہ دیا" کہ سنت فجر کی فضیلت کے متعلق جتنی بھی روایات وارد ہوئی ہیں ان میں سنت فجر کی انتہائی تاکید کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ سنت فجر اس حدیث ابوہریرہ سے مستثنیٰ ہیں۔ لیجئے ایک نہیں دو حوالے ہو گئے اب تو "صاحب تحقیقات" کو ماننا ہوش آ یا ہوگا کہ احناف کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے۔ لہٰذا "صاحب تحقیقات" کو اپنی بات سے رجوع کرنا چاہئے کہ انہوں نے احناف کی طرف غلط بات کی نسبت کی ہے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

قولہ

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ

> تیسری بات یہ کہ امت میں تمہارے مجتہد کے علاوہ اور کون سے مجتہد نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی بھی ہو تو سنت فجر پڑھنا چاہئے۔

اقول

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" کی یہ بات اجتہاد کی حقیقت سے نری ناواقفی ہے کیونکہ ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرتا ہے وہ کسی دوسرے مجتہد کے اصولوں کا پابند نہیں ہوتا اور مجتہد کیلئے یہ ضروری تو نہیں کہ وہ حدیث سے وہی استدلال کریں جو دوسرے مجتہد نے کیا ہے اگر وہ دوسرے مجتہد کے اصولوں کا پابند ہوگیا تو وہ پھر مجتہد نہیں رہتا بلکہ مقلد بن جاتا ہے۔ "صاحب تحقیقات" کی خواہش شاید یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ یا ان کے شاگردان کے پیچھے نام نہاد مجتہدین کے مقلد بن جائیں اور وہ حدیث سے وہی استدلال کریں جو دوسرے مجتہدین نے کیا ہے۔ واللہ اعلم مدعی الاجتہاد

Scanned by CamScanner

قول:

"اس حدیث سے زیادہ سنتوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے
اور اسکے ہم بھی قائل ہیں اس قدر فضیلت والی سنتوں کو تم لوگ
(احناف) کیوں اس قدر تنگ وقت میں پڑھتے ہو اور اس کے مرتبہ کو
گھٹاتے ہو بلکہ ان سنتوں کو خوب آرام سے پڑھنا چاہئے جب فجر کی
جماعت ہو جائے تو پھر آرام سے پڑھو اور یہ حدیث ہمارے لئے
حجت ہے اور تم (احناف) پر حجت ہے

اقول

میں کہتا ہوں کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ سنت فجر تمام سنتوں سے زیادہ مؤکد ہیں جیسا کہ "صاحب تحقیقات" بھی ان سنتوں کی فضیلت کا قائل ہے تو اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ ان سنتوں کا معاملہ دیگر سنتوں جیسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان سنتوں کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور ان سنتوں کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے تو ان دونوں فضیلتوں کو حاصل کرنے کا طریقہ احناف نے آثار صحابہ کی روشنی میں یہ تجویز کیا ہے کہ اگر امام کیساتھ دوسری رکعت پانے کی امید ہو تو پھر ان سنتوں کو مسجد سے باہر یا کسی ستون کے پیچھے پڑھنا چاہئے تاکہ دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جائے، ایک رکعت پانے کی قید کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً
مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ" (صحیح البخاری برقم
٥٥٥، کتاب مواقیت الصلاۃ، ج: ١، ص: ٢١١، دار ابن

Scanned by CamScanner

کلمہ)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:
جس نے نماز میں سے ایک رکعت پالی تحقیق کہ اس نے پوری نماز
پالی"

اب رہی "صاحب تحقیقات" کی یہ بات کہ:

اس قدر فضیلت والی سنتوں کو تم لوگ (احناف) کیوں اس قدر تنگ
وقت میں پڑھتے ہو اور اس کے مرتبہ کو گھٹاتے ہو بلکہ ان سنتوں کو
خوب آرام سے پڑھنا چاہئے جب فجر کی جماعت ہو جائے تو پھر آرام
سے پڑھو اور یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے اور تم (احناف) پر
حجت ہے۔اھ

اسکا جواب یہ ہے کہ ہم ان سنتوں کو بقول آپ کے اس تنگ وقت میں اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر جہاد کے میدان میں گھوڑے تمہیں روند ڈالیں تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو تو ہم نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں سنت فجر کو حدیث ابو ہریرہ سے مخصوص کرتے ہیں انہی احادیث کی وجہ سے۔اور یہ آپ کی نادانی ہے جو آپ یہ کہتے ہیں کہ تنگ وقت میں پڑھتے ہو حدیث ابو ہریرہؓ میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت وقت کی وجہ سے نہیں بلکہ فضل صلاۃ اور جماعت کی فضیلت کی وجہ سے ہے وقت کی تنگی کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔اور پھر کسی نماز کے افضل ہونے سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ آدمی تمام وقت اسی میں ہی مشغول رہے یعنی اس کو لمبا کر کے پڑھا جائے حالانکہ سنت فجر کے بارے میں تخفیف خود آپ ﷺ سے ثابت ہے

"عن ابن عمر عن حفصة بنت عمر أن رسول الله ﷺ كان اذا نودي لصلاة الصبح ركع ركعتين خفيفتين قبل أن يقوم الى الصلاة. (سنن ابن ماجه برقم ۱۱۴۵ ، ج: ۱ ص: ۳۶۲

حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ جب صبح کی نماز کیلئے اذان دی جاتی تو رسول اللہ ﷺ فرض نماز کیلئے تشریف لیجانے سے پہلے دو ہلکی سی رکعتیں پڑھ لیتے تھے ۔

پھر اس حدیث کو آپ کے علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کے افضل ہونے کیلئے اس میں تطویل ضروری نہیں ہے تو ہم احناف اگر سنتوں کو عند الاقامت ہلکی پڑھنے کا کہیں اور وہ بھی تعدیل ارکان کیساتھ تو اس صورت میں دونوں فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں۔ فتدبر

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کی ممانعت میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے لہذا جب یہ صورتحال ہے تو پھر سنت فجر عند الاقامت ہی میں دونوں فضیلتوں پر عمل کرنا ممکن ہے جسکے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ لہذا "صاحب تحقیقات" کا یہ شبہ بے بنیاد ہے۔ اور اُنکا یہ کہنا کہ یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے محض "صاحب تحقیقات" کی خوش فہمی ہے!

دوسری حدیث:

وعنها رضي الله عنها قالت: " لم يكن النبي ﷺ على شيء من النوافل أشد تعاهدا منه على ركعتي الفجر. وفي رواية لابن خزيمة قالت: ما رأيت رسول الله ﷺ إلى شيء

من الخير نسرع منه الى الركعتين قبل الفجر ولا الى غنيمة. (رواه البخاري ومسلم وابو داود والنسائي وابن خزيمة في صحيحه، الترغيب والترهيب، ج: ۱، ص ۲۲۳.)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: "نبی کریم ﷺ نوافل میں سے کسی چیز کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ سنت فجر کا، اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے آپؓ نے فرمایا کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھلائی کے کاموں میں سے کسی چیز کی طرف اتنی تیزی کرتے ہوئے نہ دیکھا اور نہ غنیمت کی طرف جتنا کہ سنت فجر کی طرف۔

"احناف کے استدلال پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

اس حدیث کے متعلق بھی "صاحب تحقیقات" نے تقریباً وہی کلام کیا ہے جو ماقبل حدیث کے متعلق گزر چکا ہے لیکن اس میں انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے:

قول:

"اب کوئی ایسی دلیل دکھاؤ کہ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے اس وقت سنتیں پڑھی ہوں یعنی کہ جماعت کھڑی ہو اور انہوں نے سنتیں پڑھی ہو"

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ سے نماز فجر کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنا ثابت ہے

Scanned by CamScanner

چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يصلي ركعتي الفجر عند الاقامة"(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها باب ماجاء في الركعتين قبل الفجر، ج: ۱، ص: ۳۶۳ برقم ۱۱۴۷)

یعنی کہ رسول ﷺ نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث پر تفصیلی کلام ماقبل میں (گزر چکا ہے) تفصیل کیلئے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ پس "صاحب تحقیقات" کا یہ شبہ بھی کافور ہوگیا ہوگا۔ اب رہی بات صحابہ کرامؓ کی تو ان میں بھی عبداللہ ابن مسعودؓ، ابو درداءؓ، حضرت ابن عمرؓ، عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ حضرات سے نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھنا ثابت ہے جسکی پوری تفصیل "باب دوم" میں گزر چکی اور مزید تفصیل "صاحب تحقیقات" کے شبہات کے ازالہ میں ہوگی ان شاء اللہ۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہم جب ان آثار کو پیش کرتے ہیں تو ان میں یہ لوگ کیڑے نکالنے لگ جاتے ہیں اور بے بنیاد اعتراضات کر دیتے ہیں یہ صرف ان کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت کرو ورنہ بعد ثبوت و توثیق کے بھی یہ لوگ مانتے نہیں۔

تیسری حدیث:

"وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تدعوا ركعتي الفجر، ولو طردتكم الخيل" (رواه ابو داود في التطوع بابه، والنسائي في قيام الليل باب ۶۷ و ۶۸، الترغيب والترهيب، ج: ۱، ص: ۲۲۳.

Scanned by CamScanner

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگر چہ تم کو تمہارا لشکر (جہاد میں جانے والا) کچل رہا ہو۔

" احناف کے استدلال پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قول:

اس حدیث کے متعلق بھی صاحب تحقیقات کہتا ہے:

"سنت فجر عند الاقامت پڑھنے سے نہ پڑھنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں صرف چھوڑنا لازم آتا ہے جبکہ تمہاری طرح پڑھنے میں جبکہ امام جماعت کی نماز پڑھا رہا ہو اور تم لوگ سنتیں پڑھتے ہو ان سنتوں کی بے عزتی ہے اور یہ رسول ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔اھ"

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

"صاحب تحقیقات" نے تو یہاں سنتوں کو چھوڑنے کا کہا ہے لیکن اس سے پہلے وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ سنتوں کو نماز فجر کے بعد آرام سے پڑھ لے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نماز فجر کے بعد نوافل و سنتیں پڑھنے کی ممانعت متواتر احادیث میں وارد ہوئی ہے تو "صاحب تحقیقات" کو نماز فجر کے بعد جس میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے فجر کی سنتیں پڑھنے میں سنتوں کی بے عزتی معلوم نہیں ہوتی لیکن عند الاقامت جو کہ مکروہ وقت بھی نہیں اس میں سنتیں پڑھنا ان کے نزدیک سنتوں کی

Scanned by CamScanner

بے وزنی ہے۔ جس طرح حدیث ابو ہریرہؓ کے عموم سے دیگر فرائض وواجبات کی تخصیص ہو چکی ہے تو اسی طرح دیگر احادیث کی وجہ سے احناف بھی اس حدیث میں تخصیص کرتے ہیں جنکی پوری تفصیل گزر چکی ہے لہذا "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ سنت فجر عند الاقامت نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہیں محض ان کی ناواقفیت ہے اور کچھ بھی نہیں۔

قول ہفتم "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

> "انکے دلائل صحیحین اور سنن اربعہ میں بالکل نہیں ہیں سوائے طحاوی کے کہ وہ بھی انکے گھر کا آدمی ہے" (التحقیقات فی رد الھفوات ص: ۹۷ پشتو)

اقول:

"صاحب تحقیقات" جھوٹ پہ جھوٹ بولے جارہے ہیں آپ حضرات ماقبل میں حضرت علیؓ کی روایت ملاحظہ فرما چکے ہیں جو کہ سنن ابن ماجہ کی روایت ہے اور حسن حدیث ہے جسمیں حضرت علیؓ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ عند الاقامت سنتیں پڑھتے تھے۔

دوسری حدیث ابو ہریرہؓ کی ابوداود شریف میں ہے جو کہ سنت فجر کی تخصیص کی دلیل ہے اور اسی طرح بخاری ومسلم شریف کی وہ احادیث جو سنت فجر کی فضیلت میں گزر چکی ہیں وہ بھی سنت فجر کی تخصیص کی دلیل ہیں لیکن انکے باوجود "صاحب تحقیقات" احناف کیساتھ تعصب میں اتنے آگے جا چکے ہیں کہ وہ صحیحین اور سنن اربعہ کی مذکورہ احادیث کو دلیل ہی نہیں سمجھتے۔

قول ہاتی "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

"سوائے طحاوی کے کہ وہ بھی انکے گھر کا آدمی ہے"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی "صاحب تحقیقات" کی احناف کیساتھ دشمنی کا نتیجہ ہے کہ احناف کے دلائل سوائے طحاوی کے اور کسی کتاب میں نہیں ہیں حالانکہ جن احادیث سے احناف حدیث ابو ہریرہؓ میں تخصیص کرتے ہیں وہ صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور جن آثار صحابہؓ کو احناف سنت فجر کی استثناء کی دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ بھی صرف طحاوی شریف میں نہیں بلکہ سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۵۱)، مصنف عبدالرزاق (۲/۴۴۴)، طبرانی معجم کبیر، (۹/۲۷۷) مجمع الزوائد، (۲/۴۴۳) وغیرہ میں موجود ہیں۔

"صاحب تحقیقات" کی باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا امام طحاویؒ احادیث اپنی طرف سے بناتے ہیں اور پھر ان احادیث کو احناف کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اما طحاویؒ بظاہر احناف کے گھر کا آدمی ہے لیکن وہ اپنے وقت کا جلیل القدر محدث امام جرح والتعدیل ہے وہ "صاحب تحقیقات" جیسا بے انصاف نہیں کہ جھوٹ پہ جھوٹ بولتا جائے اور اپنے آپ کو اہل حدیث بھی کہتا جائے۔

چوتھی حدیث:

"عن أبي موسى قال: أقيمت الصلاة فتقدم عبد الله بن مسعود إلى أسطوانة في المسجد فصلى ركعتين ثم دخل يعني في الصلاة." (المعجم الكبير باب العين عبدالله بن مسعود ج:۹، ص:۲۷۷، برقم ۹۳۸۵ مكتبة العلوم والحكم الموصل الطبعة الثانية ۱۴۰۴، ۱۹۸۳ء)، مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۲۲۳، مصنف

Scanned by CamScanner

عبدالرزاق، ج: ۲ص: ۴۴۴ برقم الحدیث ۴۰۲۱، المکتب
الاسلامی بیروت، طبع ۱۴۰۳ ،تحقیق حبیب الرحمن
الاعظمی)

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی کہ
اتنے میں عبداللہ بن مسعود آئے اور مسجد میں ایک ستون کی طرف
بڑھے اور فجر کی سنتیں پڑھ کر پھر جماعت کی نماز میں شریک ہوئے۔

"سند حدیث" صاحب تحقیقات" کا کلام"

قولہ

"صاحب تحقیقات" نے اس روایت پر طحاوی کی سند سے کلام کیا ہے طحاوی کی سند میں ایک راوی سلیمان بن شعیب کسائی ہے اس پر کلام کرتے ہوئے" صاحب تحقیقات" نے سلیمان بن شعیب بن لیث بن سعد مصری کا تذکرہ چھیڑ دیا اور اسکی تضعیف کو ثابت کرنے کیلئے کلام کو طول دیا تاکہ لوگوں کو وہ یہ باور کرا سکے وہ ایک محقق عالم ہے علم رجال پر بہت مہارت رکھتا ہے حالانکہ اس راوی کے تذکرہ کی چنداں حاجت نہیں تھی کیونکہ اس پر کلام کرنے سے نہ ان کوئی فائدہ ہوا اور نہ ہی قارئین حضرات کو کیونکہ وہ سرے سے اس حدیث کا راوی ہی نہیں ہے تو اسکو ضعیف ثابت کرنا لایعنی میں مشغول ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

پھر وہ اپنی اس لایعنی کے بعد اصل بات کی طرف آتے ہوئے کہتا ہے:

"لیکن یہ سلیمان بن شعیب دوسرا ہے اور امام طحاوی" جس سے
روایت کرتے ہیں اسکے متعلق حافظ ابن حجر نے صرف اتنا فرمایا ہے
کہ:

Scanned by CamScanner

"اسلیمان بن شعیب الکیسانی المصری ایضا فوثقہ العقیلی و اصلہ من نیسابور یروی عن اسد ابن موسیٰ وخالد بن نزار ووھب بن جریر وجماعۃ. روی عنہ الطحاوی والخصائری و آخرون مات سنۃ ثمان وسبعین ومائتین. (لسان المیزان ج:۳،ص:۱۰۹)

(ترجمہ از راقم الحروف) اور دوسری بات سلیمان بن شعیب کسائی مصری کی پس اس کی توثیق علامہ عقیلی نے کی ہے وہ اصلاً نیشاپوری ہے وہ اسد بن موسیٰ، خالد بن نزار، اور وہب بن جریر اور دیگر حضرات سے روایت کرتا ہے اس سے طحاوی، خصائری، اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے وہ ۲۷۸ھ میں فوت ہوئے۔

لیکن یہ صرف علامہ عقیلی کی توثیق ہے اور امام عقیلی کی تنہا توثیق راوی کی حدیث کی صحت نہیں لا سکتی۔" انتہی بلفظہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" امام جرح وتعدیل کب سے بن گئے ہیں کہ اس کو علامہ عقیلی کی سلیمان بن شعیب کی توثیق راس نہ آئی اگر تنہا علامہ عقیلی کی توثیق صحت حدیث کیلئے کافی نہیں ہے تو صرف اس بات سے "صاحب تحقیقات" کی گلو خلاصی کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ "صاحب تحقیقات" کو کسی جرح وتعدیل کے امام کی کوئی تصریح پیش کرنی چاہیے تھی کہ سلیمان بن شعیب ضعیف راوی ہے وہ بیچارے یہ نہ کر سکے تو جان چھڑانے کیلئے خود جرح وتعدیل کے امام بن گئے اور علامہ عقیلی کی توثیق کو دیوار پر مار دیا چنانچہ "صاحب تحقیقات" کی اس نادانی کو ہم بھی دیوار

Scanned by CamScanner

پر مارتے ہیں۔ اور ہم (احناف) کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی سلیمان بن شعیب کی توثیق ثابت ہوگئی جیسا کہ خود "صاحب تحقیقات" نے علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب لسان المیزان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ علامہ عقیلی نے اس کی توثیق فرمائی ہے پس جب تک سلیمان بن شعیب کی تضعیف کسی معتبر امام جرح وتعدیل سے مفسرا ثابت نہیں ہوگی تو اس وقت تک ہم یہی کہیں گے کہ سلیمان بن شعیب ثقہ راوی ہے۔

قول:

"صاحب تحقیقات" نے لکھا ہے کہ:

> دوسرا راوی اس میں عبدالرحمن بن زیاد الرصاصی ہے امام ابن حاتم کہتا ہے کہ میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ صدوق تھا ہے۔ اور میں نے ابوزرعہ سے پوچھا تو فرمایا کہ لا باس بہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اھ

اقول:

"صاحب تحقیقات" کی وضاحت سے عبدالرحمن بن زیادی الرصاصی کی توثیق ثابت ہوگئی جسمیں مزید کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی لہذا اس حدیث کے دو راویوں کی توثیق معلوم ہوگئی۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کہتے ہیں کہ:

تیسرا راوی اس حدیث میں زہیر بن معاویہ ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

> "وقال صالح بن أحمد عن أبيه زهير فيما روى عن المشايخ ثبت، بخ بخ وفي حديثه عن أبي إسحاق لين، سمع منه

Scanned by CamScanner

بآخره، وقال أبو زرعة: ثقة إلا أنه سمع من أبي إسحاق بعد الاختلاط. وقال أبو حاتم: زهير أحب إلينا من إسرائيل في كل شيء إلا في حديث أبي إسحاق (تهذيب التهذيب، ج: ۲، ص: ۲۱۱)

تنبیہ: تو معلوم ہو گیا کہ زہیر بن معاویہ ثقہ ہے لیکن ابو اسحاق سے جو حدیث روایت کرتا ہے تو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو اسحاق مختلطین میں سے ہے اور اس حدیث کا حکم جو مختلطین سے بعد الاختلاط روایت کی گئی ہو قابل حجت نہیں ہوتی۔

علامہ برہان الدین العجمی الحلبی المتوفی ۸۴۱ھ اپنی کتاب الاغتباط بمن رمی بالاختلاط میں فرماتے ہیں:

"ثم الحكم في حديث من اختلط من الثقات التفصيل فما حدث به قبل الاختلاط فإنه يقبل وإن حدث به فيه أو أشكل أمره فلم يدر أأخذ عنه قبل الاختلاط أو بعده فإنه لا يقبل.

پس معلوم ہو گیا کہ یہ اثر غیر مقبول ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبد الحق بن سیف الدین سعد اللہ البخاری الدھلوی مختلط حدیث کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وإن وجد لهذا القسم متابعات وشواهد ترقى من مرتبة الرد إلى القبول والرجحان وهذا حكم أحاديث المستور والمدلس والمرسل. (مقدمة في أصول الحديث

(ص: ۴۳)

اور اگر اس قسم (مختلط) کے متابعات وشواہد پائی جائیں تو یہ رد سے
قبول اور رجحان کے مرتبہ کو پہنچ جاتے ہیں اور یہی حکم مستور، مدلس
اور مرسل حدیثوں کا بھی ہے۔

پس علامہ عبدالحق کی تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس مختلط حدیث کے متابع اور شواہد موجود ہوں تو اس حدیث کو قبول کیا جائے گا اب چونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ عمل ہم تک دیگر واسطوں سے بھی پہنچا ہے جو کہ صحیح یا حسن درجہ کی ہیں لہٰذا اس حدیث کی مذکورہ سند کی وجہ سے اگرچہ اس کی سند میں قدرے کمزوری ہے لیکن دیگر طرق کی وجہ سے اس کا مضمون دیگر صحیح واسطوں سے ثابت ہے جس پر تفصیلی کلام آئندہ بیان کیا جائیگا ان شاء اللہ۔

پس "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ یہ اثر غیر مقبول ہے محض ان کا وہم ہے۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

"اب آئیں گے ابو اسحاق کے حال کی طرف۔ علامہ برہان الدین العجمی فرماتے ہیں

"عمرو بن عبد اللہ ابو اسحاق السبیعی: کان قد اختلط

(الاغتباط ص: ۲۷۳ رقم ۸۰)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"عمرو بن عبداللہ ابو اسحاق مشهور بالتدلیس اسماء
المدلسین ص: ۱۰۱)۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

"عمرو بن عبد الله السبيعي الكوفي مشهور بالتدليس وهو تابعي ثقة وصفه النسائي وغيره بذلك (طبقات المدلسين، ص: ٤٧)

خلاصہ: یہ اثر ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ابو یحیٰی صاحب نے "الاغتباط" کی عبارت پوری نقل نہیں کی کیونکہ علامہ ذہبیؒ نے ابو اسحٰق السبیعیؒ کے اختلاط سے انکار کیا ہے اصل عبارت یہ ہے:

"وقد ذكره ايضا فيهم ابن الصلاح قال الذهبي في ميزانه في ترجمته من ائمة التابعين بالكوفة واثباتهم الا انه شاخ ونسي ولم يختلط ...... الخ (الاغتباط ج: ١ ص: ٢٧٣)

ذہبیؒ نے اپنی میزان میں اس کے حالات میں کہا ہے کہ وہ کوفہ کے تابعین آئمہ واثبات میں سے تھا مگر وہ بوڑھا ہو گیا اور بھول گیا اور اس پر اختلاط نہیں آیا۔

اسی طرح علامہ صلاح الدین ابو سعید خلیل بن کیکلدی العلائی المتوفی ۷۶۱ھ اپنی کتاب المختلطین میں ابو اسحٰق سبیعیؒ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"أحد ائمة التابعين المتفق على الاحتجاج به. (المختلطين: ص: ٩٣ برقم ٣٥)

ابو اسحاق السبیعیؒ ان آئمہ تابعین میں سے ہے کہ جس کے حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

پھر علامہ علائیؒ نے ان حضرات کے اقوال ذکر کیے ہیں جنہوں نے ابو اسحاق کے اختلاط کا ذکر

Scanned by CamScanner

فرمایا جاسکے بعد فرماتے ہیں:

"قلت: ومقتضاه أنه أيضا مثل إسرائيل بن يونس وأقرانه ولم يعتبر أحد من الأئمة ما ذكر من اختلاط أبي إسحاق احتجوا به مطلقا وذلك يدل على أنه لم يختلط في شيء من حديثه كما تقدم في عبد الملك بن عمير فهو أيضا من القسم الأول. (المختلطين ج:١، ص:٩٣)

میں کہتا ہوں کہ اس کی طرح اسرائیل بن یونس اور اسکے دیگر ساتھی بھی ہیں اور آئمہ میں سے کسی ایک نے بھی ابو اسحٰق کے اختلاط کو معتبر نہ سمجھا اور اس کو مطلقاً حجت قرار دے دیا، اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ابو اسحٰق کو اپنی حدیثوں میں کچھ بھی اختلاط نہیں ہوا جیسا کہ عبد الملک بن عمیر کے ترجمے میں گزر چکا ہے پس ابو اسحٰق بھی قسم اول میں سے ہے۔

علامہ علائی عبد الملک بن عمیر کے ترجمے میں فرماتے ہیں:

"وذكر بعض الحفاظ: أن اختلاطه أحتمل لأنه لم يأت فيه بحديث منكر فهو من القسم الأول.

اور بعض حفاظ نے کہا ہے کہ اسکے اختلاط کو گوارا کیا گیا ہے کیونکہ اس نے اس میں کوئی منکر حدیث روایت نہیں کی ہے پس وہ قسم اول میں سے ہے۔

علامہ علائی کی مذکورہ عبارت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابو اسحٰق سبیعی بھی اُن مختلطین میں سے ہے کہ جن کے اختلاط کو گوارا کیا گیا ہے جیسا کہ وہ یہ تصریح فرما چکے ہیں کہ وہ قسم اول میں ہے۔ اب قسم اول سے کیا مراد ہے؟ قسم اول کا مطلب یہ ہے کہ علامہ علائی نے مختلطین کی تین قسمیں

بیان فرمائیں ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"أما الرواة الذين حصل لهم الاختلاط في آخر عمرهم فهم على ثلاثة أقسام: أحدها من لم يوجب ذلك له ضعفا أصلاً ولم يحط من مرتبته إما لقصر مدة الاختلاط وقلته كسفيان بن عيينة وإسحاق بن إبراهيم بن راهويه وهما من أئمة الإسلام المتفق عليهم وإما لأنه لم يرو شيئاً حال اختلاطه فسلم حديثه من الوهم كجرير بن حازم وعفان بن مسلم ونحوهما. (المختلطين: ج: ۱ ص: ۳)

اور ری بات اُن راویوں کی کہ جن کو آخری عمر میں اختلاط لاحق ہوا تو وہ تین قسم کے ہیں: ایک قسم اُن میں وہ ہے کہ جس کے لئے اختلاط موجب ضعف بالکل ہی نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے اُسکا مرتبہ کم ہوا ہے یا تو تھوڑی عرصہ کی اختلاط اور اس کی کمی کے باعث جیسا کہ سفیان بن عیینہ اور اسحٰق بن ابراہیم بن راھویہ کی طرح کہ وہ اسلام کے متفق آئمہ ہیں کہ جنکی امامت پر سب کا اتفاق ہے، اور یا اس لئے کہ اس نے اختلاط کی حالت میں کوئی روایت بیان نہیں کی ہے تو اسکی حدیثیں وہم سے محفوظ رہیں جیسا کہ جریر بن حازم اور عفان بن مسلم اور ان دونوں کی طرح (دیگر حضرات)۔

پس علامہ علائی کی تصریح سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مختلطین کا پہلا طبقہ وہ ہے کہ جنکا اختلاط کچھ بھی مضر نہیں ہے اور اسی طبقہ میں ابو اسحٰق سبیعی بھی ہیں کہ اختلاط کے باوجود آئمہ نے ان کو حجت قرار دیا ہے۔

Scanned by CamScanner

بات نکلی ہے تو اب دور تلک جائے گی

امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب الایمان، باب الصلوٰۃ من الایمان (۲۳/۱) میں زہیر سے ابو اسحٰق سبیعی کے طریق سے حدیث روایت کی ہے۔ اسی طرح کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارۃ (۷۰/۱) میں بھی زہیر عن ابی اسحٰق کے طریق سے حدیث روایت کی ہے۔ پہلی روایت پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

(حدثنا أبو إسحاق هو السبيعي وسماع زهير منه فيما قال أحمد بعد أن بدأ تغيره لكن تابعه عليه عند المصنف إسرائيل ابن يونس حفيده وغيره فتح: ج: ١ ص: ٩٦ دار المعرفة.)

ابو اسحاق وہ سبیعی ہے اور زہیر کا ابو اسحاق سے سماع کی ابتدا امام احمدؒ کے قول کے مطابق ابو اسحاق کے تغیر کے بعد ہوا ہے لیکن مصنف (بخاری) میں ابو اسحاق کا متابع اسرئیل بن یونس اسحاق کا نواسہ اور اسکے علاوہ موجود ہے۔

پس علامہ ابن حجر عسقلانی کی عبارت سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ بخاری شریف کی اس حدیث میں ابو اسحاق کی متابعت اسرائیل بن یونس اور دیگر نے بھی کی ہے۔ پس اس وجہ سے حدیث کی کمزوری ختم ہوگئی تو جس طرح بخاری شریف کی حدیث میں انکی متابعت کی وجہ سے اسکا ضعف ختم ہوگیا تو اسی طرح عبداللہ بن مسعود کے اس اثر کے شواہد بھی موجود ہیں جسکی وجہ سے اس اثر کی کمزوری ختم ہوجاتی ہے۔

لیکن "صاحب تحقیقات" حقائق کو چھپانے کیلئے صرف سرسری باتوں کو بیان کرکے لوگوں کو

اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اگر ہم ان کی بیان کردہ باتوں کو صحیح سمجھیں جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ زہیر بن معاویہ کا سماع ابو اسحٰق سے بعد اختلاط ہوا ہے لہٰذا ایسا اثر اس وجہ سے ضعیف ہو گیا تو پھر "صاحب تحقیقات" بخاری شریف کی مذکورہ حدیثوں کے متعلق کیا کہیں گے کیونکہ اس میں بھی زہیر بن معاویہ نے ابو اسحاق سے ہی روایت کی ہے پھر بخاری شریف کی یہ حدیث کیوں ضعیف نہیں؟؟ اگر وہ کہیں کہ اسکا متابع موجود ہے تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ ہمارے اس اثر کے بھی شواہد موجود ہیں تو پھر بخاری شریف کی حدیث صحیح اور طحاوی شریف کا اثر ضعیف؟ یہ منطق "صاحب تحقیقات" کی طرف سے لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے ہی استعمال کی جا رہی ہے۔

اب رہی "صاحب تحقیقات" کی یہ بات کہ ابو اسحاق مدلس تھا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس اثر میں ابو اسحاق کی تدلیس کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ اس اثر میں ابو اسحاق نے "حدثنی" کی تصریح کی ہے اور مدلس کی تدلیس اس وقت قبول نہیں ہوتی کہ وہ "عن" سے روایت کرے۔

جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابو اسحاق سبیعی کا شمار مدلسین کے تیسرے طبقے میں کیا ہے اور تیسرے طبقے کے متعلق وہ فرماتے ہیں:

"الثالثة: من أكثر من التدليس فلم يحتج الأئمة من أحاديثهم إلا بما صرحوا فيه بالسماع ومنهم من رد حديثهم مطلقا ومنهم من قبلهم كأبي الزبير المكي. (طبقات المدلسين: ص: ۱۳)

اور جن لوگوں نے تدلیس میں کثرت کی ہے تو ائمہ انکی احادیث کو صرف اس وقت حجت قرار دیتے ہیں جبکہ وہ سماع کی تصریح کریں اور بعض اس طبقے میں وہ ہیں جنکی احادیث کو مطلقاً رد کر دیا جاتا ہے اور

Scanned by CamScanner

بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جنکی حدیثوں کو قبول کیا جاتا ہے جیسا کہ
ابو زبیر مکی کی حدیثوں کو۔

پس معلوم ہوا کہ تیسرے طبقہ کا مدلس جب سماع کی تصریح کرے تو محدثین اس کو حجت قرار دیتے ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی بخاری شریف کی حدیث جو زہیر بن معاویہ نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وللمصنف في التفسير من طريق الثوري عن ابي اسحاق "سمعت البراء" فأمن ما يخشى من تدليس ابي اسحاق.(فتح الباري ، كتاب الايمان ،باب الصلاة من الايمان،ج: ١ ص: ٩٦ دار المعرفة)

اور مصنف (امام بخاری) نے تفسیر میں ثوری کے طریق سے ابو اسحاق کی حدیث کی تخریج کی ہے جسمیں ابو اسحاق نے سماع کی تصریح کی ہے کہ "میں نے براءؓ سے سنا" پس ابو اسحاق کے تدلیس کے خوف سے (روایت کمزوری سے) محفوظ ہوگی۔

پس معلوم ہوا کہ جب مدلس سماع کی تصریح کر دے تو پھر اسکی روایت کمزوری سے محفوظ ہو جاتی ہے لہذا ابو اسحاق کا یہ اثر بھی کمزوری سے محفوظ ہوگیا دیگر وجوہات سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

دوسری بات یہ کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اسی طرح طبرانی نے معجم کبیر میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور یہ بات ماقبل میں واضح ہو چکی ہے کہ مدلس اور مختلط کے جب متابعات و شواہد مل جائیں تو وہ ضعیف حد سے نکل کر درجہ قبول تک پہنچ جاتے ہیں۔ مزید تفصیل آئندہ ذکر ہوگی انشاءاللہ

Scanned by CamScanner

خلاصہ یہ کہ حدیث مجموعی اعتبار سے قابل استدلال ہے۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

"تیسری بات یہ کہ یہ ضعیف اثر مسلم کی صحیح احادیث یعنی حدیث ابو ہریرہ حدیث ابن بحینہ اور عبداللہ بن سرجس کی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی مسلم کی احادیث دیگر احادیث پر مقدم ہیں اور یہ بھی اس وقت کہ جب ہم اس اثر کو صحیح مرفوع تسلیم کر لیں ورنہ ان احادیث کے مقابلہ میں اس ضعیف اثر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اقول:

احقر کہتا ہے کہ "صاحب تحقیقات" کو کس نادان نے بتایا ہے کہ ہم اس اثر کو حدیث ابو ہریرہؓ کی حدیث مرفوع کے مقابل رکھتے ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہؓ معارض ہے ابو ہریرہؓ کی دوسری حدیث "لا تدعوھما وان طردتکم الخیل" کیساتھ سنت فجر کے حق میں جو کہ ابوداود کی روایت ہے اور اسکی سند حسن ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے تو جب یہ حدیث اتنی شدید حالت میں بھی کہ اس حالت میں بہت سے واجبات کو چھوڑنے کی اجازت مل جاتی ہے یعنی جہاد کے میدان میں دشمن کے ساتھ مڈ بھیڑ میں بہت سے واجبات کا چھوڑنا مباح ہو جاتا ہے تو جب اس حالت میں بھی سنت فجر پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے تو پھر اقامت مکتوبہ کے وقت تو بدرجہ اولی اسکا چھوڑنا ممنوع ہوگا، کیونکہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنا جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ جو قریب الی الواجب کے ہیں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس سے معمولی عذروں کی وجہ سے معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ بارش کی وجہ سے اور سخت اندھیرے کی وجہ سے جب ان وجوہات سے

Scanned by CamScanner

جماعت کی نماز معاف ہو جاتی ہے تو پھر جہاد کے میدان میں دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت تو بدرجہ اولیٰ جماعت کیساتھ نماز نہ پڑھنا مباح ہو جائے گا تو جب اس حالت میں بھی فجر کی سنتیں ترک کرنے سے منع کیا گیا ہے تو پھر جماعت کے ادراک کے وقت سنتوں کے نہ پڑھنے کو کیوں نہ منع کیا جائے کہ اس سے کم تر عذر کیلئے جماعت کیساتھ نماز نہ پڑھنے کو مباح قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ماقبل ذکر ہو چکا ہے۔

اور یہ نہ کہا جائے کہ حدیث "اذا اقیمت الصلوٰۃ" حدیث "لا تدعوھما وان طردتکم الخیل" سے سنداً قوی ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اول الذکر حدیث اگرچہ سنداً قوی ہے لیکن اسکے مرفوع اور موقوف ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے جبکہ دوسری حدیث میں یہ بات نہیں ہے پس دونوں روایتیں برابر ہو گئیں اور جب دو روایتوں میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے تو جہاں تک ممکن ہو سکے دونوں میں تطبیق کرنی چاہئے تاکہ دونوں پر عمل ہو سکے اسی وجہ سے ہم تمام سنتوں کے عند الاقامت پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں جبکہ جماعت کی ایک رکعت فوت ہونے کا خوف بھی ہو سوائے فجر کی سنتیں پڑھنے کے کہ جب ایک رکعت جماعت کیساتھ ملنے کی امید ہو تو پھر سنتوں کو ادا کیا جائے گا تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب دو حدیثوں میں تعارض پیدا ہو جائے تو پھر صحابہ کرامؓ کے اقوال اور افعال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے پس جب ہم نے اس صورت حال میں صحابہ کرامؓ کے اقوال اور افعال کی طرف رجوع کیا تو ہم نے دیکھا جلہ صحابہ کرامؓ کو نماز فجر کی اقامت کے وقت مسجد میں کسی ستون کے پیچھے سنتیں پڑھتے ہوئے پایا اور سنتیں پڑھنے کے بعد وہ جماعت کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے تو ان صحابہ کرامؓ کے عمل سے دونوں حدیثوں پر عمل کرنا معلوم ہو گیا جبکہ بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے اسکے خلاف بھی کیا ہے لیکن ہم نے اجازت دینے والے صحابہ کرامؓ کے عمل کو

Scanned by CamScanner

اس وجہ سے ترجیح دی کہ ان کے عمل سے دونوں طرح کی حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے جبکہ ثانی الذکر کے عمل کے مطابق صرف ایک قسم کی احادیث معمول بہا بن جاتی ہیں اور دیگر پر عمل ممکن نہیں ہوتا اس وجہ سے اول الذکر صحابہ کرام کا عمل راجح ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ہم آثار صحابہؓ سے حدیث ابو ہریرہ میں تخصیص یا حدیث کے معنی مراوی میں مناسب تاویل کرتے ہیں اور اسی طرح وہ دوسری احادیث جن کا ذکر "صاحب تحقیقات" نے کیا ہے اس پر تفصیلی کلام ماقبل میں ہو چکا ہے۔ تو احقر کہتا ہے کہ یہ "صاحب تحقیقات" کا وہم ہے کہ ہم مسلم شریف کی مرفوع احادیث کے مقابلہ میں آثار صحابہ پیش کرتے ہیں۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

> "تیسری بات یہ کہ اگر ہم اس اثر کو قوی بھی تسلیم کرلیں تو پھر بھی یہ فعل صحابی ہے اور صحابی کا فعل رسول اکرم (ﷺ) کی قولی صحیح حدیث کے مقابلہ میں مردود ہوتا ہے جیسے کہ یہ بات محدثین نے مصطلح الحدیث میں بیان کی ہے تو فعل صحابی سے کیوں صحیح حدیث کا مقابلہ کیا جائے۔

اقول:

میں کہتا ہوں:

کہ اس سے پہلے میں اس بات کی وضاحت کر چکا ہوں کہ ہم فعل صحابیؓ کو صحیح حدیث کے مقابل نہیں سمجھتے بلکہ ہم احادیث کے تعارض کے وقت فعل صحابی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور حدیث کے عموم کو دیگر مرفوع احادیث کیساتھ فعل صحابی سے خاص کرتے ہیں اور کسی صحیح حدیث میں صحابی کے قول یا عمل سے تخصیص کرنے کو مقابلہ نہیں کہتے افسوس کہ "صاحب تحقیقات" کو مقابلہ کی

Scanned by CamScanner

تعریف بھی معلوم نہیں کہ مقابلہ کس کو کہتے ہیں وہ بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ صحیح حدیث کیساتھ مقابلہ

مقابلہ! بیچارے کو مقابلہ کا مطلب ہی معلوم نہیں ہے!

ہاں محدثین نے یہ ضرور کہا ہے کہ قولی صحیح حدیث کے مقابل قول یا فعل صحابی حجت نہیں ہوتا لیکن یہ بات اس وقت ہے کہ جب قولی مرفوع صحیح صریح حدیث کا قول یا فعل صحابی سے مقابلہ ہو یعنی اسکے مقابل قول صحابی یا فعل صحابی کو حجت بنایا جائے لیکن یہاں پر تو سرے سے مقابلہ ہے ہی نہیں محدثین نے یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ قول یا فعل صحابی کسی بھی کام کا نہیں ہے اسکو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے بلکہ فعل صحابی یا قول صحابی احادیث میں تعارض کے وقت یا حدیث کے معنی مرادی میں اختلاف کے وقت حجت ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ "صاحب تحقیقات" کو ان باتوں کی تمیز ہی نہیں وہ فعل صحابی یا قول صحابی کو مطلقاً مردود کہتا ہے جو انکی صحابہ کرام کی دشمنی کی علامت ہے اور یہ باتیں انکی کتابوں میں موجود ہیں کہ صحابہ کرام معیار حق نہیں ہیں۔

"معجم کبیر طبرانی اور طحاوی کی سند پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

"صاحب تحقیقات" نے اثر عبداللہ ابن مسعودؓ جو کہ طبرانی، اور امام طحاوی نے اپنی اپنی سند سے بیان کی ہے اس پر بھی کلام کیا ہے کہتا ہے طبرانی کی سند یوں ہے:

"حدثنا اسحاق بن ابراهيم عن عبد الرزاق عن الثوري عن أبي اسحاق جاءنا ابن مسعود الحديث: انظر المعجم الكبير رقم ٩٣٨٥)

اور یہ اثر امام طحاوی نے یوں روایت کی ہے:

"حدثنا سليمان قال حدثنا عبدالله بن عبد الرحمن قال ثنا سفيان عن ابي اسحاق عن عبد الله بن ابي موسى عن عبد

Scanned by CamScanner

اللہ ثقة دخل المسجد والامام فى الصلاة فصلى ركعتين

الفجر (۱/ ۲۵۷)

الكلام على سند الاثر حدثنا الظهر ... سوال اسحاق بن ابراہیم

(سند پر کلام والی عبارت تطویل کے خوف سے چھوڑ دی گئی ہے اور صرف "صاحب تحقیقات" کے خلاصہ پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مقصود پورا ہو جاتا ہے)

قول:

خلاصہ: اسحاق بذات خود ثقہ ہے لیکن عبدالرزاق کی منکر روایات لاتا ہے اور یہاں یہ اثر اس نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

"صاحب تحقیقات" کی صرف اس بات سے کہ اسحاق بن ابراہیم نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے اور وہ عبدالرزاق کی منکر روایات لاتا ہے اس اثر کو کلی طور پر متروک قرار نہیں دیا جا سکتا "صاحب تحقیقات" کو اس بات کی تصریح کرنی چاہیے کہ واقعی یہ روایت انہی روایات میں سے ہے اور کسی معتبر امام جرح و تعدیل کی تصریح پیش کرنی چاہیے اکہ اس مجمل کلام سے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ اس نے اسحاق بن ابراہیم کے حوالے سے جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں خیانت کی ہے اور جو قول امام دارقطنی نے اسحاق بن ابراہیم کے متعلق فرمایا تھا وہ پوری عبارت نقل نہیں فرمائی پوری عبارت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"قلت: ويدخل فى الصحيح بلا شك ... والله. (میزان

الاعتدال، ج: ا، ص: ۳۴۲، (سؤالات الحاكم النيسابوري للدارقطني، مكتبة المعارف، الرياض، الطبعة الاولى ۱۴۰۴، ۱۹۸۴، تحقيق موفق بن عبدالله بن عبدالقادر، علي بن ابو الحسن الدارقطني البغدادي، ج ا، ص: ۱۰۵))

میں کہتا ہوں وہ (اسحاق بن ابراہیم) کا شمار صحیح (حدیث روایت کرنے والوں) میں ہے کہا کہ اللہ کی قسم۔

یہ مذکورہ کلام امام دارقطنیؒ نے اسحاق بن ابراہیم کے متعلق فرمایا ہے باوجود اسکے کہ اسحاق بن ابراہیم عبدالرزاق سے منکر روایات لاتا ہے ان کو دارقطنیؒ نے صحیح روایات لانے والوں میں داخل فرمایا ہے پس "صاحب تحقیقات" کا بیان اسحاق بن ابراہیم کے متعلق بالکل مہمل ہے لہذا اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ محدثین جب کسی راوی کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ "یروی المناکیر، یروی احادیث منکرۃ" تو اسکا کیا مطلب ہوتا ہے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ظفر احمد عثانی فرماتے ہیں:

"والفرق أيضا بين قولهم: منكر الحديث وبين قولهم روى المناكير، او يروي احاديث منكرة. قال السخاوي في "فتح المغيث" قال ابن دقيق العيد: قولهم روى مناكير، لا يقتضي بمجرده ترك روايته حتى تكثر المناكير في روايته وينتهي الى ان يقال فيه: منكر الحديث لان منكر الحديث وصف في الرجل يستحق به الترك لحديثه والعبارة الاخرى لا تقتضي الديمومة كيف وقد قال احمد بن حنبل في محمد بن ابراهيم التيمي يروي احاديث منكرة وهو

Scanned by CamScanner

بمن اتفق علیہ الشیخان وھو المرجع فی حدیث "انما الاعمال بالنیات"

اور محدثین کے اس قول: منکر حدیث اور روی مناکیر یا یروی مناکیر کے درمیان بھی فرق ہے امام سخاویؒ نے "فتح المغیث" میں فرمایا ہے ابن دقیق العیدؒ نے فرمایا کہ: محدثین کا کسی کے متعلق صرف "روی مناکیر" کہنا اس کے روایات کو چھوڑنے کا تقاضا نہیں کرتا یہاں تک وہ کثرت سے منکر روایتیں بیان کریں اور اس حد تک پہنچ جائے کہ اسکے بارے میں یہ کہہ دیا جائے کہ وہ منکر حدیث ہے کیونکہ "منکر الحدیث" یہ وصف آدمی میں ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ اسکی حدیثیں چھوڑ دی جائیں۔ جبکہ دوسری عبارت (روی مناکیر وغیرہ) وہ چھوڑنے کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ نے محمد بن ابراہیم تیمی کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ منکر روایت لاتا ہے اور باوجود اسکے وہ اُن راویوں میں سے کہ جس پر شیخین (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ) کا اتفاق ہے اور وہی حدیث "انما الاعمال بالنیات" کا مرجع ہے۔

اس وضاحت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ محدثین کے اس کلام سے کہ جب وہ کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں یروی مناکیر تو اس سے مراد اس راوی کی تمام روایات کی تضعیف نہیں ہوتی اور نہ ہی اسکی ساری روایتوں کو چھوڑنا لازم آتا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اب یہی بات اسحاق بن ابراہیم کے متعلق بھی محدثین نے بیان فرمائی ہے کہ اسحاق بن ابراہیم عبدالرزاق کی منکر روایتیں لاتا ہے لیکن علامہ ابن عدیؒ نے الکامل میں اسحاق بن ابراہیم کی صرف دو منکر روایتیں

ذکر کی ہیں جن میں سے یہ اثر بالکل نہیں ہے۔ لہذا یہ اثر اسحاق بن ابراہیم کی منکر روایات میں سے نہیں ہے۔ اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ یہ روایت منکر ہے تو پھر بھی یہ بات اس اثر کیلئے مضر نہیں ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق میں (۳۳۳/۲) اپنی سند کیساتھ اس اثر کو روایت کیا ہے اور اسحاق بن ابراہیم کی روایات کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عبدالرزاق سے منکر روایات لاتا ہے تو یہ بات اُن روایتوں کے بارے میں ہے جو روایتیں امام عبدالرزاق کی تصانیف میں موجود نہ ہو چنانچہ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"وانما الكلام في الأحاديث التي عنده في غير التصانيف فهي التي فيها المناكير وذلك لأجل سماعه منه في حالة الاختلاط، (لسان الميزان ج: ۱ ص: ۳۴۹)

اور کلام تو اس کی صرف اُن احادیث میں ہے جو غیر تصانیف میں ہے پس وہی روایتیں ہیں جن میں مناکیر ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ اسحاق بن ابراہیم نے اُس سے اختلاط کی حالت میں سماع کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کی اس بات سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو روایتیں امام عبدالرزاق کی تصانیف میں موجود ہیں ان روایتوں کو اگر اسحاق بن ابراہیم اپنی سند سے ضعیف یا تحریف کیساتھ روایت کریں تو اُن میں اسحاق بن ابراہیم کی حیثیت منکر روایات لانے کی ہوگی اور نکارت کی وجہ اسحاق بن ابراہیم کا عبدالرزاق سے اختلاط کے بعد سماع کرنا ہے اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اسحاق بن ابراہیم کی حدیث عبدالرزاق میں نکارت کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اُس نے اختلاط کی حالت میں اس سے سماع کیا ہے بس اسکے سوا اس میں کوئی ضعف نہیں ہے لہذا اس

ف اس وجہ سے اس اثر کو بالکل ضعیف قرار دینا انتہائی ظلم ہوگا جبکہ یہ اثر ہمیں دیگر طرق سے بھی پہنچا ہے اور تعدد طرق کی وجہ سے اس اثر کا ضعف ختم ہو جاتا ہے چنانچہ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:

"وقال بعضهم ان كان الضعف من جهة سوء حفظ او اختلاط او تدليس مع وجود الصدق والديانة ينجبر بتعدد الطرق. (مقدمة في اصول الحديث، ص: ۸۴)

اور بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ اگر حدیث میں کمزوری کا سبب سچائی اور دیانت کیساتھ حافظہ کی خرابی، یا اختلاط یا تدلیس ہو تو تعدد طرق کی وجہ سے اس کی پوری ہو جائے گی۔

پس معلوم ہو گیا کہ یہ اثر تعدد طرق کی وجہ سے ضعف اور کمزوری سے نکل کر اس قابل بن جاتا ہے کہ اس سے ابو ہریرہؓ کی حدیث کی تخصیص یا دیگر احادیث میں تاویل کی جائے۔

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

تیسرا: اس میں سفیان ثوری ہے اور یہ بھی مدلس ہے حافظ ابن حجرؒ طبقات المدلسین (ص: ۵۰) پر فرماتے ہیں:

"سفيان بن سعيد الثوري الامام المشهور وصفه النسائي وغيره بالتدليس وقال البخاري ما اقل تدليسه.

اور مدلس جب "عن" کیساتھ روایت کرتا ہے تو وہ بالاتفاق قابل احتجاج نہیں ہوتا۔ (التحقیقات، ص: ۹۳)

اقول:

احقر کہتا ہے کہ:

"صاحب تحقیقات" نے سفیان ثوری کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی کی عبارت تو نقل کر دی کہ اس نے سفیان ثوری کو مدلسین میں ذکر کیا ہے لیکن آپ ذرا "صاحب تحقیقات" سے یہ پوچھیں کہ کیا مدلسین کے ہر طبقہ کے مدلس کا حکم ایک جیسا ہے کہ ہر طبقہ کا مدلس جب "عن" کیساتھ روایت کرتا ہے تو اسکی روایت بالاتفاق قابل احتجاج نہیں ہوگی؟ "صاحب تحقیقات" لوگوں کو چکر دینے کیلئے گول مول باتیں کرتا رہتا ہے کیونکہ اسکے پاس کچھ ہے ہی نہیں آیئے میں آپ حضرات کو بتا دیتا ہوں کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے مدلسین کے پانچ طبقات ذکر کیے ہیں اور سب کا حکم ایک جیسا نہیں ہے اور سفیان ثوری کا ذکر انہوں نے مدلسین کے دوسرے طبقہ میں کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"الثانية: من احتمل الائمة تدليسه واخرجوا له في الصحيح لامامته وقلة تدليسه في جنب ماروى كالثوري او كان لايدلس الا عن ثقة كابن عيينة (طبقات المدلسين ص: ۱۳)

اور دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جن کی تدلیس کو ائمہ نے گوارا کیا ہے اور انکی احادیث کی تخریج انکی امامت اور قلت تدلیس کی وجہ سے اپنی صحیح میں کی ہے قلت تدلیس میں روایت کرنے والوں میں سے سفیان ثوری کی طرح یا جو صرف ثقات ہی سے تدلیس کرتا ہے جیسا کہ ابن عیینہ۔

پس اس عبارت سے یہ بات خوب معلوم ہوگئی کہ مدلسین کا دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جنکے مدلس ہونے کے باوجود ائمہ حدیث جیسا کہ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے انکی احادیث کی تخریج کی ہے چاہے

Scanned by CamScanner

وہ "عن" کیساتھ روایت کریں یا سماع کی تصریح کریں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لہذا "صاحب تحقیقات" کا یہ دعویٰ کرنا کہ جب مدلس "عن" سے روایت کرتا ہے تو وہاں قابل احتجاج نہیں ہوتا مردود ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ سفیان ثوریؒ بہت ہی کم تدلیس کرنے والوں میں سے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ "ماقل تدلیسہ" نیز علامہ ذہبیؒ نے ان لوگوں کے قول کو رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سفیان تدلیس کرتا ہے اور جھوٹوں سے روایتیں لکھتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> "ولا عبرۃ لقول من قال :یدلس و یکتب عن الکذابین" (میزان الاعتدال، ج:۲ص:۲۲۵)
>
> اور اس شخص کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو یہ کہتا ہے کہ سفیان تدلیس کرتا ہے اور جھوٹوں کی حدیثیں لکھتا ہے۔

پس ان تصریحات سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ سفیان ثوریؒ کی تدلیس معتر نہیں ہے لہذا "صاحب تحقیقات" کے اس اثر کے متعلق تمام اعتراضات مردود ہیں قابل التفات نہیں ہیں۔اور یہ اثر اس قابل ہے کہ اس کو سنت فجر عند الاقامت کے استثناء کی حجت میں پیش کیا جائے۔

"طحاوی شریف کی سند پر کلام"

> "صاحب تحقیقات" طحاوی شریف کی سند پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں:
>
> اب طحاوی کی سند میں صرف سلیمان بن شعیب جسکے حالات پہلے گزر چکے ہیں کہ وہ ثقہ ہے لیکن اس کا استاد جو کہ خالد بن عبدالرحمٰن

Scanned by CamScanner

ہے وہ ضعیف ہے .... دوسرا اس میں ابواسحاق سبیعی ہے جس پر اختلاط آیا ہے اور مدلس بھی ہے اور یہاں اس نے عنعنہ کیا ہے والمدلس اذا عنعن لا یحتج بالاتفاق .... اور اس (سند) میں سفیان ثوری ہے یہ بھی مدلس ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ مشہور بالتدلیس ہے اور یہاں مدلس، مختلط مدلس سے روایت کرتا ہے تو کس طرح یہ روایت صحیح ہو جائے گی۔ خلاصہ کہ یہ اثر دونوں طریقوں سے جو کہ طبرانی اور طحاوی کی ہے ضعیف ہے اور یہ بات کہ امام ہیثمی مشہور بالتساہل ہیں بالکل صحیح ہے کہ اس اثر کو انہوں نے کہا ہے: رجالہ موثقون، بلکہ میں کہتا ہوں: رجالہ مضعفون ہے اور اسی طرح نیموی کی آثار السنن (۲۲۹) میں یہ بات کہ: "رواہ الطبرانی والطحاوی واسنادہ حسن" بالکل غلط اور کھلی ہوئی تعصب ہے، ایک اثر جسکی سند کا یہ حال ہوا آیا وہ حسن ہوسکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ تم کوئی جرح وتعدیل کے امام تو نہیں ہو کہ تم اسے حسن کہتے ہو تو یہ حسن یا صحیح ہوگا۔ لہذا اثر نہایت ضعیف ہے۔ (التحقیقات فی رد الہفوات: (۲۹۳/۲۹۲)

"صاحب تحقیقات کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" جتنا آگے بڑھ رہا ہے اتنی ہی انکی نادانی اور تعصب واضح ہوتی چلی جارہی ہے اس نے خالد بن عبدالرحمن الخراسانی پر ضعف کا جو حکم لگایا ہے وہ محض اپنی

Scanned by CamScanner

نادانی اور تعصب کی وجہ سے ہے ورنہ خالد بن عبد الرحمن ضعیف راوی نہیں ہے کسی راوی کے متکلم فیہ ہونے سے اس پر کلی طور پر ضعف کا حکم لگانا جہالت یا تجاہل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے علامہ عینی نے مغانی الاخیار، اور علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں اسی خالد بن عبد الرحمن کے متعلق فرمایا ہے:

> "یحیٰ (بن معین) نے اسکو ثقہ کہا ہے، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اسکو لاباس بہ کہا ہے، اور عقیلیؒ نے فرمایا ہے کہ فی حفظہ شیء، اسکی احادیث کو ابوداودؒ، نسائیؒ اور طحاویؒ نے روایت کیا ہے۔ (مغانی الاخیار، ج:۱، ص:۲۷۷، تہذیب الکمال، ج:۵، ص:۵۵)

اسکے علاوہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ عقیلیؒ نے خالد بن عبد الرحمن کی معلل روایت ذکر کی ہے اسکے بعد فرماتے ہیں کہ: "ہوسکتا ہے کہ یہ دوسروں کی خطاء ہو" (میزان الاعتدال، ج:۲، ص:۳۱۶)

یعنی کہ علامہ عقیلیؒ نے جن روایات میں خالد بن عبد الرحمن کی غلطی کی نشاندہی کی ہے اسکے متعلق علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ غلطی خالد بن عبد الرحمن سے نہیں بلکہ دیگر رواۃ سے ہوئی ہو تو ایسی صورت میں خالد بن عبد الرحمن اس غلطی سے بری ہوگا۔

بہر حال خالد بن عبد الرحمن حسن درجہ کا راوی ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اسکو ضعیف کہنا اسکی نادانی ہے۔

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

> دوسرا اس میں ابواسحاق سبیعی ہے جس پر اختلاط آیا ہے اور مدلس بھی

Scanned by CamScanner

ہے اور یہاں اس نے عنعنہ کیا ہے والمدلس اذا عنعن لا یحتج بہ بالاتفاق۔

اقول:

میں کہتا ہوں: کہ اس بات کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے کہ ابو اسحاق کو ائمہ نے مطلقاً حجت قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ علائی کے حوالے سے گزر چکا ہے لہذا اسکا اختلاط یہاں پر بالکل مضر نہیں ہے کیونکہ سفیان ثوری کا شمار محدثین نے ان لوگوں میں نہیں کیا ہے جنہوں نے ابو اسحاق سے بعد الاختلاط روایت کیا ہو تو سفیان ثوری کا اسحاق سے روایت کرنے میں اختلاط کا فلسفہ چلانا "صاحب تحقیقات" کا دھوکہ ہے۔

قولہ:

اور "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

"اور اس (سند) میں سفیان ثوری ہے یہ بھی مدلس ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ مشہور بالتدلیس ہے اور یہاں مدلس مختلط مدلس سے روایت کرتا ہے تو کس طرح یہ روایت صحیح ہو جائے گی۔"

اقول:

اور رہی بات سفیان ثوری کی تدلیس کی تو وہ بھی سفیان ثوری کے متعلق کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے ان کا شمار مدلسین کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے اور ان کی تدلیس کو ائمہ نے گوارا کیا ہے۔ تو "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

"یہاں مدلس مختلط مدلس سے روایت کرتا ہے تو یہ روایت کیسے صحیح ہوگی"

یہ "صاحب تحقیقات" کے چالاکی کے گر ہیں کہ بات کو گھما پھرا کے کدھر سے کدھر لے جاتا ہے اب بھلا سفیان ثوری کا ابو اسحاق کے مختلط ہونے سے کیا واسطہ ہے؟ میں "صاحب تحقیقات"

Scanned by CamScanner

سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ابو اسحاق کا اختلاط مطلقاً اسکے ضعف کا سبب ہے کہ سفیان ثوری کی اُس سے روایت اسکے اختلاط کی وجہ سے کمزور ہو جائے گی؟ "صاحب تحقیقات" کچھ تو اللہ کا خوف کرو اس ہیرا پھیری سے باز آجاؤ!

دوسری بات ابو اسحاق سبیعی کی تدلیس کی تو طحاوی شریف کی حدیث جو گزر چکی ہے اس میں ابو اسحاق نے "حدثنی" کی تصریح کی ہے۔ لہذا یہاں تک "صاحب تحقیقات" کے اس اثر کے ضعیف ہونے کے تمام دعوے باطل ہو گئے۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا:

> "خلاصہ: یہ اثر دونوں طریقوں سے جو کہ طبرانی اور طحاوی کی ہے ضعیف ہے اور یہ بات کہ امام ہیثمی مشہور بالتساہل ہے بالکل صحیح ہے کہ اس اثر کو اس نے کہا ہے: رجالہ موثقون، بلکہ میں کہتا ہوں: رجالہ مضطعون ہے اور اسی طرح نیموی کی آثار السنن (۲۲۹) میں یہ بات کہ: "رواہ الطبرانی والطحاوی واسنادہ حسن" بالکل غلط اور کھلا ہوا تعصب ہے ایک اثر جسکی سند کا یہ حال ہو آیا وہ حسن ہو سکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ تم کوئی جرح وتعدیل کے امام تو نہیں ہو کہ تم اسے حسن کہتے ہو تو یہ حسن یا صحیح ہو۔ لہذا اثر نہایت ضعیف ہے۔ (التحقیقات فی رد المغالطات: (۲۵۳/۲۵۴)

اقول: میں کہتا ہوں:

کہ یہ اثر دونوں طریقوں طبرانی اور طحاوی سے بالکل صحیح ہے اور علامہ ہیثمیؒ کا اس کے متعلق یہ کہنا

کہ رجال موثوقون بالکل درست ہے اور "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ رجال مضطون بالکل غلط ہے اور یہ اسکا تعصب ہے اور اسی طرح علامہ نیموی کا آثار السنن میں یہ کہنا کہ اسنادہ حسن بالکل صحیح ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اسکو بالکل غلط کہنا اسکا وہم ہے۔ جسکی دیانت داری کا یہ حال ہو کہ وہ ہیرا پھیری کرتا ہو، عبارتیں نقل کرنے میں خیانت کرتا ہو، لوگوں کو دھوکہ دیتا ہو کیا اسکی ہیرا پھیری کرنے سے یہ اثر ضعیف ہوسکتا ہے؟ اور آپ کا یہ کہنا کہ علامہ نیموی کوئی جرح وتعدیل کا امام تو نہیں ہے کہ وہ اس اثر کو حسن کہتا ہے تو وہ حسن یا صحیح ہو جائے گا۔ تو میں کہتا ہوں کہ آپ بھی تو کوئی جرح وتعدیل کے امام نہیں ہو کہ آپ اس اثر کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ: "رجالہ مضطون" آپ کو اپنا عیب نظر نہیں آتا اور دوسروں کی خوبی راس نہیں آتی۔ لہذا یہ اثر سند کے لحاظ سے بالکل حسن ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ وللہ الحمد

احناف کی پانچویں حدیث:

"حدثنا ابن ادریس عن مطرف عن ابی اسحاق عن حارثة بن مضرب ان ابن مسعود وابوموسی خرجا من عند سعید بن العاص فاقیمت الصلاۃ فرکع ابن مسعود رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلاۃ واما ابوموسی فدخل فی الصف. (مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۲، ص: ۵۷)

"مصنف ابن ابی شیبہ کی سند پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

مصنف ابن ابی شیبہ کی مندرجہ بالا اثر کی سند پر "صاحب تحقیقات" نے کلام کیا ہے۔

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

"مطرب کا حال ہمیں، میزان الاعتدال تہذیب التہذیب تقریب

Scanned by CamScanner

المعجم، تہذیب، خلاصہ تہذیب الکمال، لسان المیزان اور الجرح والتعدیل میں نہیں ملا۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" نے پتہ نہیں کہ یہ اثر کہاں سے نقل کی ہے کیونکہ اس سند میں "مطرب" نام کا کوئی راوی ہے ہی نہیں جب اس نام کا راوی ہے ہی نہیں تو "صاحب تحقیقات" کو کیا خاک اس راوی کا ترجمہ ملے گا ایسا لگتا ہے کہ "صاحب تحقیقات" کو خود تحقیق کرنے کی فرصت نہیں ملی اور شاید کہ اس نے حدیث کی سند کو بقول "صاحب تحقیقات" "بنوانی صاحب" کی کتاب سے نقل کر دیا ہو یا کسی اور کتاب سے اور اس پر جرح کرنے بیٹھ گئے تبھی تو اس کو "مطرف" کے بجائے "مطرب" کا ترجمہ نہیں ملا۔ اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "بنوانی صاحب کی کتاب" میں "مطرب" کاتب کی غلطی ہو لیکن "صاحب تحقیقات" کو تو شاید محقق ہونے کا دعویٰ ہوگا تو پھر انہوں نے اتنے تساہل سے کیوں کام لیا؟ فیا عجب لمدعی الاجتہاد والتحقیق

مصنف ابن ابی شیبہ جو مکتبہ الرشد نے ۱۴۰۹ھ میں چھاپی ہے اس کی دوسری جلد ص: ۵۷ کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" میں یہ حدیث موجود ہے لیکن اس میں "مطرب" نام کا کوئی راوی نہیں ہے بلکہ "مطرف بن طریف" ہے اور یہ ثقہ راوی ہے امام احمد اور ابو حاتم نے ان کو ثقہ کہا ہے علی بن احمد یحیی نے انکو ثقہ کہا ہے علامہ عجلی نے اسکے متعلق فرمایا کہ صالح الکتاب، ثقۃ، ثبت فی الحدیث، ابن شاہینؒ نے فرمایا کہ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ وہ ثقۃ صدوق ولیس بثبت، یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں ثقۃ ثبت ہے۔ یہ پوری تفصیل

Scanned by CamScanner

تہذیب التہذیب (۵/ ۵۳۹)، تہذیب الکمال (۱۷/ ۲۷۸)

وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

لہذا "صاحب تحقیقات" کو اگر اپنے محقق ہونے کا دعویٰ ہے تو وہ اتنے تساہل سے کام نہ لیں اور بات کی تہہ تک جانے کی کوشش کریں لیکن بات کی تہہ تک جانے میں تو اتنا نقصان ہے کہ بات ان کے خلاف نکل آتی ہے!

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ

"ابواسحاق بھی وہی عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے جو کہ مدلس بھی ہے اور اس پر اختلاط بھی آیا تھا اور یہاں پر اس نے "عن" کیساتھ حارثہ بن مضرب سے یہ اثر روایت کی ہے اور مدلس کا "معنعن" اثر یا حدیث علماء کے اتفاق سے حجت نہیں ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ابواسحاق سبیعیؒ ثقہ راوی ہے آئمہ نے مطلقاً اس کو حجت قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ علائی کے حوالے سے گزر چکا ہے یہ "صاحب تحقیقات" کی ناواقفیت ہے کہ وہ ہر جگہ پر اختلاط کا فلسفہ چلا رہا ہے۔ مختلط راوی کی وہ روایت کمزور ہوتی ہے جو اس سے بعد الاختلاط کے روایت کی گئی ہو ابواسحاق سبیعیؒ سے بعد الاختلاط روایت کرنے والوں میں سے آئمہ نے جن حضرات کے نام گنوائے ہیں ان میں مطرف کا نام نہیں گنوایا تو جب مطرف نے ابواسحاق سے بعد الاختلاط روایت ہی نہیں کیا ہے تو پھر ابواسحاق کا اختلاط مطرف کے حق میں کیوں مضر ہوگا؟

اب رہی بات ابواسحاق کے عنعنہ کی تو وہ بھی مضر نہیں ہے کیونکہ حارثہ بن مضرب سے ابواسحاق

کا روایت کرنا معروف و مشہور ہے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ امام حاکم نے صحیح حدیث کی دس اقسام ذکر کیے ہیں جن میں پانچ متفق علیہا ہیں اور پانچ مختلف فیہا ہیں اور ان پانچ مختلف فیہا میں سے مراسیل اور ان مدلسین کی احادیث جن میں وہ سماع کی تصریح نہیں کرتے ہیں وہ بھی صحیح حدیث کے اقسام میں ہیں لہذا ہم بھی یہی کہتے ہیں کے بفرض محال اگر ابو اسحاق کا سماع حارث سے ثابت نہ ہو پھر بھی یہ روایت صحیح ہے کیونکہ اسکے تمام راوی ثقہ عادل ہیں اور تدلیس اسکی صحت کیلئے مضر نہیں ہے۔

چنانچہ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔

"وممن حكاه الحاكم فذكر في كتاب المدخل أنه قسم الصحيح إلى عشرة أقسام خمسة متفق عليها وخمسة مختلف فيها فذكر من الخمسة المختلف فيها المراسيل وأحاديث المدلسين إذا لم يذكروا سماعاتهم إلى آخر كلامه. (التقييد والإيضاح ج: 1 ص: 99 دار الفكر)

اور ان محدثین میں سے جنہوں نے امام حاکم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے مدخل میں صحیح حدیث کو دس قسموں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں پانچ متفق علیہا ہیں اور پانچ مختلف فیہا ہیں اور ان پانچ مختلف فیہا میں سے انہوں نے مراسیل اور مدلسین کی وہ احادیث کہ جن میں انہوں نے اپنے سماع کی تصریح نہ کی ہو ..... الخ

قول:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا:

اور مدلس کا "معنعن" اثر یا حدیث علماء کے اتفاق سے حجت نہیں ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ شاید "صاحب تحقیقات" نے اتفاق کے دعوے میں امام نووی کی تقلید کی ہے کیونکہ اتفاق کا یہ دعویٰ امام نووی نے کیا ہے چنانچہ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں:

"بل زاد النووی علیٰ ھذا فحکی فی شرح المھذب الاتفاق علیٰ أنّ المدلس لایُحتجّ بخبرہ اذا عنعن." (التقیید والایضاح، ج: ۱ ص: ۹۹، دار الفکر)

(اصل میں خطیب بغدادی نے یہ فرمایا تھا: "کہ جمہور محدثین جو مرسل کو حجت سمجھتے ہیں وہ مدلس کی حدیث کو قبول کرتے ہیں) لیکن اس پر امام نووی نے یہ اضافہ کیا جیسا کہ اس نے شرح مہذب میں جمہور کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ جب مدلس عنعنہ کرے تو اسکی حدیث حجت نہیں ہوگی۔

لیکن "صاحب تحقیقات" کو خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ علامہ عراقی نے امام نووی کے اس افراد کو قبول نہیں کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں

وھذا منہ افراط الخ" (التقیید والایضاح، ج: ۱ ص: ۹۹، دار الفکر)

اور یہ کہنا امام نووی کی طرف سے زیادتی ہے۔

پھر آگے جا کر فرماتے ہیں:

"وما ذکر من الاتفاق لعلّہ محمول علیٰ اتفاق من لا یحتجّ بالمرسل عنعنہ الخ (التقیید

Scanned by CamScanner

والایضاح، ج: ۱ ص: ۹۹ دار الفکر)

اور جس اتفاق کا ذکر کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے اتفاق پر محمول ہو جو مرسل کو خاص کر حجت نہیں سمجھتے۔

پھر اس سے آگے جا کر خطیب بغدادی کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وحکی الخلاف أیضا الحافظ أبوبکر الخطیب فی کتاب الکفایۃ فحکی عن کثیر من أھل العلم أن خبر المدلس مقبول قال وزعموا أن نھایۃ أمرہ أن یکون مرسلا واللہ أعلم. (التقیید والایضاح، ج: ۱ ص: ۱۰۰)

کہ اس اختلاف کا ذکر حافظ ابو بکر خطیب (بغدادی) نے (اپنی) کتاب الکفایہ میں کیا ہے اور اس نے بہت سے اہل علم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ مدلس کی خبر مقبول ہوتی ہے فرمایا کہ انکا خیال ہے (مدلس) کی خبر کی انتہاء یہ ہے کہ وہ مرسل بن جائے۔ (اور یہ بھی حجت ہے)

پس ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ "صاحب تحقیقات" نے جو یہ کہا تھا کہ مدلس جب معنعن کرے تو اسکی خبر بالاتفاق قابل احتجاج نہیں ہوتی غلط ہے بلکہ اس میں محدثین وفقہاء کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ مرسل روایت حجت ہے کہ نہیں تو اس میں تفصیل ہے جسکا یہ موقع نہیں ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک مرسل تابعی جبکہ وہ ثقہ ہو حجت ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ "صاحب تحقیقات" کے تمام دعوے بے بنیاد ہیں۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

حارثہ بن مضرب حافظ ذہبی فرماتے ہیں: "حارثہ بن مضرب عن علی وعمر وسلمان وعنہ ابو اسحاق قال ابن المدینی متروک وقال احمد حسن الحدیث۔

خلاصہ: یہ اثر بھی ضعیف ہے نیموی کا آثار السنن میں یہ کہنا کہ اسنادہ صحیح غیر صحیح ہے کیونکہ اس اثر میں ابو اسحاق سبیعی ہے اور مضرب مجہول الحال ہے اور حارثہ بن مضرب مختلف فیہ راوی ہے تو کیسے اسناد صحیح ہو جائے گا ....الخ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ حارثہ بن مضرب ثقہ راوی ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل نے انکو حسن الحدیث فرمایا ہے یحیی بن معین نے انکو ثقہ کہا ہے عثمان دارمی نے انکے متعلق فرمایا ہے: "حارثہ خیر" ابن حبان نے انکو ثقات التابعین میں ذکر کیا ہے۔ اور اسکو ضعیف کہنے میں امام ابن جوزی نے ازدی اور اس نے علی المدینی کے حوالہ اُن کو متروک کہا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے انکے ضعف کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ: "ينبغي أن يحرر هذا" کہ اسکی تحقیق کرنی چاہیے یعنی کہ علی بن المدینی کا قول بغیر تحقیق کے معتبر نہیں ہے پھر تقریب التہذیب میں انکے ضعف کو غلط قرار دیا ہے جیسا کہ آگے ذکر ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ اسی وجہ سے علامہ مزی نے حارثہ بن مضرب کے حوالہ سے علی بن المدینی کا قول نقل نہیں کیا ہو دوسری بات یہ ہے کہ جرح مبہم ہے اور مبہم جرح سے کوئی راوی ضعیف نہیں ہوسکتا جب تک اسباب جرح بیان نہ کیے جائیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ علامہ ابن حجر

عسقلانی نے ان لوگوں کی بات کو غلط قرار دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ علی ابن المدینی نے ان (حارثہ بن مضرب) کو چھوڑ دیا تھا چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"حارثة بن مضرب بتشديد الراء المكسورة قبلها معجمة العبدي الكوفي ثقة من الثانية، غلط من نقل عن ابن المديني انه تركه. (تقريب التهذيب، ص:١٨٧)

حارثہ بن مضرب عبدی کوفی ثقہ ہے دوسرے طبقہ میں سے ہے اور اس شخص نے غلطی کی جس نے ابن مدینی سے یہ نقل کیا ہے کہ اس نے اس سے راویت کرنا چھوڑ دیا ہے۔

حارثہ بن مضرب کی جو توثیق میں نے نقل کی ہے وہ ان کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(تهذيب الكمال ج:٣،ص:٢٥٦ تهذيب التهذيب ج:١،ص:٣٣٥ الجرح والتعديل ،ج:٣،ص:٢٥٥ معاني الاخبار ج:١،ص:١٢٥ تقريب التهذيب ،ص:١٨٧).

خلاصہ یہ نکلا کہ اس اثر کے تمام راوی ثقہ ہیں نیز علامہ نیموی کا آثار السنن میں اس اثر کو صحیح کہنا بالکل بجا ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اس اثر کو ضعیف کہنا انکی جہالت اور تعصب ہے جو آپ حضرات کو معلوم ہو چکی ہے اس اثر میں "مضرب" نام کا کوئی راوی نہیں ہے بلکہ "مطرف" ہے جو ثقہ ہے، نیز ابو اسحاق سبیعی مختلط ہیں لیکن مطرف کا سماع اس سے بعد الاختلاط ثابت نہیں ہوا لہذا اختلاط بھی کچھ مضر نہیں ہوئی نیز حارثہ بن مضرب مختلف فیہ راوی نہیں ہے بلکہ وہ ثقہ راوی ہے اور جن لوگوں نے اس کو ضعیف کہا ہے انکا قول غلط ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی وضاحت فرمادی ہے پس اس اثر کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس بناء پر یہ اثر صحیح الاسناد ہے۔

چھٹی حدیث:

"حدثنا فہد قال ثنا ابو نعیم قال ثنا مالک بن مغول قال الخ (شرح معانی الآثار: ۱، ص: ۳۷۵ رقم ۲۰۴۲)

پوری حدیث مع ترجمہ باب دوم (میں) گزر چکی ہے۔

مالک بن مغولؒ نے فرمایا کہ میں نے ابن عمرؓ کو نماز فجر کیلئے جگایا اور حال یہ ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی پس ابن عمرؓ تو کھڑے ہوئے اور فجر کی سنتیں پڑھ لیں۔

"سند حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قول:

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

"فہد امام طحاوی کا استاد ہے اسکا ترجمہ ہمیں نہیں ملا حافظ ذہبی نے فہد نام کے دو راوی ذکر کئے ہیں پہلا فہد بن حیان المصری ہے...... اور دوسرا فہد بن عوف کا ذکر کیا ہے اور اسکا نام زید ہے ...اور اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ (طحاوی کی سند میں) فہد ان دونوں میں کونسا ہے۔ جرح والتعدیل میں امام ابن ابی حاتم نے دو وہی (مذکورہ) نام اور دو اسکے علاوہ ذکر کئے ہیں ایک فہد بن سلام ابوہمام العطری البصری ہے...... اور دوسرا فہد بن المبارک ہے لیکن اس پر سکوت کیا ہے اسکو نہ مجروح قرار دیا ہے اور نہ ہی اسکی

Scanned by CamScanner

تعدیل کی ہے۔ دوسرا جواب، رسول اللہ ﷺ کی صحیح مرفوع قولی حدیث
کے مقابلہ میں صحابی کا فعل مردود ہوتا ہے جیسا کہ یہ مصطلح الحدیث کا
قاعدہ ہے۔ نبی کی احادیث کیوں مقدم نہ ہوں گی حال یہ ہے کہ وہ
مسلم کی مرویات ہیں اور اسکے مقابل ابن عمر کا ضعیف اثر طحاوی کی
شرح معانی الآثار میں ہے اب انصاف ہم بخوانی پر چھوڑتے ہیں کہ
کس کو مقدم کرتا ہے ایک رسول اللہ ﷺ کی قولی حدیث ہے اور دوسرا
ابن عمر کا اثر ہے یعنی صحابی کا فعل (اور وہ بھی مجہول الحال ہے)۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" نے جو یہ کہا ہے کہ ہمیں "فہد" کا ترجمہ نہیں ملا۔ اور ملتا بھی کیوں اول تو اس وجہ سے کہ "فہد" صحاح ستہ کا راوی نہیں ہے کہ اسکا حال تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب وغیرہ میں مل جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ "صاحب تحقیقات" کو احناف سے دشمنی ہے جسکی وجہ سے یہ انکی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کرتا حالانکہ اسکو چاہئے تھا کہ طحاوی کے رجال پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ ان میں دیکھ لیتا تو اس کو "فہد" کا حال معلوم ہو جاتا اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کرکے نہ اپنا وقت ضائع کرتا اور نہ ہی ہمارا۔ اگر "صاحب تحقیقات" علامہ عینی کی کتاب مغانی الاخیار فی شرح أسامی رجال معانی الآثار ملاحظہ فرما لیتے تو وہ ضرور فہد کا حال معلوم کر لیتے چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں:

"فهد بن سليمان بن يحيى: أحد مشايخ أبي جعفر
الطحاوي الذين روى عنهم وكتب وحدث .الى ان قال

توفي بمصر في صفر سنة خمس وسبعين ومائتين وكان

ثقة.   (المغربی ج: ۲، ص: ۵۰۲، رقم ۲۱۱۰)

فہد بن سلیمان بن یحیٰی ابو جعفر طحاویؒ کے ان مشائخ میں سے ہے کہ

جس سے انہوں نے احادیث روایت کی ہیں اور لکھیں اور بیان کی

ہیں۔ وہ مصر میں ماہ صفر ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے اور وہ ثقہ تھے۔

اسکے علاوہ علامہ ماردینی نے الجوہر النقی میں بھی یہی فرمایا ہے کہ فہد بن سلیمان بن یحیٰی ثقہ راوی ہے جسکی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" احناف کا دشمن ہے وہ بھلا ان باتوں کیلئے انکی کتابوں کو کیوں دیکھیں الجوہر النقی علامہ ماردینی کی وہ کتاب ہے کہ جسکا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ "صاحب تحقیقات" کا اس راوی کو مجہول کہنا انکی ناواقفیت ہے جو کہ واضح ہو چکی ہے پس یہ اثر بالکل صحیح ہے۔ "صاحب تحقیقات" نے پھر مقابلہ کی بات کی ہے میں پھر بھی کہتا ہوں کہ ہم مقابلہ نہیں کرتے ہم ان آثار کو تخصیص کی دلیل کہتے ہیں جسکو صاحب تحقیقات مقابلہ کہتا ہے اسکو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ "مجہول" راوی کی صفت ہوتی ہے اور یہ کہتا ہے کہ: "اور دوسرا ابن عمرؓ کا اثر ہے یعنی صحابی کا فعل (اور وہ بھی مجہول الحال ہے)" صحابی کے فعل کو مجہول الحال بنا دیا حالانکہ "مجہول الحال" راوی ہوتا ہے فعل مجہول الحال نہیں ہوتا!

قارئین کرام اگر آپ "صاحب تحقیقات" جیسے نام نہاد محقق و مجتہد کی باتوں میں آ گئے تو پھر اندازہ لگائیں کہ آپ کے مذہب کا کیا حشر ہوگا جو شخص موصوف و صفت کو نہ پہچانے وہ کیا خاک آپ کو صحیح مذہب کی تعلیم دے سکے گا موصوف ذات ہوتی ہے اور فعل ذات نہیں ہوتا بلکہ عرض ہوتا ہے جو ذات کیساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور فعل میں جو مجہول ہوتا ہے وہ الگ چیز ہے جسکا ہمارے

Scanned by CamScanner

بحث سے کوئی تعلق نہیں یہاں بحث رجال کی ہے اور رجال کی بحث میں مجہول راوی ہوتا ہے ذات کے اعتبار سے یا حال کے اعتبار جیسا کہ اصولیین نے ذکر کیا ہے۔

ساتویں حدیث:

"حدثنا محمد بن خزيمة وفهد' قالا ثنا عبد الله بن صالح قال حدثني الليث قال حدثني ابن الهادي عن محمد بن كعب قال   الخ

یہ پوری حدیث بھی باب دوم میں مع ترجمہ گزر چکی ہے

"سند حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قول

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

اول یہ فعل صحابی ہے اور مرفوع قولی حدیث کے مقابلے میں مردود ہے۔

دوم سند میں عبداللہ بن صالح ہے جسکا ذکر امام ذہبیؒ نے المغنی فی الضعفاء (۱/۳۴۳) پر کیا ہے (عربی عبارت کا ترجمہ) عبداللہ بن صالح لیث کا کاتب ہے علو (حدیث) صالح الحدیث ہے اسکی (راویوں میں) مناکیر ہیں ابن عدی نے کہا ہے: وہ میرے نزدیک مستقیم الحدیث ہے اور اسکی غلطیاں ہیں اور حافظ جزرہ نے کہا کہ وہ جھوٹ بولتا تھا نسائی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور دیگر محدثین نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ اھ حافظ ابن حجر کہتا ہے کہ وہ صدوق ہے کثیر الغلط ہے کتابت میں قوی ہے اور اس میں غفلت تھی۔

Scanned by CamScanner

"سند پر "صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ: فعل صحابی مرفوع قولی حدیث میں تعارض کے وقت حجت ہوتا ہے اور اس مرفوع قولی حدیث کیلئے مخصص بھی بن سکتا ہے جیسا کہ یہاں پر ابن عمرؓ نے باوجود نماز فجر کے قیام کے وقت سنتیں پڑھیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت اذا اقیمت الصلاۃ اپنے عموم پر نہیں ہے ورنہ پھر تو ابن عمرؓ پر رسول ﷺ کی قولی حدیث کے خلاف کرنے کا حکم عائد ہوگا! اور یہ "صاحب تحقیقات" جیسا کم فہم ہی کر سکتا ہے صحابہ کرامؓ کی شان میں اس سے بڑھ کر اور گستاخی کیا ہوگی!

اور اگر وہ یہ کہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ نبی کی احادیث ان کو نہ پہنچی ہو تو یہ بات بالکل بعید ہے۔ اور جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان واقعات کی ہمارے پاس مناسب توجیہات موجود ہیں جنکے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

قول:

"اور "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا:

"کہ عبداللہ بن صالح مختلف فیہ آدمی ہے تو کس طرح یہ اثر صحیح ہو جائے گا"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ: کسی راوی کے مختلف فیہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اسکو بالکل ہی ضعیف گردانا جائے، مختلف فیہ تو امام بخاری بھی ہے، مختلف فیہ احمد بن صالح مصری بھی ہے اور ان سے

جو کہ ثقہ رواۃ جن پر معمولی قسم کا کلام بھی ہوا ہے ان کو علامہ ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ضعیف ہو گئے بلکہ اس قسم کے رواۃ یعنی جن کی امامت پر اتفاق ہو کے معاملہ میں جرح کو قبول ہی نہیں کیا گیا ہے۔" صاحب تحقیقات" اپنی منطق چلا رہا ہے اور متکلم فیہ کو غیر صحیح کہہ رہا ہے اگر چہ عبداللہ بن صالح مختلف فیہ راوی ہے اگر چہ اسکی حدیث کا درجہ صحیح کے اعلیٰ مرتبہ کا نہیں ہو سکتا لیکن اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ وہ حسن الحدیث بھی نہ ہو حالانکہ مختلف فیہ راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے جیسا کہ علامہ ذہبی کی کتاب "الموقظۃ" کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی نے صالح بن عبداللہ کے متعلق ابن قطان کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

> "قال ابن القطان: هو صدوق، ولم يثبت عليه ما يسقط له حديثه الا انه مختلف فيه، فحديثه حسن". (تهذيب التهذيب ج: ۳، ص: ۲۲۳ مؤسسة التاريخ العربي)
>
> ابن قطانؒ نے فرمایا کہ وہ صدوق ہے اور اس کے خلاف کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہوئی کہ جس کی وجہ سے اسکی احادیث کو ساقط کر دیا جائے سوائے اسکے کہ وہ مختلف فیہ راوی ہے، پس اسکی حدیث حسن ہے۔

اور میں نے جو یہ کہا تھا کہ متکلم فیہ ہونے سے کوئی راوی ضعیف نہیں ہوتا اور اسکی ثقاہت ختم نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اسکی تصریح بھی مل گئی چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے ان راویوں پر جو متکلم فیہ ہیں لیکن باوجود اس کے انکی ثقاہت میں فرق نہیں آیا اور وہ ثقہ ہی رہے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے عبداللہ بن صالح کا ذکر بھی کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

"عبد الله بن صالح الجهني كاتب الليث (خ د ت ق): صالح الحديث له مناكير روى عنه ابن معين والبخاري وقال أبو زرعة حسن الحديث وقال ابن عدي هو عندي مستقيم الحديث وله أغاليط قلت فيجتنب مناكيره. (من تكلم فيه وهو موثق، ج: ١، ص: ١٠٩)

عبد اللہ بن صالح الجہنی لیث کا کاتب ہے، صالح الحدیث ہے، اور اسکی منکر روایتیں ہیں، اس سے ابن معین اور امام بخاری نے احادیث روایت کی ہیں، اور ابوزرعہ نے فرمایا ہے کہ وہ حسن الحدیث ہے، اور ابن عدی نے فرمایا ہے وہ میرے نزدیک مستقیم الحدیث ہے، اور اس کی کئی غلطیاں ہیں، میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ اس کی منکر روایات سے اجتناب کیا جائے (باقی روایات میں وہ حسن الحدیث ہے)

پس ماقبل کی تصریح سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ متکلم فیہ اور ثقہ میں تباین نہیں ہے بلکہ یہاں نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے کہ بعض متکلم فیہ ثقہ ہوسکتے ہیں اور بعض ثقہ متکلم فیہ ہوسکتے ہیں۔ پس معلوم ہوگیا کہ نہ تو ہر متکلم فیہ ضعیف ہوتا ہے اور نہ ہی ہر ثقہ متکلم فیہ ہوتا ہے لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے بعض افراد پر صادق آسکتے ہیں۔

لہٰذا "صاحب تحقیقات" کا متکلم فیہ راوی کو ضعیف کہنا اسکی نادانی ہے جو روز روشن کی طرح واضح ہوچکی ہے۔

نیز یہی علامہ ذہبی اپنی مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"أما بعد: فهذا فصل نافع في معرفة ثقات الرواة الذين تكلم فيهم بعض الأئمة بما لا يرد أخبارهم وفيهم بعض

Scanned by CamScanner

اللین وغیرھم أقوی منھم وأحفظ فھؤلاء حدیثھم إن لم یکن في أعلی مراتب الصحیح فلا ینزل عن رتبۃ الحسن اللھم إلا أن یکون للرجل منھم أحادیث تستنکر علیہ وھي التي تکلم فیہ من أجلھا فینبغي التوقف في ھذہ الأحادیث. (من تکلم فیہ وھو موثوق. ص:۲۷)

یہ فائدہ دینے والی فصل ان ثقات کو پہچاننے کے بیان میں ہے جن کی ثقاہت میں بعض آئمہ نے معمولی قسم کا کلام کیا ہے کہ جس کی وجہ سے انکی احادیث کو رد نہیں کیا جائے گا۔ اور ان میں ادنیٰ سی کمزوری ہو اور ان کے مد مقابل ان سے زیادہ ثقہ اور زیادہ حافظ ہوں تو ان لوگوں کی حدیثیں اگر چہ صحیح حدیثوں کے اعلیٰ مرتبہ میں شمار نہ ہوں لیکن وہ حسن کے مرتبہ سے نہیں اترتی سوائے اسکے اس آدمی کی کچھ ایسی حدیثیں ہوں جن کی وجہ سے اس پر نکارت کا داغ لگا ہو اور یہ وہی احادیث ہوں جن کی وجہ سے وہ متکلم فیہ ہوا ہے تو پھر ان احادیث میں توقف کرنا چاہئے۔

قارئین کرام علامہ ذہبیؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ جن لوگوں کو انہوں نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے انکی احادیث کم از کم حسن کے درجہ کی ضرور ہوتی ہیں لہذا ہم اس راوی کے متعلق یہی کہیں گے کہ یہ راوی حسن الحدیث ہے۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

اس وجہ سے بنوانی صاحب کے ایک متعصب پیشوا جو کہ نیوی ہے
اس نے آثار السنن میں اس اثر پر سکوت کیا ہے باوجود اسکے کہ وہ
موضوعات کو بھی صحیح کہتا ہے جو اسکے مذہب کے موافق ہوں اور صحیح کو
ضعیف کہتا ہے جو اسکے مذہب کے مخالف ہو۔

اقول:

علامہ نیوی متعصب نہیں بلکہ متعصب تو "صاحب تحقیقات" ہیں کہ باوجود عبداللہ بن صالح کے حسن الحدیث ہونے کے اسکے اثر کو چھوڑ دیا کیونکہ یہ اثر اسکے مسلک کے خلاف ہے تو اگرچہ یہ حسن ہے لیکن وہ اسے قبول نہیں کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ "وہ موضاعات کو بھی صحیح کہتا ہے جبکہ وہ اسکے مذہب کے موافق۔ میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" کوئی ایک روایت بیان تو کرتے کہ اس نے اس موضوع روایت کو بھی صحیح کہہ دیا ہو؟" "صاحب تحقیقات" یوں ہی زبانی جمع خرچ کرتے نہیں تھکتے اپنا کچھڑ دوسروں پر اچھالنا تو "صاحب تحقیقات" اور اسکے بڑوں کے رگ و پے میں رچ بس چکا ہے جسکا ذکر میں شمس الحق عظیم آبادی صاحب کے متعلق کر چکا ہوں۔ نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے میں "صاحب تحقیقات" کے پاس کونسی صحیح حدیث ہے وہ مرسل روایت جو اپنے تمام طرق کیساتھ مرسل ہے جبکہ ان کے نزدیک مرسل حجت ہی نہیں تو پھر نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کی منع میں جو متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں اس مرسل روایت کو اسکے مقابلہ میں کیوں پیش کرتے ہو اس وقت جب خود تمہارے مسلک کی موافقت میں ضعیف حدیث آتی ہے تو وہ تمہارے نزدیک حجت ہوتی ہے لیکن جب مد مقابل کوئی حسن روایت پیش کرتا ہے تو اسکو ضعیف ثابت کرنے کیلئے کیا کیا منطق چلاتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ نیوی متعصب ہے متعصب وہ نہیں بلکہ متعصب "صاحب تحقیقات" ہے۔

اس کا علامہ نیموی کے سکوت کو اسکے ضعف کی دلیل سمجھنا بھی انکی نادانی ہے کیا انکے پاس اس کی دلیل ہے کہ علامہ نیموی نے یہ بتایا ہو یا مقدمہ میں یا تعلیق الحسن میں اس بات کی تصریح کی ہو کہ جس حدیث پر میں سکوت کروں وہ ضعیف ہوگی؟ جناب خیالی گھوڑے دوڑا رہا ہے بغیر کسی دلیل وقرینے کے کسی چیز پر حکم لگانا کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے؟

قول:

دوسرا اس میں محمد بن خزیمہ طحاوی کا شیخ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :(ترجمہ) طحاوی کا شیخ ہے ثقہ مشہور ہے اور یہ معروف شخصیت والا آدمی ہے ابن عساکر نے اسکا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے اور کہا ہے محمد بن خزیمہ بن مخلد بن محمد نے اپنے باپ اور ہشام بن عمار سے روایت کیا ہے۔ اور اس سے محمد بن اسحاق لخمی نے روایت کیا ہے ابن عساکر نے کہا ہے انکی احادیث اسکے ضعف پر دلالت کرتی ہیں۔ (انتقامات فی رد المطوات، ص:۳۹۵)

اقول:

میں کہتا ہوں کہ محمد بن خزیمہ ثقہ راوی ہے ابن عساکر کی مبہم جرح سے وہ ضعیف نہیں ہو سکتا علامہ ذہبی محمد بن خزیمہؒ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"محمد بن خزیمة شیخ الطحاوی مشهور ثقة" (میزان الاعتدال، ج:۳، ص:۵۳۷)

محمد بن خزیمہ طحاوی کا شیخ ہے مشہور اور ثقہ ہے۔

اسکے علاوہ محمد ایوب مظاہری علامہ ذہبی کی مذکورہ عبارت نقل کرنے

Scanned by CamScanner

بعد فرماتے ہیں:

"وقال العینیُ فی المغانی وثقہ ابن یونس وقال توفی سنة ۲۷۶ھ (رجال الطحاوی علی هامش شرح معانی الآثار ج: ۱ ص: ۱۰ رقم حاشیة: ۱)

پس علامہ ذہبی علامہ ایوب مظاہری کی عبارت سے معلوم ہو گیا کہ محمد بن خزیمہ ثقہ راوی ہے اور محدثین کا یہ قاعدہ ہے کہ جرح جب تک مفسر نہ ہو اس وقت تک جرح قبول نہیں کرتے بلکہ تعدیل کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ محدث کبیر علامہ عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

"واما الجرح فلا یقبل الا مفسرا مبین سبب الجرح لان الجرح یحصل بامر واحد فلا یشق ذکرہ (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ص: ۸۰)

اور رہی بات جرح کی تو اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک وہ مفسر نہ ہو کہ جب جرح بیان ہوئی ہو کیونکہ جرح ایک ہی بات سے بھی حاصل ہو جاتی ہے تو اسکا ذکر کرنا مشکل نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ابن عساکر کی یہ جرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اتنا یہ کہنا کہ انکی حدیثیں انکی کمزوری پر دلالت کرتی ہیں اجمالی مجمل سی بات ہے کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ اس کی روایت کردہ حدیثوں میں کیا اور کس قسم کی کمزوری ہے جسکی وجہ سے ہم اس پر ضعف کا حکم لگائیں۔ لہذا احمد بن خزیمہ ثقہ راوی ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اس پر ضعف کا حکم لگانا مردود ہے جو اصول حدیث کے بنیادی قواعد کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جب اس اثر کے متکلم فیہ راویوں کی توثیق ثابت ہو گئی تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ

اثر حسن درجہ کی ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اسکو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش انکی جہالت تھی ۔پس یہ اثر حدیث ابو ہریرہؓ کی حدیث کیلئے مخصص بن سکتا ہے۔

آٹھویں حدیث:

"حدثنا علی بن شیبۃ قال ثنا الحسن بن موسی قال ثنا شیبان بن عبد الرحمن عن یحیی بن ابی کثیر عن زید بن اسلم الخ (شرح معانی الآثار ج: ۱، ص: ۳۷۵)

تنبیہ...... پوری حدیث مع ترجمہ باب دوم پر ملاحظہ فرمالیں یہاں صرف سند پر کلام ہوگا۔

"سند حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قول:

"صاحب تحقیقات" کہا ہے:

یہ اثر بھی ضعیف ہے ،(اس میں ایک راوی) یحییٰ بن ابی کثیر یمانی مدلس ہے اور یہ اقرار نیموی نے بھی اثار السنن (۲۲۸) میں کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (ترجمہ) یحییٰ بن ابی کثیر یمانی کا شمار صغار تابعین میں سے ہے وہ حافظ ہے مشہور ہے کثیر الارسال ہے نسائی نے اسے تدلیس کیساتھ موصوف کیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے اسماء المدلسین (ص: ۱۰۷) میں اسکا شمار مدلسین میں کیا ہے اور یہاں اس نے یہ اثر "عن" کیساتھ روایت کیا ہے اور مدلس جب "عن" کیساتھ حدیث روایت کریں وہ بالاتفاق حجت نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر فرماتے

Scanned by CamScanner

ہیں:(ترجمہ) "معنعن" متصل شمار ہوتا ہے جب اس میں دو شرطیں متحقق ہو جائیں: کہ بعض کی ملاقات بعض کیساتھ ثابت ہو جائے۔ اور یہ کہ جس نے "معنعن" کیا ہے وہ مدلس نہ ہو۔ اور یہاں پر دونوں شرطیں مفقود ہیں زید بن اسلم کی ملاقات یحیٰی کیساتھ ثابت نہیں اور "معنعن" کرنے والا یحیٰی ابن ابی کثیر مدلس ہے۔ لہذا یہ اثر ضعیف ہے۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ

اقول

میں کہتا ہوں کہ:

"صاحب تحقیقات" یہاں بھی لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ اس نے ابن حجر عسقلانیؒ کی عبارت تو نقل کر دی لیکن اس بات کی وضاحت نہ کی کہ یحیٰی ابن ابی کثیر کا شمار مدلسین کے کس طبقہ میں ہوتا ہے جیسا کہ میں پہلے سفیان ثوریؒ کے متعلق بتا چکا ہوں کہ مدلسین کو ابن حجر عسقلانیؒ نے پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے اور یحیٰی ابن ابی کثیر کا شمار انہوں نے دوسرے طبقہ میں فرمایا ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جنکی تدلیس کو آئمہ نے قبول کیا ہے اور باوجود مدلس ہونے کے ان کی احادیث کو اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جیسا کہ اسکی تفصیل سفیان ثوریؒ کے متعلق بیان ہو چکی ہے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لہذا "صاحب تحقیقات" کی یہ کاروائی یہود کے خصائل کی مشابہ ہے کہ بعض باتوں کو تو نقل کرتا ہے اور بعض کو چھوڑ دیتا ہے۔

کسی راوی کے مدلس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکی حدیث ضعیف ہو بلکہ اس بات کی تحقیق کرنی چاہئے کہ اسکا تعلق کس طبقہ سے ہے اسکے بعد کوئی فیصلہ کیا جائیگا جیسا کہ میں اس بات کی

وضاحت کر چکا ہوں کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے پہلے اور دوسرے طبقہ کے مدلسین کو ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے چاہے وہ "عن" کیساتھ روایت کریں یا "سماع" کی تصریح کریں ان دونوں طبقوں کے متعلق یہ اصول نہیں چلے گا جو "صاحب تحقیقات" نے ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حدیث کے اتصال کیلئے دو شرطیں ہیں۔ کہ ایک راوی کی دوسرے سے ملاقات ہو اور دوسری یہ کہ وہ راوی مدلس نہ ہو۔ یہ اصول پہلے دو طبقوں کے علاوہ کیلئے ہے کہ ان کی حدیث میں جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں اس وقت تک حدیث متصل شمار نہ ہوگی لیکن "صاحب تحقیقات" کی منطق کو تو آپ حضرات نے ملاحظہ فرمالیا کہ اس نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے بیان کردہ اصول کو بغیر کسی فرق کے سب مدلسین پر فٹ کر دیا اگر ہم "صاحب تحقیقات" کی اس منطق کو تھوڑی دیر کیلئے مان لیں تو پھر اس اصول کے مطابق امام بخاری بھی تو مدلس ہے امام مالک بھی مدلس ہے امام مسلم بھی مدلس ہے اسی طرح بہت سے ثقہ ائمہ مدلس ہیں تو کیا "صاحب تحقیقات" کے یہاں پر بیان کردہ اس اصول سے یہ سب لوگ ضعیف ہو جائیں گے؟ جو حدیث امام بخاریؒ یا امام مالکؒ یا امام مسلمؒ "عن" کیساتھ روایت کریں کیا وہ سب حدیثیں ضعیف ہو جائیں گی؟ اگر ایسا ہے تو پھر بخاری، مسلم، موطا امام مالک کی بہت سی حدیثیں ضعیف ہو جائنگی؟ "صاحب تحقیقات" اسکے متعلق کیا جواب دیں گے؟۔

لہذا میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا اصول مسلم ہے لیکن "صاحب تحقیقات" نے اس اصول کو "کلمۃ الحق ارید بہا الباطل" کی طرح استعمال کیا ہے کہ سب کو ایک درجہ میں رکھ دیا اور میں نے جو امام بخاریؒ، امام مالکؒ اور امام مسلمؒ کا نام لیا ہے ان حضرات کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے ہی طبقات المدلسین میں ذکر کیا ہے لیکن ان کا شمار مدلسین کے طبقہ اول میں کیا ہے اور انکے متعلق فرماتے ہیں:

"المرتبۃ الاولی: من لم یوصف بہ الا نادرا کیحیی بن سعید

الانصاری"

پہلا طبقہ وہ ہے کہ جن کو تدلیس کیساتھ بہت کم ہی موصوف کیا گیا ہے

جیسا کہ یحییٰ بن سعید انصاری۔

پھر اس طبقہ میں تینتیس آئمہ کے نام گنوائے ہیں جن کو تدلیس کیساتھ موصوف کیا گیا ہے اور ان میں مندرجہ بالا ائمہ کا نام بھی ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے لیکن تدلیس کیساتھ موصوف ہونا ان کی شان میں کمی کا باعث ہے اور نہ ہی انکی امامت وثقاہت میں نقص کا۔ اسی طرح انہوں دوسرے طبقہ کے متعلق بھی فرمایا ہے جسکی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ لہذا اگر ہم "صاحب تحقیقات " کی اُلٹی سیدھی باتوں (اُلٹی سیدھی باتوں کا مطلب تو آپ سمجھتے ہونگے کہ "اُلٹی بات کو سیدھی بنا کر پیش کر دیا جائے جیسا کہ "صاحب تحقیقات " نے کیا ہے) میں آگئے تو پھر ہم اور منکرین حدیث میں کوئی فرق نہیں رہے گا انہوں نے بھی "صاحب تحقیقات " کی طرح اُلٹی سیدھی باتوں سے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا اور حدیث کے منکر بن گئے اگر "صاحب تحقیقات " کی یہ عادت رہی تو پھر اللہ جانے کہ......!

بہر حال "صاحب تحقیقات " کی باتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے سیدھی بات کو سیدھی سمجھ کر اور اُلٹی بات کو اُلٹی سمجھ کر فیصلہ کیا جائے۔ لہذا سیدھی بات کو سیدھی سمجھ کر ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اُلٹی بات کو اُلٹی سمجھ کر کہتے ہیں کہ "صاحب تحقیقات " کی سب باتیں غلط ثابت ہوئی ہیں۔

تنبیہ......: مذکورہ کلام کے علاوہ "صاحب تحقیقات " نے اس حدیث

پر دوسرا اور تیسرا کلام بھی کیا ہے لیکن پہلے اسکا جواب ہو چکا ہے اس وجہ

Scanned by CamScanner

سے اس کو نقل نہیں کیا گیا۔

نویں حدیث :

"حدثنا أحمد بن عبد المؤمن الخراساني قال ثنا علي بن الحسن بن شقيق قال أنا الحسين بن واقد قال ثنا يزيد النحوي ..... الخ (ج: ۱، ص ۴۷۲)

نوٹ: پوری حدیث مع ترجمہ (باب دوم) پر ملاحظہ فرمالیجئے یہاں صرف اعتراضات کا جواب دیا جائے گا۔

"حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

"صاحب تحقیقات" نے اس حدیث پر کلام کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) اس حدیث میں اور زید بن اسلم کی روایت میں تعارض ہے اور "اذا تعارضا تساقطا" کے اصول سے یہ دونوں روایتیں ساقط ہیں لہذا حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں گے اور تمہارے پاس تو الحمد للہ ایک حدیث بھی اسکے متعلق نہیں ہے۔ اور حدیث میں تو صریح نہی آئی ہے۔

(۲) حدیث مسلم میں نہی وارد ہے اور تمہارے مذہب کے اصولوں کے مطابق نہی اباحت پر مقدم ہوتی ہے دیکھوں فتح الباری (۱/۳۳۶)

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اوّل:

(۱) میں کہتا ہوں کہ ابن عمرؓ کے فعل میں تعارض کا جواب (باب دوم) پر تفصیل کیساتھ ہو چکا ہے وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ تعارض کے وقت رجوع حدیث رسول ﷺ کی طرف ہوگا یہ "صاحب تحقیقات" نے ایک نیا اصول بنایا ہے جو آج تک نہ کسی محدث نے بیان کیا ہے اور نہ کسی مجتہد نے کہ آثار میں تعارض کے وقت رجوع حدیث رسول ﷺ کی طرف ہوگا میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ "صاحب تحقیقات" ذاتی سیدھی باتیں بنا کر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حدیث رسول ﷺ میں جب تعارض پیدا ہو جائے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ کے حوالے سے گزر چکا ہے تو اس وقت رجوع اقوال وافعال صحابہؓ کی طرف ہوگا کیونکہ حدیث رسول ﷺ میں نہی اگر صریح ہوتی تو پھر اقوال وافعال صحابہؓ میں اختلاف کیوں پیدا ہوتا کیا جو صحابہ کرامؓ اس وقت سنتیں پڑھتے تھے ان کو یہ حدیث رسول ﷺ معلوم نہیں تھی کیا وہ اس نہی کو صریح کہتے تھے اگر صریح کہتے تو پھر کیا نعوذ باللہ انہوں نے حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کی تھی کہ باوجود صریح نہی کے نماز فجر کی قیام کے وقت سنتیں پڑھتے تھے؟

یہی وجہ ہے کہ ہم ان احادیث کو صریح تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان احادیث میں مناسب تاویل کرتے ہیں جسکی دلیل اجلہ صحابہ کرامؓ کا عمل ہے لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ احادیث محمول ہیں صفوں میں مل کر سنتیں پڑھنے کیساتھ یعنی ممانعت جماعت کی صفوں میں مل کر سنت پڑھنے پر وارد ہوئی ہے جیسا کہ اجلہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔

اور "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ تمہارے پاس کوئی حدیث نہیں ہے تو اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نماز فجر کی قیام کے وقت سنتیں پڑھ لیتے تھے۔ جو حسن درجہ کی حدیث ہے تو جب امام کی تخصیص اس حدیث سے ہوگئی تو ماموم کی تخصیص دیگر احادیث واقوال وافعال صحابہؓ سے ہوگی۔ اور اسی بات کو ہم صرف نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ آثار

صحابہ غیر مرفوع احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہم آثار صحابہ کو مرفوع احادیث کا مقابل کیسے کہہ سکتے ہیں ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ ہم ان مرفوع احادیث کی تخریج میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں جو کہ مجتہد بے بدل ہیں اور تم انکی تخریج کیلئے مقلدین محدثین کی تقلید کرتے ہو اور ابن حجرؒ یا امام نووی کے دروازے پر جا کر بھیک مانگتے ہو جو کہ مقلدین ہیں۔

(۲) میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل درست ہے اور احناف کا مسلم قاعدہ ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض پیدا ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوگی اور ہم مسلم شریف وغیرہ احادیث میں اسی قاعدے کے پابند ہیں ہمارے نزدیک حدیث میں وارد ممانعت کا تعلق چونکہ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کر سنتیں پڑھنے پر محمول ہے تو اسی پر عمل کرتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کر فجر کی سنتیں پڑھنا ممانعت کردہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے تو ہم نے اپنے قاعدے کو استعمال کیا اور الحمد للہ اسی پر ہمارا عمل ہے جو حدیث رسول ﷺ اور عمل صحابہؓ کے موافق ہے ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

قول:

(۳) تیسرا یہ کہ اس سند میں الحسین بن واقد متکلم فیہ آدمی ہے جسکو امام احمد بن حنبل اور امام ساجی نے ضعیف کہا ہے دیکھو تہذیب التہذیب (۱/۲۰۳)

اقول:

(۳) میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" سے بڑا متعصب شاید کہ دنیا میں کوئی مل جائے الٹا یہ امام نیموی کو متعصب کہتا ہے! اسکے تعصب کو تو دیکھئے کہ ثقہ راوی کے متعلق مجمل کلام نقل کر کے لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ حسین بن واقد ضعیف راوی ہے اور چالاک اتنا ہے کہ اس

کیلئے عنوان قائم کیا کہ "متکلم فیہ آدمی ہے" متکلم فیہ کا ہتھیار انہوں نے عبداللہ بن صالح کے متعلق استعمال کیا تھا جسکی وضاحت کر چکا ہوں کہ ہر متکلم فیہ راوی ضعیف نہیں ہوتا بلکہ بعض متکلم فیہ ضعیف ہوتے ہیں متکلم فیہ اور ضعیف میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے کہ ہر ضعیف متکلم فیہ ہوتا ہے لیکن ہر متکلم فیہ ضعیف نہیں ہوتا بلکہ بعض متکلم فیہ ثقہ بھی ہوتے ہیں اور ان پر محدثین کا کلام اُن کی ثقاہت کے منافی نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے اسکی وضاحت کر چکا ہوں۔

حسین بن واقد ثقہ راوی ہے عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں "ہمارے لئے حسین کے مثل کون ہوگا" امام اثرم نے امام احمدؒ سے روایت کیا ہے کہ: "وہ لاباس بہ ہے اور اسکی تعریف کی" ابن ابی خیثمہؒ نے ابن معین کے حوالے سے فرمایا کہ: "وہ ثقہ ہے" امام ابوزرعہ اور امام نسائی نے اسکے متعلق فرمایا کہ: "لاباس بہ یعنی اس میں کوئی نقص نہیں۔ ابن حبانؒ نے فرمایا کہ: "کان من خیار الناس" کہ وہ اچھے لوگوں میں سے تھا اور وہ کبھی کبھی خطاء کر جاتا تھا "ابن سعدؒ نے فرمایا کہ وہ "حسن الحدیث ہے" امام آجری نے ابوداؤدؒ کے حوالے سے بتایا کہ: وہ لاباس بہ ہے امام ساجی نے فرمایا کہ: فیہ نظر وہ صدوق ہے اور اسے وہم ہو جاتی تھی امام احمدؒ نے فرمایا کہ: "میں اُنکی احادیث کو نہیں جانتا کہ وہ کیسی ہیں۔ یہ پوری تفصیل جن کا میں نے خلاصہ نقل کیا ہے تہذیب التہذیب (۳/۲) تہذیب الکمال (۱۹۶/۲) التعدیل والتجریح (۲۲۶/۱) معانی الاخیار (۲۱۸/۱) پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

بہر حال آپ حضرات نے حسین بن واقد کی ثقاہت کے متعلق اتنے سارے محدثین کا کلام ملاحظہ فرمایا کہ سب حضرات اسکی ثقاہت پر متفق ہیں اس کی حدیث کو قابل حجت سمجھتے ہیں لیکن "صاحب تحقیقات" نے صرف امام ساجی اور امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے اسکو ضعیف کہہ دیا اور اس میں بھی انہوں نے امام ساجیؒ کے کلام میں خیانت کی ہے امام ساجی نے اسکو

ضعیف نہیں کہا ہے بلکہ اس کو صدوق کہا ہے اور اتنا یہ کہنا کہ نیے نظریا اسے وہم ہو جاتی تھی تو یہ اسکے صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور ری بات امام احمد بن حنبل کی تو امام اثرم کے حوالے سے بیان ہوا کہ انہوں نے بھی حسین کو لاباس بہ کہا جاب امام احمد بن حنبل سے دو قول ہو گئے ایک تو یہ کہ انہوں نے حسین کی حدیث کا انکار کیا ہے دوسرا یہ کہ اس کو لاباس بہ بھی کہا ہے۔ اب یہ بات سمجھیے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے ہر قول کا جدا محمل ہے امام احمدؒ نے حسین کی روایت کردہ حدیث سے جو انکار کیا ہے تو وہ صرف اس حدیث سے ہے جو اس نے ایوب عن نافع عن ابن عمر کی سند سے روایت کیا ہے چنانچہ علامہ عینی اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وتنكر احمد بعض حديثه وحرك رأسه كأنه لم يرضه.
قلت: أراد به الحديث الذي رواه الحسين المذكور، عن أيوب عن نافع عن ابن عمر أن رسول ﷺ قال .... الخ" (مغاني الأخيار ج: ۱ ص: ۲۱۸)

اور امام احمدؒ نے اسکے بعض حدیث کو نکارت کی نظر سے دیکھا اور اس پر اپنا سر یوں ہلایا گویا کہ وہ اس حدیث پر راضی نہیں تھے۔ میں (عینی) کہتا ہوں کہ امام احمدؒ کے اس انکار سے مراد وہ حدیث ہے جو مذکورہ حسین نے ایوب عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے روایت کی ہے ..... الخ"

پس اب تو یہ بات متعین ہو گئی کہ امام احمدؒ نے اسکی ساری حدیثوں سے انکار نہیں کیا ہے پس جب ساری حدیثوں سے انکار نہیں کیا تو پھر دیگر احادیث کے بارے میں اسکو لاباس بہ فرما دیا۔

Scanned by CamScanner

مذکورہ جائزہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ یا تو "صاحب تحقیقات" امام احمد بن حنبل کی جرح کے محل سے واقف نہیں تھے یا جان بوجھ کر انہوں نے اپنے تعصب کی وجہ سے اس کی اس حدیث کو ضعیف کہہ دیا۔ ورنہ حسین بن واقد کی باقی احادیث میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔ واللہ الهدی والمرید

دسویں حدیث:

"حدثنا أبو بكرة قال ثنا أبو عمر الضرير قال ثنا عبد العزيز بن مسلم قال ثنا مطرف بن طريف عن أبي عثمان الأنصاري قال: جاء نا عبد الله بن عباس رضي الله عنهما والإمام في صلاة الغداة ولم يكن صلى الركعتين فصلى عبد الله بن عباس رضي الله عنهما الركعتين خلف الإمام ثم دخل معهم وقد روى عن ابن عمر مثل ذلك. الخ(شرح معاني الآثار ج: ا ،ص: ۲۵۶ مکتبہ حقانیہ و ج: ا ،ص: ۳۷۵ دار الكتب العلمية)

(بعد سند) ابوعثمان انصاری نے فرمایا کہ: عبداللہ ابن عباسؓ ہمارے پاس اس وقت آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا اور ابن عباسؓ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھی تو ابن عباسؓ نے امام کی (پچھلی والی) صف میں فجر کی سنتیں پڑھ لیں پھر جا کر ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہو گئے اور اسی طرح ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

"حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

Scanned by CamScanner

قول: صاحب تحقیقات کا کہنا ہے:

(۱) حافظ ذہبی فرماتے ہیں: (ترجمہ) ابو عمر الضریر وہ کہ جس پر علی ابن المدینی نے طعن کیا ہے۔

(۲) ابو بکرۃ امام طحاوی کے شیخ کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا وہ مجہول الحال ہے۔

(۳) یہ صحابی کا فعل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے مرفوع قولی احادیث کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہے۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ

اقول وباللہ التوفیق میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ:

(۱) ...صاحب تحقیقات نے گویا کہ قسم کھائی ہے کہ احناف کی جو حدیث استدلال میں آئے گی وہ اس کو اپنی تعصب کی وجہ سے ضعیف ثابت کریگا اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو اور کہتا ہے کہ علامہ نیموی حسب بے موضوع حدیث کو بھی صحیح کہہ دیتا ہے جو اس کے مذہب کے موافق ہو اور صحیح کو ضعیف کہہ دیتا ہے جب وہ اسکے مذہب کے مخالف ہو۔ میں کہتا ہوں کہ آپ حضرات پر "صاحب تحقیقات" کا تعصب تو واضح ہو چکا ہوگا کہ اس نے کتنے صحیح راویوں کو ضعیف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اب اس راوی کے متعلق بھی موصوف نے اسی ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع کیا ہے اور اپنی پوری کتاب کو دجل وفریب کا مرقع بنا دیا ہے اس نے یہاں بھی خیانت کی ہے ابو عمر الضریر کے متعلق صرف میزان الاعتدال سے اور المغنی سے اسکے ضعف کے اقوال نقل کر دیے لیکن جس ابو عمر الضریر کو اس نے ضعیف ثابت کیا ہے وہ اس حدیث کا راوی ہی نہیں ہے اس نے صرف "ابو عمر الضریر" نام (کنیت) دیکھ کر اس پر ضعف کا حکم لگا دیا اور یہ بتانے

Scanned by CamScanner

کی زحمت نہ کی کہ اس کنیت سے مشہور کتنے راوی ہیں طحاوی کی سند میں ابو عمر الضریر کونسا ہے؟ صرف ابو عمر الضریر کو ضعیف ثابت کرنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ پوری وضاحت کی ضرورت ہے کہ اس کنیت کے کتنے راوی ہیں اور ان کی کیا کیفیت ہے؟ لہٰذا میں کہتا ہوں کہ ابو عمر الضریر جو طحاوی کی حدیث کا راوی ہے اسکا نام حفص بن عمر ہے جو کہ ثقہ راوی ہے چنانچہ اس کے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں: صدوق، صالح الحدیث اکی عام حدیثیں محفوظ ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں: ''میراث، حساب، شعر، تاریخ اور فقہ کے معتبر علماء میں سے تھے پیدائشی نابینا تھے۔ امام ساجی فرماتے ہیں: ''من اہل الصدق'' یعنی وہ سچے لوگوں میں سے تھے اور ایک مقام پر فرمایا کہ: وہ حدیث یاد کرتا تھا۔ سلیمان شاذ کوفی اس کی تعریف کرتے تھے۔ علامہ عقیلی نے اسکو ضعفاء میں شمار کیا ہے لیکن علامہ عقیلی کا کلام نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبی فرماتے ہیں: کہ وہ صدوق تھے حافظ تھے بڑے متقین علماء میں سے تھے۔ یہ پوری تفصیل آپ مندرجہ ذیل کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج:۲، ص:۲۸ تہذیب الکمال ج:۳، ص:۲۵۵ تقریب التہذیب ج:۱، ص:۲۲۰ معانی الاخیار، ج:۱، ص:۲۲۶ برقم ۳۷۹ میزان الاعتدال، ج:۲، ص:۳۲۹)

خلاصہ یہ کہ طحاوی شریف کی سند میں جو ابو عمر الضریر ہے وہ ثقہ ہے جیسا کہ ماقبل میں آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں اب جس ابو عمر الضریر کا حوالہ "صاحب تحقیقات" نے دیا ہے وہ یہ ابو عمر الضریر نہیں ہے جو طحاوی کا راوی ہے یا تو "صاحب تحقیقات" کو غلط لگا ہے یا جان بوجھ کر ضعیف راوی کو طحاوی کے سر تھوپ دیا تاکہ انکی خواہش پوری ہو جائے اور وہ طحاوی کی سند کو

Scanned by CamScanner

ضعیف ثابت کر سکے۔ "صاحب تحقیقات" نے جس ابو عمر الضریر کا ذکر کیا ہے وہ شعبہ سے روایت کرنے میں مشہور ہے اس نے عبارت نقل کرنے میں امام شعبہ کا نام اُڑا دیا تا کہ میری بات میں وزن پیدا ہو جائے لیکن علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اسکی وضاحت فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"أَبُوْ عُمَر الضَّرِيْر .عن شُعْبَة .طعن فيه عليُّ بن المديني.قال الدار قطنيُّ:وهو غير الصوفي.

ابو عمر الضریر شعبہ سے روایت کرتا ہے علی ابن المدینی نے اس پر طعن کیا ہے اور دار قطنی نے کہا ہے کہ وہ صوفی کے علاوہ ہے۔

پس جس ابو عمر الضریر کے متعلق "صاحب تحقیقات" نے کلام کیا ہے وہ کوئی دوسرا ہے کیونکہ ہماری اس حدیث کا جو راوی ہے حفص بن عمر ابو عمر الضریر الاکبر کے نام سے مشہور ہے اور یہ جن لوگوں سے روایت کرنے میں مشہور ہے اُن میں شعبہ کا نام نہیں ہے نیز علامہ مزیؒ نے ابو عمر الضریر کے کنیت سے مشہور ہونے والے چار راویوں کا ذکر کیا ہے اور اُن میں کوئی بھی شعبہ سے روایت کرنے والا نہیں ہے اور وہ چاروں ثقہ راوی ہیں،اُن میں سے ایک حفص بن حمزہ ابو عمر الضریر البلد اوی ہے دوسرا حفص بن عبداللہ الحلوانی ابو عمر الضریر ہے، تیسرا احمد بن عثمان بن سعید ابو عمر الضریر ہے۔ اور ایک طحاوی کے اس سند کا ابو عمر الضریر ہے جو بصری ہے یہ پوری تفصیل آپ تہذیب الکمال (۴/۲۵۷) تہذیب التہذیب (۲/۲۹) پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سند میں جو ابو عمر الضریر ہے وہ ثقہ ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اس کو ضعیف کہنا اُنکی جہالت یا تجاہل ہے۔

قول:

Scanned by CamScanner

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

(۲) ابو بکرۃ جو امام طحاوی کے شیخ کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا وہ مجہول الحال ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی کا شیخ مجہول الحال نہیں ہے بلکہ "صاحب تحقیقات" کی آنکھوں پر تعصب کے پردے پڑے ہوئے ہیں اس لئے وہ ابو بکرۃ کو مجہول الحال کہہ رہا ہے وہ اگر تھوڑی دیر کیلئے اس تعصب کی عینک کو پھینک دیتے اور انصاف ودیانتداری کی عینک پہن لیتے تو پھر انکو ابو بکرۃ کی حالت معلوم ہو جاتی کہ انکا نام بکار بن قتیبہ ہے اور وہ کلدہ ثقفی صاحب رسول ﷺ کی اولاد میں سے ہیں اور انکی کنیت بکار ابو بکر القاضی ہے فقہ اس نے ہلال بن یحییٰ بن مسلم جو کہ ہلال الرای سے مشہور تھا سے حاصل کی جو امام ابو یوسف اور امام زفر بن حذیل کے اصحاب میں سے تھا۔ اس نے ہلال بن یحییٰ سے علم شروط حاصل کیا۔ اس نے ابو داود طیالسی اور یزید بن ہارون سے حدیث کی سماعت کی اور مصر میں بصریین کے علم کو زندہ کیا۔ اور حدیث عبد الصمد بن عبد الوارث، صفوان بن عیسیٰ الزھری، مؤمل بن اسماعیل وغیرہ سے بیان کی اور اس سے امام ابو جعفر طحاوی نے کثرت کے ساتھ احادیث روایت کیں اور اس سے ابو عوانہ نے بھی اپنی صحیح میں حدیثیں روایت کیں اور ابو بکر بن خزیمہ نے بھی صحیح خزیمہ میں حدیثیں روایت کیں اور ابو داود جستانی نے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔ علامہ عینی نے انکے ترجمہ میں تقریباً چھ سات صفحات لکھے ہیں انکے پورے حالات لکھ دیئے ہیں لیکن "صاحب تحقیقات" ہے کہ اس کو مجہول الحال کہہ رہا ہے اتنے بڑے بڑے محدثین اس سے روایتیں لے رہے ہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ مجہول الحال ہے میں نے "صاحب تحقیقات" کے متعلق جو یہ کہا تھا کہ اس نے تعصب کی عینک پہنی ہوئی ہے یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ یہ احناف کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کرتا اگر وہ علامہ عینی

کی مغانی الاخیار جو انہوں نے خاص رجال طحاوی کے متعلق لکھی ہے دیکھ لیتا تو اُسے یہ کہنے کی جرأت کبھی بھی نہیں ہوتی کہ ابوبکرۃ مجہول الحال ہے۔ نیز امام حاکم ابوبکرۃ کے متعلق فرماتے ہیں: "ثقہ مامون" کہ وہ ثقہ اور مامون ہے۔ ابوبکرۃ شیخ طحاوی کے حالات کا خلاصہ میں نے علامہ عینی کی کتاب مغانی الاخیار (ج:۱، ص:۱۹۸، رقم ترجمہ:[۲۷۶]) اور امام حاکم کا قول میں نے اعلاء السنن (ج:۵، ص:۱۹۷۷) سے بیان کیا ہے اگر کوئی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہے تو مذکورہ کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

لہٰذا "صاحب تحقیقات" کا ابوبکرۃ کو مجہول الحال کہنا غلط ہے۔ جیسا کہ مذکورہ جائزہ سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔ وللہ الحمد

قول:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

(۳) یہ صحابی کا فعل ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مرفوع قولی احادیث کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ فعل صحابی جب صحیح یا حسن سند سے ثابت ہو جائے تو وہ حدیث کیلئے مخصص بھی بن سکتا ہے اور حدیث کے معنی میں تاویل کا قرینہ بھی ہوتا ہے اور ان باتوں کو کوئی بھی مقابلہ نہیں کہتا سوائے نادانوں کے جیسا کہ......!

گیارہویں حدیث:

"حدثنا ابو بشر الرقی قال ثنا ابو معاویۃ عن مسعر عن عبید بن الحسن عن ابی عبد اللہ عن ابی الدرداء الخ معانی

الاخبار ج: ۱، ص: ۲۷۵ رقم ۲۰۳۴)

نوٹ: پوری حدیث مع ترجمہ کے (باب دوم) میں گزر چکی ہے

"سند پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قول:

صاحب تحقیقات کہتا ہے:

(۱) ابو بشر الرقی مجہول الحال ہے۔ (۲) یہ بھی اثر ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی صحیح قولی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں بن سکتی لیکن ہم ان صحابہ کرام پر یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرتے ہیں۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ابو بشر الرقی مجہول الحال نہیں ہے لیکن "صاحب تحقیقات" کی آنکھوں پر تعصب کی عینک لگی ہوئی ہے جسکی وجہ سے وہ ابو بشر الرقی کو مجہول الحال دیکھ رہا ہے ابو بشر الرقی کا نام وشجرہ یوں ہے۔ عبد الملک بن مروان بن اسماعیل بن عبد اللہ بن عبدویہ۔ چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں:

"قال ابن يونس الفارسي: قدم من البصرة الى مصر. يروي عن معاذ بن معاذ العنبري مولى معاوية العنبري وكان ثقة (مغاني الاخيار ج: ۲، ص: ۲۹۶ رقم الترجمة ۱۶۳۳)

ابن یونس فارسیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ بصرہ سے مصر آیا تھا۔ وہ معاذ بن

معاذ تجیبی اور ابو معاو یہ الضریر سے روایت کرتا ہے اور وہ ثقہ تھا۔

اُنکی وفات ہفتہ کے دن جمادالاولی یا جمادی الثانی ۲۵۹ھ میں مصر میں ہوئی وہ امام طحاوی کے مشائخ میں سے ایک تھے امام طحاویؒ نے اُن سے بہت سی احادیثیں روایت کی ہیں۔

لیکن اسکے باوجود "صاحب تحقیقات" کہہ رہا ہے کہ وہ مجہول الحال ہے لیکن "صاحب تحقیقات" کی اُلٹی سیدھی باتیں احناف کے مسلک کو داغ دار نہیں بنا سکتیں بلکہ وہ خود اپنے رسوائی کے در پے ہے کہ خیانتوں اور دھوکہ کے تاج کو اپنے سر پہ باندھ چکا ہے۔

قول:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

> (۲) یہ بھی اثر ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی صحیح قولی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں بن سکتی لیکن ہم ان صحابہ کرامؓ پر یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرتے ہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ اسکا جواب بار بار دیا جا چکا ہے کہ آثار صحابہ موقوفہ کو اصل ہی حدیث رسول ﷺ کا مقابل سمجھا جا سکتا ہے لیکن آثار صحابہ حدیث رسول کیلئے مخصص بن سکتے ہیں اور حدیث رسول ﷺ کے عموم میں تخصیص جب ایک مرتبہ کسی صحیح یا حسن حدیث مرفوع سے ہو جائے تو پھر اس حدیث کی عمومیت باقی نہیں رہتی اور اس میں مزید تخصیص آثار صحابہؓ سے بھی ہو سکتی ہے ہم جو آثار صحابہ کو پیش کرتے ہیں اول تو ان کا درجہ تخصیص میں دوسرے مرتبہ کا ہے کہ ہم پہلے حدیث کی تخصیص صحیح یا حسن حدیث سے کرتے ہیں پھر اسکے بعد آثار صحابہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جب حدیث میں تعارض پیدا ہو جائے یا کسی حدیث کے معنی مرادی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسکی صورت

Scanned by CamScanner

میں آثار صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس جانب کو امام ابوحنیفہؒ اپنے اجتہاد کی وجہ سے راجح سمجھتے ہیں تو اُنکی پیروی کرتے ہیں۔ اب "صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ ہم صحابہ کرامؓ پر یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ جب تم صحابہ کرامؓ پر حدیث رسول کے خلاف کرنے کا گمان نہیں کرتے تو پھر احناف پر کیوں بہتان لگاتے ہو کہ وہ حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ بھی انہی صحابہ کرامؓ کے عمل کے مطابق عمل کرتے ہیں تو پھر احناف ہی تمہارے مجرم کیوں ہیں؟

یہاں تک "صاحب تحقیقات" کے سنت فجر عند الاقامت کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے باقی "صاحب تحقیقات" نے نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنے کے متعلق جو احادیث ذکر کی ہیں وہ مرسل روایات ہیں اور مرسل روایات خود انکے ہاں حجت نہیں ہوتیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یہ روایتیں اُن متواتر روایتوں کیلئے مخصص بھی نہیں بن سکتیں کیونکہ یہ خبر واحد ہیں اور متواتر کی تخصیص کیلئے کم از کم خبر مشہور چاہئے لہذا ہمارے احناف کے نزدیک چونکہ مرسل حجت ہوتی ہے تو ہم انہی روایات کی وجہ سے اس کو جائز کہتے ہیں لیکن کراہت تحریمی کیساتھ کہ اس وقت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے مطلقاً جواز کے قائل نہیں ہیں جسکی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ کتاب

کتاب چونکہ بنیادی طور پر دو مسائل پر مشتمل ہے (۱) فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنے کا جواز (۲) نماز فجر کے بعد فجر کی سنتوں کا عدم جواز۔ اور یہ احناف کا متفق ہ مذہب ہے۔ ان دو مباحث کے ضمن میں غیر مقلدین کے اعتراضات، شکوک وشبہات اور اُن کے جوابات، غیر مقلدین کے دلائل اور ان دلائل کی توجیہات بھی تفصیل کیساتھ بیان ہو چکے ہیں یہاں پر صرف ان دو مسائل کے دلائل کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف ان

Scanned by CamScanner

مسائل کے دلائل کو جاننا چاہے تو وہ آسانی سے جان سکے اور مسئلہ کو سہولت کے ساتھ سمجھ سکے اور اُسے یہ اطمینان حاصل ہو سکے کہ احناف کا مسلک الحمدللہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔

"سنت فجر عند الاقامت کے جواز کے دلائل کا خلاصہ"

پہلی دلیل:

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی کہ اتنے میں عبداللہ بن مسعودؓ آئے اور مسجد میں ایک ستون کی طرف بڑھے اور فجر کی سنتیں پڑھ کر پھر جماعت کی نماز میں شریک ہوئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف ابن عبدالرزاق)

دوسری دلیل:

حضرت مالک بن مغول سے روایت ہے کہ میں نے نافع کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فجر کی نماز کیلئے جگایا اور تحقیق کہ نماز کھڑی ہو چکی تھی پس انہوں نے فجر کی سنتیں ادا کیں۔

تیسری دلیل:

حضرت ابو عثمان انصاریؓ سے روایت ہے کہ: "عبداللہ ابن عباسؓ (اس وقت مسجد) آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، اور انہوں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں پس عبداللہ بن عباسؓ فجر کی سنتیں (امام کی (پچھلی والی صف میں) پڑھ کر اُس کے ساتھ جماعت میں شامل ہو گئے۔

چوتھی دلیل:

حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اس وقت مسجد

Scanned by CamScanner

میں تشریف لائے کہ امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا انہوں نے ابھی فجر کی
سنتیں ادا نہیں کی تھیں پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں سنتیں
ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔

فائدہ: حضرت حفصہ کا حجرہ مسجد نبوی میں داخل تھا جیسا کہ علامہ سمہودی نے خلاصۃ الوفاء میں ذکر فرمایا ہے۔ پس اس لحاظ سے ابن عمر کا مسجد کے اندر فجر کی سنتیں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل:

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں ایسے وقت داخل ہوتے کہ لوگ نماز فجر میں صفوں میں ہوتے، پس وہ مسجد کے ایک کونے میں فجر کی سنتیں پڑھ لیتے پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے۔

چھٹی دلیل:

عبد اللہ بن ابو موسیٰ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "عبد اللہ ابن مسعودؓ ہمارے پاس اس وقت آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا انہوں نے ایک ستون کے پیچھے ہو کر سنتیں پڑھ لیں اور انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔

ساتویں دلیل:

حضرت ابو عثمان النہدیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "ہم عمر بن خطاب کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے جبکہ وہ نماز پڑھا رہے ہوتے تھے ہم مسجد کے آخری حصہ میں سنتیں پڑھ لیتے پھر لوگوں

Scanned by CamScanner

کیساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے۔

آٹھویں دلیل:

حضرت ابو مجلزؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "میں نماز فجر کے وقت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے ساتھ اس وقت مسجد میں داخل ہوا کہ امام نماز پڑھا رہا تھا، ابن عمرؓ تو صف میں شامل ہو گئے جبکہ ابن عباسؓ سنت فجر پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو گئے، پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے یہاں تک سورج طلوع ہو گیا پس وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں۔

نویں دلیل.

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ مسروق لوگوں کے پاس ایسے وقت تشریف لاتے کہ لوگ فجر کی جماعت میں مشغول ہوتے اور مسروق نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہوتیں پس وہ مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت میں لوگوں کیساتھ شریک ہو جاتے۔

دسویں دلیل:

حضرت یزید بن ابراہیمؒ نے حضرت حسنؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہے کہ: جب تم مسجد داخل ہو جاؤ اور تم نے سنتیں نہ پڑھیں ہو تو سنتیں پڑھ لو اگر چہ امام نماز پڑھا رہا ہو پھر امام کیساتھ شامل ہو جاؤ۔

گیارھویں دلیل.

"حارث نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ" رسول

Scanned by CamScanner

اللہ ﷺ اقامت کے وقت دو رکعتیں (فجر کی سنتیں) پڑھ لیتے تھے۔

بارھویں دلیل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے سوائے فجر کی سنتوں کے۔

"سنت فجر عند الاقامت

کی ممانعت والی احادیث سے تخصیص کے دلائل کا خلاصہ"

غیر مقلدین جو روایات سنت فجر عند الاقامت کی ممانعت میں پیش کرتے ہیں احناف کے نزدیک فجر کی سنتیں ان روایات کے عموم سے فجر کی سنتوں کی انتہائی تاکید واہتمام کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اور سنت فجر کی تاکید واہتمام والی تمام روایات فجر کی سنتوں کے استثناء کے دلائل ہیں جنکا خلاصہ مندرجہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔

پہلی دلیل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگر چہ تم کو تمہارا لشکر (جہاد میں جانے والا) روندتا ہوا گزر رہا ہو۔ (ابوداود)

دوسری دلیل

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی (دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (بخاری)

تیسری دلیل

Scanned by CamScanner

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"یہ دو رکعتیں مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ (مسلم)

چھوتی دلیل:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: "نبی کریم ﷺ نوافل میں سے کسی چیز کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر کی سنتوں کا۔ (بخاری بسلم)

پانچویں دلیل:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھلائی کے کاموں میں سے کسی چیز کی طرف اتنی تیزی کرتے ہوئے نہ دیکھا اور نہ غنیمت کی طرف جتنا کہ فجر کی سنتوں کی طرف۔ (صحیح ابن خزیمہ، بخاری)

چھٹی دلیل:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس سے اللہ تعالی مجھے نفع دے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) کو اپنے اوپر لازم جانو کیونکہ ان میں فضیلت ہے۔ (معجم کبیر)

ساتویں دلیل:

ابن عمر کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ

ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "فجر کی نماز سے پہلے والی دو رکعتوں کو مت چھوڑو کیونکہ ان میں رغبت ہے۔ (مسند احمد)

آٹھویں دلیل:

ایوب نے عطاء سے روایت کیا ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں (فجر کی سنتیں) پڑھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ (احکام القرآن)

نویں دلیل:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں دو چیز کہ جن کو انہوں نے کبھی نہ چھوڑا نہ حالت صحت میں اور نہ ہی مرض میں نہ سفر میں اور نہ ہی حضر میں، نہ موجودگی میں اور نہ غیابت میں، یعنی رسول اللہ ﷺ نے سنت فجر کی دو رکعتوں کو (ان حالتوں میں بھی ترک نہیں کیا) (مصنف ابن ابی شیبہ)

دسویں دلیل

اور ایک روایت میں ہے کہ: فجر کی دو رکعتوں کی حفاظت کرو کیونکہ ان میں رغائب ہیں۔ (مجمع الزوائد)

=====

Scanned by CamScanner

"فجر کی نماز کے بعد سنن و نوافل
کی ممانعت والی احادیث متواترہ کا خلاصہ"

فجر کی نماز کے بعد ہر قسم کی سنتیں اور نوافل پڑھنا چونکہ متواتر احادیث کی وجہ سے منع ہیں اس لیے احناف ان دلائل کی روشنی میں کہتے ہیں کہ ان اوقات میں کسی قسم کی سنتیں اور نوافل پڑھنا منع ہے چنانچہ مندرجہ ذیل میں اُن دلائل کا خلاصہ پیش خدمت ہے جن میں نماز فجر اور عصر کے بعد سنتوں اور نوافل پڑھنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

پہلی دلیل:

> حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور اسی طرح نماز فجر کے بعد بھی طلوع شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، مسلم)

دوسری دلیل:

> حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کئی صحابہ سے سنا ہے جن میں عمر بن خطاب بھی شامل ہے جو کہ اُن سب میں مجھ کو زیادہ محبوب ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک، اور نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز (نفل وسنتوں) کے پڑھنے سے منع کیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تیسری دلیل:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "عصر کی نماز کے بعد غروب شمس تک، اور فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی (نفل) نماز نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

چوتھی دلیل:

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا "یا نبی اللہ"! اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے نماز کے (وقت) کے بارے میں بتا دیجئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "صبح کی نماز پڑھ کر پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر خوب بلند و روشن ہو جائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں، پھر (سورج کے خوب روشن ہونے) کے بعد نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کے نماز میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور نماز (قبولیت اور رحمت کے حصول کے زیادہ قریب ہوتی ہے) یہاں تک کہ سایہ نیزہ کے برابر گھٹ جائے (یعنی مشرق و مغرب کی طرف مائل نہ رہے)، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت جہنم خوب دھکائی جاتی ہے، پس جب سایہ مشرق کی طرف نمودار ہو جائے تو پھر نماز پڑھو کیونکہ اس وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں

کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں"(مسلم)

پانچویں دلیل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ"جس نے سنت فجر (نماز فجر سے پہلے) نہ پڑھی ہو تو طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے۔(ترمذی)

قارئین حضرات! کتاب کے خلاصہ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ احناف کا مذہب الحمد للہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔اور احناف پر قرآن وسنت کی مخالفت کا جو الزام غیر مقلدین حضرات انتہائی زور وشور کیساتھ لگاتے آرہے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور بیہودہ ہے۔جسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لہذا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متبعین کو پورے اطمینان اور یقین کیساتھ اپنے امام صاحبؒ کے مذہب پر ثابت قدم رہنا چاہئے اور کسی قسم کے شک وشبہ میں پڑنے کے بجائے شکوک وشبہات پیدا کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دینا چاہئے۔تاکہ یہ لوگ آئندہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لائق ہی نہ رہے۔آخر میں اللہ تعالی سے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالی مجھے اور آپ حضرات کو مسلک احناف کی دفاع کی مزید توفیق عطاء فرمائیں۔اور میری اس حقیری کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر لوگوں کیلئے نافع بنادے اور میرے لیے آخرت میں کامیابی ذریعہ بنا کر قیامت کے دن میرا حشر اہل حق سواد اعظم اہل سنت والجماعت (آئمہ اربعہ) اور خاص کر اپنے اسلاف علمائے دیوبند کے ساتھ فرمادے۔آمین یارب العالمین ولک الحمد والمنہ

Scanned by CamScanner

۲۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۴ء

تا

۲۴ ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ ۱۶ اگست ۲۰۱۷

Scanned by CamScanner

مراجع و مصادر

القرآن والتفاسیر

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام، مطبع و سن اشاعت
۱	کتاب اللہ	کلام اللہ عز وجل
۲	تفسیر ابن کثیر	ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر، دار الکتب علمیہ، ۱۴۱۹ھ
۳	تفسیر الطبری	محمد بن جریر ابو جعفر الطبری، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۰ھ
۴	تفسیر القرطبی	ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، دار الکتب المصریہ ۱۳۸۴ھ
۵	تفسیر احکام القرآن	احمد بن علی ابو بکر الرازی الجصاص، دار احیاء التراث ۱۴۰۵

متون الحدیث

۶	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، مکتبہ رحمانیہ/ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷	صحیح المسلم	مسلم بن الحجاج ابو الحسن، المتوفی ۲۶۱ھ دار احیاء التراث
۸	جامع الترمذی	محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، مکتبہ رحمانیہ
۹	سنن ابو داؤد	ابو داؤد سلیمان بن الاشعث المتوفی ۲۷۵ھ مکتبہ رحمانیہ

Scanned by CamScanner

۱۰	سنن النسائی الکبری	ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی المتوفی سن ۳۰۳ھ مؤسسہ الرسالہ ۱۴۲۱ھ
۱۱	سنن ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی المتوفی سن ۲۷۳ھ رحمانیہ
	صحیح ابن خزیمہ	ابو بکر محمد بن اسحاق المتوفی ۳۱۱ھ المکتب الاسلامی ۱۳۹۳ھ
۱۲	معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ عالم الکتب ۱۴۱۴ مکتبہ رحمانیہ
۱۳	مجمع الزوائد	ابو الحسن نور الدین علی الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ مکتبہ القدسی طبع ۱۴۱۴ھ
۱۴	مصنف ابن ابی شیبہ	ابو بکر ابن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ مکتبۃ الرشد طبع ۱۴۰۹ھ
۱۵	مصنف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق المتوفی ۲۱۱ھ طبع المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳
۱۶	الترغیب والترہیب	علامہ حافظ منذری المتوفی　　قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۷	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی الہندی المتوفی ۹۷۵ھ مؤسسہ الرسالہ طبع ۱۴۰۱ھ
۱۸	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد ابو القاسم الطبرانی مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۰۴
۱۹	سنن کبری	احمد بن الحسین ابو بکر البیہقی دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۴ھ

کتب شروح الحدیث وتخریج الحدیث

۲۰	عمدۃ القاری	ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

Scanned by CamScanner

۲۰	فتح الباری شرح صحیح البخاری	احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ دار المعرفہ بیروت، طبع ۱۳۷۹۔
۲۱	شرح مسلم للنووی	یحیٰ بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، طبع ۱۳۹۲۔
۲۲	بذل المجہود	خلیل احمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۶ھ
۲۳	عون المعبود	شمس الحق عظیم آبادی المتوفی ۱۳۲۹ھ دار الکتب العلمیہ
۲۴	تحفۃ الاحوذی	عبد الرحمن المبارکپوری المتوفی ۱۳۵۳ھ دار الکتب العلمیہ
۲۵	الدر المنضود	مولانا محمد عاقل صاحب مظاہر العلوم مکتبۃ الشیخ کراچی
۲۶	اعلاء السنن	ظفر احمد عثمانی المتوفی ۱۳۹۴ھ ادارۃ القرآن ۱۴۱۸ھ
۲۷	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	علی بن سلطان محمد الہروی ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ دار الفکر بیروت طبع ۱۴۲۲ھ
۲۸	نیل الاوطار	محمد بن علی الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ دار الحدیث مصر ۱۴۲۱
۲۹	المحلی بالآثار	ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ دار الفکر
۳۰	فیض القدیر شرح جامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ المکتبۃ التجاریۃ مصر ۱۳۵۶
۳۱	نصب الرایہ تخریج احادیث الہدایہ	جمال الدین ابو محمد عبد اللہ الزیلعی المتوفی ۷۶۲ھ مؤسسۃ الریان ۱۴۱۸ھ
۳۲	معارف السنن	محمد یوسف البنوری المتوفی ۔۔۔ ادارۃ القرآن کراچی

کتب طبقات ورجال وعلوم حدیث

۳۳	تقریب التہذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع دار الرشید سوریا ۱۴۰۶ھ
۳۴	تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۲۶ھ
۳۵	تہذیب الکمال	یوسف بن عبدالرحمن الکلبی المزی المتوفی ۷۴۲ھ طبع موسسۃ الرسالہ ۱۴۰۰ھ
۳۶	میزان الاعتدال	ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ دار المعرفہ ۱۳۸۲ھ
۳۷	لسان المیزان	ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ موسسۃ الاعلمی ۱۳۹۰ھ
۳۸	مغانی الاخیار	ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۲۷ھ
۳۹	الاغتباط	برہان الدین الحلبی ابو الوفا ابراہیم بن محمد العجمی المتوفی ۸۴۱ھ طبع دار الحدیث القاہرہ ۱۹۸۸
۴۰	الکامل ابن عدی	ابو احمد بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۸ھ
۴۱	تاریخ کبیر امام بخاری	محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری المتوفی ۲۵۶ھ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن

۴۲	تذکرۃ الحفاظ	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۴۳	الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل	ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ مکتب المطبوعات الاسلامیہ۔ حلب۔ ۱۴۰۷ھ
۴۴	تعجیل المنفعۃ	احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع دار البشائر ۱۹۹۶ء
۴۵	الثقات لابن حبان	محمد بن حبان بن احمد البستی المتوفی ۳۵۴ھ دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ حیدرآباد دکن۔ ۱۳۹۳ھ
۴۶	تاریخ اسماء الثقات	ابو حفص عمر بن احمد ابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ دار السلفیہ ۱۴۰۴ھ
۴۷	من تکلم فیہ وھو موثق	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ طبع مکتبہ المنار الزرقاء ۱۴۰۶ھ
۴۸	الرواۃ الثقات المتکلم فیہم	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
۴۹	المختلطین للعلائی	صلاح الدین ابو سعید خلیل العلائی المتوفی ۷۶۱ھ طبع مکتبہ الخانجی قاہرہ ۱۴۱۷ھ
۵۰	طبقات المدلسین	احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع مکتبہ المنار عمان ۱۴۰۳ھ

Scanned by CamScanner

٥١	ثقات العجلي	ابو الحسن احمد بن عبد الله العجلي المتوفى ٢٦١ھ مكتبہ الدار مدینہ منورہ ١٤٠٥ھ
٥٢	تدریب الراوی	عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی المتوفى ٩١١ھ دار طیبہ
٥٣	الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المتوفى ٣٢٢ھ دار الکتب العلمیہ ١٤٠٤
٥٤	الضعفاء والمتروکین	ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی المتوفى ٣٠٣ھ دار الوعی ١٣٩٦ھ
٥٥	سیر اعلام النبلاء	ابو عبد الله محمد بن احمد الذہبی المتوفى ٧٤٨ھ دار المعرفہ ١٤٢٣ھ

كتب الفقه

٥٦	البحر الرائق	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم المصری المتوفى ٩٧٠ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
٥٧	الدر المختار مع الرد المحتار	محمد بن علی علاء الدین الحصکفی المتوفى ١٠٨٨ھ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
٥٨	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ المتوفى ١٠٧٨ھ دار احیاء التراث العربی۔
٥٩	رد المحتار	ابن عابدین محمد امین بن عمر الدمشقی المتوفى ١٢٥٢ھ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
٦٠	المبسوط للامام السرخسی	محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی المتوفى ٤٨٣ھ دار المعرفہ بیروت ١٤١٤ھ

۶۱	العنایہ شرح الهدایہ	محمد بن محمد اکمل الدین البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ دار الفکر بیروت ۔
۶۲	حلبی کبیری	ابراہیم بن محمد الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ھ قدیمی کراچی
۶۳	مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی	حسن بن عمار بن علی شرنبلالی المتوفی ۱۰۶۹ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۶۴	اللباب فی شرح الکتاب	عبد الغنی بن طالب الغنیمی المیدانی المتوفی ۱۲۹۸ھ العلمیہ ۔
۶۵	المغنی علی مختصر الخرقی	ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد ابن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۲۰ھ مکتبہ القاہرہ۔

الفتاوی

۶۶	فتاوی رشیدیہ	فقیہ الامت مفتی رشید احمد گنگوہی المتوفی
۶۷	امداد الفتاوی	حکیم الامت اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ مکتبہ دار العلوم کراچی۔
۶۸	کفایت المفتی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی المتوفی ۱۳۷۲ھ دار الاشاعت کراچی۔
۹۶	فتاوی دار العلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی المتوفی ۱۳۴۷ھ دار الاشاعت کراچی۔

۷۰	آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی شہید" المتوفی ۲۰۰۰ء، مکتبہ لدھیانہ کراچی
۷۱	فتاویٰ عثمانی	شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دار العلوم کراچی
۷۲	فتاویٰ فریدیہ	شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید
۷۳	فتاویٰ رحیمیہ	مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری
۷۴	مجموعۃ الفتاویٰ عبد الحی	ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، ۲۰۰۹ء

سنت فجر کے موضوع پر مکتب احناف و غیر مقلدین

۷۵	نسیم الفجر فی تحقیق سنت الفجر	مولانا محمد شفیق شبر آلوی جامعہ اسلامیہ چارسدہ پشاور
۷۶	انارۃ الفجر فی تحقیق سنت الفجر	مولانا سید ابو المعتمد ادھم عبد القدوس بسوانی
۷۸	احکام و مسائل کتاب و سنت کی روشنی میں	مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی دار الاندلس لاہور
۷۹	اختلاف کا رسول ﷺ سے اختلاف	حافظ فاروق الرحمن یزدانی ادارہ تحفظ افکار اسلام
۸۰	القول المتین	مولانا محمد ابو الحسن سیالکوٹی مکتبہ محمدیہ ساہیوال
۸۱	التحقیقات فی رد الہفوات	ابو یحییٰ صاحب، پشاور
۸۲	نزل الابرار	مولانا وحید الزمان مرحوم
۸۳	اعلام اہل العصر	علامہ شمس الحق عظیم آبادی مکتبہ ام القری

Scanned by CamScanner

۸۴	بعض احکام رکعتی الفجر	مولانا ارشاد الحق اثری صاحب مکتبہ ام القری
۸۵	دین میں تقلید کا مسئلہ	حافظ زبیر علی زئی
۸۶	تعداد رکعات رمضان	حافظ زبیر علی زئی

Scanned by CamScanner

افرأیت من اتخذ الٰهه هواه

کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے

اہل بدعت وفسق

کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے شرعی احکام ومسائل

یہ بات تو مسلم ہے کہ دو آدمیوں کا مل کر نماز کی جماعت کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تین آدمیوں کا مل کر نماز پڑھنا دو آدمیوں کی نماز سے زیادہ بہتر ہے اسی طرح نمازی جتنی کثرت سے مل کر جماعت کیساتھ نماز پڑھیں گے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جماعت کی نماز کیلئے امام کا انتخاب کس بنیاد پر ہوگا؟ امام کے انتخاب کیلئے کیا طریق کار ہوگا؟ کن صفات کے حامل شخص کو امام بنایا جائے؟ اہل بدعت وفسق کی امامت کا شرعی حکم کیا ہے؟ بدعت وفسق کس کو کہتے ہیں؟ بدعتی وفاسق کے کتنے اقسام ہیں؟ کس بدعتی وفاسق کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے؟ کس بدعتی وفاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؟ کس بدعتی وفاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے؟ کس بدعتی وفاسق کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔؟ ان سب سوالوں کا جواب مع دیگر ضروری مسائل کو شرح وبسط کیساتھ ان شاء اللہ اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ امید ہے کہ یہ رسالہ عوام وخواص کیلئے مفید ہوگا۔

ترتیب

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی

ناشر: خطیب جامع مسجد مدنی شمس آباد روڈ پار ہوتی مردان

مصنف کی دیگر زیر طبع کتب







مکتبہ الاحرار نیواڈہ مردان

Scanned by CamScanner